تمھیں کسی نیک ماں نے دودھ پلایا ہے۔ تمھاری تربیت کسی قابلِ احترام اُستاد نے کی ہے۔ بہرحال مجھے اُن واقعات کے ساتھ دلچسپی ہوگی جن کے باعث تمھاری عمر کا ایک نوجوان غرناطہ کا پُررونق شہر چھوڑ کر اس ویرانے میں آگیا ہے۔"

سعد نے مختصراً قرطبہ کے انقلاب کے وہ واقعات بیان کر دیے جنھوں نے اسے ہوش سنبھالتے ہی اندلس کے اجتماعی مسائل کے متعلق سوچنے کا عادی بنا دیا تھا۔

(۱۰)

افریقہ کے قیام کے دوران میں سعد بن عبدالمنعم اپنے آپ کو ایک بہترین سپاہی اور ایک کامیاب مبلغ ثابت کرتا رہا۔ وہ جب کبھی کسی بری یا بحری مہم سے فارغ ہوتا تو افریقہ کے علما کے ساتھ دُور اُفتادہ علاقوں میں بسنے والے غیر مسلم قبائل میں اسلام کی تبلیغ کے لیے چلا جاتا۔ وہ صحرائی قبائل کی زبان میں بے تکلفی کے ساتھ تقریر کر سکتا تھا۔

افریقہ میں مجاہدانہ سرگرمیوں کے باوجود سعد کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے تھے جب اسے اپنی غریب الوطنی کا احساس پریشان کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ تنہائی میں بیٹھ کر غرناطہ کا تصور کرتا، ماں، بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں کی صورتیں اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتیں۔ وہ تصور میں ان کے ساتھ باتیں کرتا۔ "تم خیال کرتے ہوگے کہ میں تمھیں بھول گیا ہوں۔ نہیں۔ میں تمھیں بھولا نہیں۔ میں تمھیں دیکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔ میں بہت جلد تمھارے پاس آؤں گا۔" پھر اُسے میمونہ کا خیال آتا اور اس کے دل کی گہرائیوں میں لطیف، میٹھے اور سہانے نغمے جاگ اٹھتے۔ رات کی تنہائیوں میں کسی ریت کے ٹیلے پر بیٹھ کر وہ جگمگاتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھ کر سوچتا، میمونہ شاید اس وقت ان ستاروں سے پوچھ رہی ہوگی کہ اندلس کے اُفق پر صبحِ آزادی کا سورج کب نمودار ہوگا اور صرف میمونہ ہی نہیں اندلس میں قوم کی لاکھوں بیٹیاں ہر رات ان ستاروں سے یہ سوال پوچھتی ہوں گی کہ قوم کے فرزند کب ان تاریک فضاؤں میں آزادی کی قندیلیں روشن کریں گے!

کبھی کبھی وہ یہ سوچتا کہ مجھے چند دن کے لیے گھر جانا چاہیے۔ اگر غرناطہ کی حکومت اب تک میری تلاش میں ہو تو بھی میں بھیس بدل کر وہاں جا سکتا ہوں۔ میں زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہروں گا۔ امیر یوسف خوشی سے مجھے اجازت دے دیں گے۔ وہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اٹھتا اور امیر یوسف کی قیام گاہ کا رُخ کرتا لیکن اس کی مجلس میں فوج کے افسروں کو نئی جنگوں اور علما کو تبلیغی مُہموں کے متعلق باتیں کرتے سُن کر اس کے خیالات کی رَو بدل جاتی اور اس کے کانوں میں باپ کے یہ الفاظ گونجنے لگتے۔ "ہمارا مقصد ہماری زندگی سے بڑا ہے۔"

سعد نے رمضان کا مہینہ سبتہ میں گزارا۔ کئی مہینے دُور اُفتادہ مقامات میں گزارنے کے باعث اسے اپنے گھر کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس نے احمد کے نام ایک خط لکھا اور سیر بن ابوبکر نے غرناطہ میں ایک خاص ایلچی بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ عید سے دو دن بعد ایلچی واپس آیا اور اس نے اسے دو خط پیش کیے۔ ایک میمونہ اور دوسرا شیخ ابوصالح نے لکھا تھا۔ میمونہ کا خط یہ تھا:

"میرے محترم! احمد، حسن اور میرے بھائی ادریس گھر میں نہیں ہیں اور میں آپ کی والدہ محترمہ کے حکم سے یہ خط لکھ رہی ہوں۔ اندلس میں علماء کی مہم کی ناکامی کے بعد قاضی ابوجعفر نے غرناطہ واپس آتے ہی رضا کاروں کو مختلف شہروں کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ حسن سرقسطہ اور احمد طلیطلہ جا چکا ہے۔ آپ کے کئی اور ساتھی بھی مختلف مقامات کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے اپنی مہم کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ مقامی کارکنوں کے ساتھ شامل ہو کر عوام کو اجتماعی خطرے کے مقابلے کے لیے متحد کریں گے۔ بھائی ادریس تجارتی کاروبار کے سلسلے میں مالقہ گیا ہوا ہے۔ آپ کی امی جان کی تنہائی محسوس کرتے ہوئے مجھے خالہ نے ان کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ وہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرتی ہیں کہ خدا میرے بچوں

کو اسلام کا بول بالا کرنے کی ہمت دے اور میں بھی ہر سانس کے ساتھ آپ کی کامیابی کے لیے دعا کیا کرتی ہوں۔ مجھے صرف یہ شکایت ہے کہ وہ منزلگاہیں جو آپ نے اپنے لیے منتخب کی ہیں۔ میری پرواز سے بہت دور ہیں۔ خدا معلوم رات کا مسافر صبح کا پیغام کب لائے گا؟"

میمونہ

شیخ ابو صالح نے اپنے خط میں غرناطہ اور باقی اندلس کے تازہ واقعات پر تبصرہ کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ابن عمار، معتمد کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اہلِ طلیطلہ اپنے حکمران یحییٰ[1] ذوالنون سے سخت نالاں ہیں اور وہاں ایک عام بغاوت کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ الفانسو کی افواج سرقسطہ، بلنسیہ اور اشبیلیہ کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں۔ اندلس کے عوام میں بددلی اور سراسیمگی پھیل رہی ہے اور مجھے قاضی ابو جعفر کی نئی مہم کی کامیابی کی زیادہ امید نہیں۔ اندلس کے سنجیدہ لوگ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اب افریقہ کے مرابطین ہی انھیں تباہی سے بچا سکیں گے۔ قاضی ابو جعفر چند دن غرناطہ رہ کر بطلیوس چلے گئے ہیں۔ وہ غالباً ایک ماہ تک واپس آئیں گے۔ ان کی خواہش تھی کہ تم اس عرصے میں اپنی کارگزاری کی مفصل اطلاع بھیجو۔ تم نے جو خط احمد کی طرف لکھا تھا، وہ میں نے قاضی ابو جعفر کو دکھایا تھا لیکن وہ زیادہ مطمئن نہیں تھے۔

---

[1] مامون ذوالنون کا بیٹا۔ اسے یحییٰ القادر بھی کہا جاتا ہے۔

احمد بن عبد المنعم طلیطلہ میں

سعد بن عبد المنعم کو افریقہ میں چھوڑ کر ہم اندلس کی تاریخ کا ایک اور ورق الٹتے ہیں۔ ابنِ عمار کی نخوت تمسخر کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ خوشامدی اُسے ایک وزیر کی بجائے بادشاہ کہا کرتے تھے اور وہ اپنی شان میں قصائد لکھنے والوں کو معتمد کے درباری شاعروں کی نسبت بڑھ چڑھ کر انعام دیا کرتا تھا۔ جب وہ معتمد کے نائب السلطنت کی حیثیت میں مرسیہ کے انتظامات سنبھالنے کے لیے روانہ ہوا تو خوشامدی دوستوں کا ایک جلوس اس کے ساتھ تھا۔ دو سو خچروں پر اس کے عیش و نشاط کا سامان لدا ہوا تھا۔ راستے کے ہر شہر میں اس نے دربار منعقد کیے اور لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ ان درباروں میں وہ معتمد کی طرح بیش قیمت قبا اور جواہرات سے مرصع ٹوپی پہنا کرتا تھا۔

اشبیلیہ میں اس کے حاسد موجود تھے، معتمد کے دربار میں ایک اور نامور شاعر ابنِ زیدون اسے اپنی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس نے ابنِ عمار کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھایا اور ان تمام امراء کو اپنے ساتھ ملا لیا جو ابنِ عمار کے اقتدار سے جلتے تھے۔ معتمد جیسے جذباتی انسان کو ابنِ عمار سے بدظن کرنے میں انھیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ مرسیہ سے اس قسم کی اطلاعات آرہی تھیں۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ابنِ عمار اپنے آقا کے حکم سے منحرف ہے اور مرسیہ میں ہر فیصلہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔

ابنِ طاہر مرسیہ کا سابق حکمران ابن عمار کی قید میں تھا۔ ابن عمار نے اسے اپنا مطیع کرنے کے لیے اُسے ایک پُر تکلف خلعت بھیجی لیکن ابنِ طاہر نے ابن عمار کی خلعت کو ٹھکرا

دیا اور اس کے ایلچی سے کہا "میں اس شخص کا مطیع ہونے کے لیے تیار نہیں جو کل تک روٹی کی خاطر لوگوں کے قصائد لکھا کرتا تھا۔" ابنِ عمار جیسے خود پسند کے لیے یہ توہین آمیز الفاظ ناقابلِ برداشت تھے۔ چنانچہ اس نے یہ عہد کیا کہ وہ ابنِ طاہر کو اس وقت تک قید میں رکھے گا، جب تک کہ وہ اس کے پاؤں پر گرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو جاتا۔

بلنسیہ کا حکمران ابن عبدالعزیز ابنِ طاہر کا دیرینہ دوست تھا۔ معتمد کے ساتھ بھی اس کے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ چنانچہ اس نے معتمد کو خط لکھا ابن طاہر کی سفارش کی اور معتمد نے ابن عمار کو حکم بھیجا کہ ابنِ طاہر کو رہا کر دیا جائے۔ ابنِ عمار نے معتمد کے اس حکم کی پروانہ کی۔ لیکن ابنِ طاہر ایک دن قید خانے سے فرار ہوا اور ابنِ عبدالعزیز کے پاس پہنچ گیا۔ ابنِ عمار نے غصے کی حالت میں ابنِ عبدالعزیز کی ہجو لکھ ڈالی۔ ابنِ عبدالعزیز کے پاس یہ نظم پہنچی تو اس نے معتمد سے شکایت کی اس پر معتمد کو غصہ آیا اور اس نے ابن عمار کے متعلق ایک نظم لکھ کر اس کے پاس بھیج دی۔ پھر اس کے جواب میں ابنِ عمار نے قلم اٹھایا اور وہ نظم[1] لکھ ڈالی جو اس کے زوال اور بالآخر قتل کا باعث ہوئی۔

ابنِ عمار نے یہ ہجو[2] انتہائی طیش یا شراب کے نشے کی حالت میں لکھی تھی۔ تاہم اس نے

---

[1] معتمد کی نظم کے بعض اشعار کا مفہوم یہ ہے:۔ بنی عمار (ابن عمار کا خاندان) وہ ہیں جو کل تک ذلت و خواری کے ساتھ ہر صاحبِ زر کے قدموں پر پڑے رہتے تھے۔ اگر ان کے آقا انھیں روٹی کے دو لقمے بھی دے دیتے تھے تو ان کی عید ہو جاتی تھی۔ وہ ذلیل خدمات کے صلے میں ذلت کی حالت سے اُٹھا کر بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیے گئے۔

[2] ابن عمار کی ہجو کا مفہوم یہ تھا: "اے معتمد! قوم کی بیٹیوں میں سے تو نے اسے پسند کیا جو رمیک کی لونڈی تھی اور لونڈی بھی ایسی ذلیل کہ اس کا مالک اسے اونٹ کے ایک سالہ بچے کے عوض فروخت کر ڈالتا۔ تین بدکار بیٹیاں اور دو ڈھنگے اور بدمعاش بیٹے تجھے شرم دلانے کے لیے اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔ معتمد! میں تیری بے عزتی کو سارے عالم میں مشعل کی طرح روشن کر دوں گا اور وہ پردہ اُٹھا دوں گا جو تیرے گناہوں کو چھپائے ہوئے ہے

اپنے چند قابلِ اعتماد دوستوں کے سوا یہ ہجو کسی کو نہ سُنائی لیکن ان دوستوں میں سے ایک یہودی ابنِ عبدُالعزیز کا جاسُوس تھا۔ اس نے یہ نظم عبدالعزیز کے پاس اور عبدالعزیز نے معتمد کے پاس پہنچا دی۔ اب ابنِ عمار اور معتمد کے درمیان وہ خلیج حائل ہو چکی تھی جسے پاٹنا ناممکن تھا۔ خوشامدی دوست اس کا زوال دیکھ کر اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ابنِ عمار کی نمائشی ضیافتوں اور عیاشیوں کے باعث مرسیہ کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ سپاہیوں نے جنہیں کئی مہینے سے تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔ تنگ آکر ابنِ عمار کو دھمکی دی کہ اگر اس نے فوراً ان کی بقایا تنخواہیں ادا نہ کیں تو وہ اسے معتمد کے حوالے کر دیں گے۔ عوام نے اسے ٹیکس دینے سے انکار کر دیا۔ جو لوگ کل تک اس کی شان میں قصائد کہتے تھے اب اس کی ہجو لکھ رہے تھے۔ ابن عمار کے دماغ سے اقتدار کا نشہ اتر چکا تھا وہ مرسیہ چھوڑ کر بھاگا اور الفانسو کے پاس پہنچ کر مدد کی درخواست کی لیکن الفانسو گرتے ہوئے محل کو سہارا دینے والوں میں سے نہ تھا۔ وہاں سے مایوس ہو کر ابنِ عمار یکے بعد دیگرے اندلس کے مختلف حکمرانوں کے پاس گیا۔ بالآخر بنی سہل نے اُسے گرفتار کر کے معتمد کے پاس فروخت کر دیا۔

ابنِ عمار جو کبھی شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اشبیلیہ میں داخل ہوا کرتا تھا اب ایک قیدی کی حیثیت سے وہاں پہنچا۔ اس کی قبا پھٹی ہوئی تھی اور زنجیروں کے بوجھ کے باعث اس کے ہاتھ اور پاؤں زخمی تھے۔ وہ لوگ جو فرطِ عقیدت سے اس کے ہاتھوں کو بوسے دیا کرتے تھے اب اس پر آوازیں کس رہے تھے۔ وہ سر جس پر وہ ایک بالشت اُونچی اور جواہرات سے مرصع ٹوپی پہنا کرتا تھا اب شرم و ندامت سے جُھکا جا رہا تھا۔

معتمد اپنے باپ کی طرح پرلے درجے کا مُنتقم مزاج نہ تھا ممکن تھا کہ وہ ابنِ عمار کی سابقہ خدمات کے عوض درگزر کرتا لیکن رمیکیہ اور اس کے بیٹے اس کے خُون کے پیاسے تھے۔

ابنِ عمار کچھ عرصہ معتمد کی قید میں رہا۔ بالآخر معتمد نے ایک دن اسے اپنے ہاتھوں سے موت[1]

---

[1] تاریخ میں ابن عمار کے عروج و زوال کے حالات کافی تفصیل کیساتھ درج کیے گئے ہیں لیکن اس کتاب میں ان تفصیلات کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مُصنّف نے صرف ان واقعات پر پُوری توجہ دی ہے جنھیں اس ناول کا تاریخی پس منظر واضح کرنے کیلیے اہم سمجھا گیا ہے۔

کے گھاٹ اتار دیا۔

(۲)

طلیطلہ میں مامون ذالنون کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ القادر مسندِ حکومت پر رونق افروز ہوا۔ یحییٰ القادر ایک تن آسان اور پست ہمت نوجوان تھا اور محل کے خواجہ سرا اُسے اپنی انگلیوں پر نچاتے تھے۔ اس کا باپ اپنی موت سے پہلے قرطبہ فتح کرنے کے شوق میں طلیطلہ کا خزانہ خالی کر چکا تھا۔ اب بیٹے کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ الفانسو کے سالانہ خراج کی رقم پورا کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے رعایا پر مزید ٹیکس لگا دیے لیکن الفانسو ہر سال پہلے کی نسبت زیادہ خراج مانگنے لگا اور اس کے مطالبات پورے کرنے کے لیے یحییٰ نے اپنی رعایا کو زیادہ سے زیادہ لوٹنا شروع کر دیا۔ جب عوام روٹی تک کے محتاج ہو گئے تو اس نے رؤسا کی طرف توجہ دی۔ رؤسا نے روپیہ دینے سے انکار کیا تو یحییٰ نے انھیں دھمکی دی کہ اگر تم نے فوراً روپیہ فراہم نہ کیا تو میں تمہاری اولاد کو الفانسو کے حوالے کر دوں گا!

طلیطلہ کے عوام کا پیمانۂ صبر پہلے ہی لبریز ہو چکا تھا۔ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ یحییٰ کی فوج اور پولیس نے ایک عام بغاوت کے آثار دیکھ کر سرکردہ لوگوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ چند ہفتوں میں طلیطلہ کا قید خانہ بھر گیا لیکن لوگوں کے جوش و خروش میں کوئی فرق نہ آیا۔ یحییٰ نے نئے قیدیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر پرانے قیدیوں کو اپنی سرحد کے ایک قلعے میں منتقل کر دیا۔ ان قیدیوں میں عبدُالمنعم اور اس کے وہ ساتھی بھی تھے جنھیں ابنِ عکاشہ اور مامون نے قرطبہ پر قابض ہونے کے بعد وہاں سے طلیطلہ کے قید خانے میں بھیج دیا تھا۔ طلیطلہ میں ان لوگوں کو قید خانے کی ان زمین دوز کوٹھڑیوں میں رکھا گیا تھا جہاں سے کسی کی فریاد باہر نہیں پہنچ سکتی تھی اور قیدی رہائی سے زیادہ موت کا انتظار کرتے تھے۔ ان کے پہریدار گونگے اور بہرے تھے۔ ان پہریداروں کو قید خانے کے اس حصے میں پاؤں رکھنے کی اجازت نہ تھی جو بول یا سن سکتے تھے۔ قید خانے کے داروغہ کے رجسٹر میں ان کے متعلق یہ تحریر تھا: نام

فلاں۔ جُرم سنگین۔ سزا، تا حکمِ ثانی قید میں رکھا جائے اور کڑی نگرانی کی جائے!

طلیطلہ کے قید خانے سے عبدالمنعم اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ قریباً نوّے اور قیدی سرحدی قلعے میں منتقل کیے گئے۔ دو ہفتوں میں طلیطلہ کا قید خانہ پھر بھر گیا اور وہاں سے ڈیڑھ سو مزید قیدی سرحدی قلعے میں بھیج دیے گئے۔ ان قیدیوں کی زبانی عبدالمنعم اور اس کے ساتھیوں کو معلوم ہوا کہ یحییٰ نے طلیطلہ کے حُرّیت پسندوں کی سرکوبی کے لیے الفانسو سے مدد مانگی ہے اور اس کی فوج کے چند دستے طلیطلہ پہنچ کر مار دھاڑ کر رہے ہیں۔

(۳)

احمد بن عبدالمنعم نے قاضی ابوجعفر کے حکم سے طلیطلہ کا رُخ کیا۔ طلیطلہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی اُسے معلوم ہوا کہ یحییٰ کی حکومت نے الفانسو کا خراج پورا کرنے کے لیے عوام کی طرح امراء کو بھی لوٹنا شروع کر دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ طلیطلہ کے تاجر اور رؤسا جنھیں اس سے قبل حرّیت پسندوں کی شامل کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی اب اپنے ذاتی مفادات پر ضرب پڑتے ہی عوام کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اب شہر کے گلی کوچوں میں یحییٰ کی حکومت کے خلاف کھلے بندوں مظاہرے ہوتے ہیں۔ یحییٰ کی فوج اور پولیس باغیوں کو سختی سے دبانے کی کوشش کر رہی ہے۔ سینکڑوں بااثر لوگوں کو قید خانے میں ٹھونسا جا چکا ہے لیکن عوام کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا ہے۔

طلیطلہ کے شہر سے دو منازل کے فاصلے پر احمد کو معلوم ہوا کہ یحییٰ کی درخواست پر الفانسو نے اپنی فوج کے چند دستے بھیج دیے ہیں اور نصرانی سپاہیوں کی مار دھاڑ اور سفاکی نے جمہور کو بددل کر دیا ہے۔

احمد کو قاضی ابوجعفر نے طلیطلہ کے ایک عالمِ دین ابوایوب کے نام ایک تعارفی خط دیا تھا۔ ابوایوب شہر کے مضافات کی ایک بستی میں رہتا تھا۔ سفر کے آخری دن احمد شام کے قریب شہر سے باہر ایک چھوٹی سی سرائے کے دروازے پر گھوڑے سے

اتر پڑا۔ ایک تیرہ چودہ سال کی عمر کے لڑکے نے آگے بڑھ کر اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔ احمد نے اس سے پوچھا۔ "مجھے یہاں ٹھہرنے کے لیے جگہ مل جائے گی؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "جگہ تو مل جائے گی لیکن....." لڑکا قدرے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

احمد نے کہا۔ "لیکن کیا....؟"

"کچھ نہیں۔ اگر آپ حکومت کے ملازم ہیں تو یہاں کیوں ٹھہرنا چاہتے ہیں؟"

"میں ایک مُسافر ہوں۔"

"شہر میں آپ کا کوئی واقف نہیں؟"

"شاید تلاش کرنے سے کوئی واقف نکل آئے لیکن اب شام ہو رہی ہے۔ سرائے کا مالک کہاں ہے؟"

"میں اس کا لڑکا ہوں۔"

"بہت اچھا۔ تم میرے گھوڑے کو چارہ اور پانی دو۔ میں ابھی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔"

لڑکے نے احمد کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "آپ کا گھوڑا بہت خوب صورت ہے۔"

احمد نے کہا۔ "ہاں! لیکن اس وقت اسے تھپکیوں کی بجائے چارے اور پانی کی ضرورت ہے۔"

لڑکے نے مُسکرا کر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مسجد اس طرف ہے!"

احمد مسجد کے اندر داخل ہوا تو وہاں نمازیوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے ایک نمازی سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا۔ "آپ شاید اجنبی ہیں۔ آجکل یہاں اتنے آدمیوں کا جمع ہونا بھی غنیمت ہے۔ جب سے قسطلہ کے سپاہیوں نے یہاں آکر مار دھاڑ شروع کی ہے غروبِ آفتاب سے لے کر طلوعِ آفتاب تک بہت کم لوگ اپنے گھروں سے باہر نکلتے ہیں۔"

احمد نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلا تو اُسے سرائے کے مالک کا کمسن لڑکا اپنی طرف

بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔

"ٹھہریے!" اس نے احمد کے قریب آکر کہا۔

احمد رُک گیا۔ جب مسجد سے نکلنے والے باقی نمازی اِدھر اُدھر چلے گئے تو لڑکے نے کہا۔ "اگر آپ سچ مچ اجنبی ہیں تو سرائے میں نہ جائیں!"

"کیوں؟"

"سپاہی آپ کا گھوڑا لے گئے ہیں۔ انھوں نے آپ کا پتہ پوچھا تھا۔ میں نے انھیں بتایا کہ آپ شہر میں کسی دوست کو تلاش کرنے گئے ہیں۔ اب وہ سپاہی وہاں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"لیکن کیوں؟ میں نے کوئی جرم نہیں کیا!"

"جرم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کے پاس ایک خوبصورت گھوڑا تھا۔ یہاں ایک اچھا گھوڑا رکھنے کے لیے اس کی قیمت سے زیادہ محصُول دینا پڑتا ہے اس لیے وہ لے گئے ہیں۔ اگر آپ چوکی میں جا کر یہ ثابت نہ کر سکے کہ آپ سرکاری ملازم ہیں تو گھوڑا ضبط کر لیا جائے گا۔ ایسے گھوڑوں پر عام لوگ سواری نہیں کرتے۔ اس لیے جب آپ سرائے میں جائیں گے تو وہ آپ کی تلاشی لیں گے۔ جو کچھ آپ کے پاس سے نکلے گا وہ سرکار کے خزانے میں چلا جائے گا۔ اور آپ کو شاید مسلح ہو کر پھرنے کے جرم میں قید کر لیا جائے۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ پولیس کی تسلی کر سکیں گے تو آپ سرائے میں جائیں ورنہ یہیں سے اپنے کسی واقف کے پاس چلے جائیں۔ اب تھوڑی دیر میں شہر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور آپ کو بازاروں اور گلیوں میں قسطلہ کے خونخوار سپاہیوں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آئے گا۔"

احمد نے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ شہر میں میرا کوئی واقف نہیں۔ لیکن اگر تم مجھے شہر کے مشرق کی طرف نئی بستی کا راستہ دکھا دو تو ممکن ہے کہ وہاں مجھے کوئی واقف مل جائے۔"

لڑکے نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "آئیے!"

احمد لڑکے کے ساتھ چل دیا۔

(۴)

چاندنی رات میں شہر کے مضافات کی تمام سڑکیں اور راستے سنسان دکھائی دیتے تھے کہیں کہیں طلیطلہ اور قسطلہ کے سوار یا پیدل سپاہیوں کی کوئی ٹولی نظر آتی تو احمد کا راہنما کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیتا۔ ایک چوراہے پر رُک کر لڑکے نے اپنے بائیں ہاتھ جانے والی سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھیے یہ سڑک سیدھی اس طرف جاتی ہے۔ کوئی آدھ میل چلنے کے بعد نئی بستی شروع ہو جائے گی لیکن آپ بہت محتاط رہیں! اس بستی کے کئی افراد گرفتار کیے جا چکے ہیں اور کئی پھانسی دیے جا چکے ہیں۔ قسطلہ کے سپاہی اگر اس وقت کسی مسلح آدمی کو دیکھ لیں تو پوچھے بغیر قتل کر دیتے ہیں۔ تاہم اگر آپ چاہیں تو میں خطرے کے باوجود آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

احمد نے کہا۔ "نہیں اب تم جاؤ!"

لڑکے نے کہا۔ "اسی سڑک پر دائیں ہاتھ آپ کو ایک مسجد ملے گی، آپ وہاں چلے جائیں۔ ممکن ہے کہ آپ کو کوئی راہنما مل جائے۔"

احمد نے کہا۔ "تمہیں تنہا واپس جانے میں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "نہیں مجھے صرف آپ کے ساتھ چلنے میں خطرہ تھا۔"

احمد مسجد کے قریب پہنچا تو اُسے چار سپاہی دکھائی دیے۔ وہ جلدی سے سڑک کے کنارے ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہی مسجد کے قریب آکر رُکے اور کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ احمد درخت کی آڑ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوا۔ اندر مشعل کی روشنی میں ایک بوڑھا آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ احمد نے بھی عشاء کی نماز ادا کی۔ جب وہ فارغ ہوا تو بوڑھا نمازی غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

احمد نے سوال کیا۔ "آپ اس مسجد کے خطیب ہیں؟"

بوڑھے نے پریشان سا ہو کر جواب دیا۔ "نہیں میرا اس مسجد سے کوئی تعلق نہیں

میرا گاؤں دریا کے پار ہے۔ میں ایک ضروری کام سے شہر گیا تھا۔ واپس آنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ یہاں پاس ہی میرے دور کے رشتے دار ہیں' میں ان کے گھر پہنچا تو انھوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ میں مجبوراً اس مسجد میں چلا آیا۔"

احمد نے کہا۔ "میں اجنبی ہوں اور آج ہی شام کے وقت یہاں پہنچا ہوں اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو مجھے شیخ ابو یعقوب کے گھر کا راستہ دکھا دیں؟"

بوڑھے نے مشکوک نگاہوں سے احمد کی طرف دیکھا اور ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔ "میں اس وقت ان کے گھر تک آپ کی راہنمائی نہیں کر سکتا لیکن اگر آپ کے لیے وہاں تک جانا ضروری ہو تو آپ مسجد سے نکل کر بائیں ہاتھ سیدھے سڑک پر چلے جائیں۔ کوئی چار سو قدم چلنے کے بعد آپ کو درسگاہ ملے گی۔ درسگاہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کے دروازے کے سامنے پانچ آدمیوں کی لاشیں لٹک رہی ہیں۔ درسگاہ کے بالکل سامنے ایک گلی دائیں ہاتھ جاتی ہے۔ اس گلی میں پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد آپ کو بائیں ہاتھ ایک تین منزلہ مکان نظر آئے گا۔ یہ شیخ ابو یعقوب کا مکان ہے لیکن وہ ....!" بوڑھا کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک کسی خیال سے وہ خاموش ہو گیا۔

احمد نے پوچھا۔ "لیکن کیا؟"

"کچھ نہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ مسلح ہونے کے باوجود قسطلہ کے سپاہی آپ کو کچھ نہیں کہیں گے تو آپ جا سکتے ہیں۔"

احمد کوئی اور بات کیے بغیر مسجد سے باہر نکل آیا۔ درسگاہ کے دروازے کے سامنے لکڑی کے دو بلند کھمبے گڑے ہوئے تھے اور اُن کے اوپر ایک شہتیر سے بندھے ہوئے رسّوں کے ساتھ پانچ آدمیوں کو پھانسی دی گئی تھی۔ ایک ایسے نوجوان کے لیے جو سپاہی ہونے کے علاوہ ایک شاعر بھی تھا، یہ منظر بے حد دلگداز تھا۔ احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "طلیطلہ کے حریت پسندو! میں تمہیں سلام کہتا ہوں۔" پھر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ گلی کے اندر داخل ہو گیا۔

---

(۵)

تین منزلہ مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ معاً گلی کی دوسری طرف سے دو سپاہی نمودار ہوئے۔ وہ قسطلہ کی زبان میں باتیں کرتے ہوئے گلی کا رُخ کر رہے تھے۔ احمد تلوار نکال کر اور سمٹ کر دروازے کی محراب کے سائے میں کھڑا ہو گیا۔ ایک سپاہی اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "یار آج تو کوئی شکار نہیں ملا آج اس علاقے کے لوگ شام ہوتے ہی اپنے گھروں میں گھس گئے ہیں۔ کسی کا سانس تک سنائی نہیں دیتا!"

دوسرا بولا۔ "کل جو ہم نے پانچ آدمیوں کو پھانسی دی ہے اُس کا بہت اثر ہوا ہے۔"

"لیکن یار یہ لوگ علاقہ خالی کر کے بھاگ رہے ہیں۔ میں تو کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ جب سارا شہر خالی ہو جائے گا۔ تو ہم یہاں کیا کریں گے؟"

"پھر ہم یہاں آجائیں گے۔ میں نے تو اپنے لیے وہ تین منزلہ مکان منتخب کیا ہے۔"

اب وہ دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے اور احمد کا دل دھڑک رہا تھا۔

ایک سپاہی نے دروازے کے سامنے چبوترے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یار تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ میں تھک گیا ہوں!"

دوسرا سپاہی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ان دونوں کی پیٹھ احمد کی طرف تھی۔ ایک نے کہا۔

"تم نے سُنا، شہر میں آج تین آدمیوں کو پھانسی دی گئی ہے؟"

دوسرا بولا۔ "وہاں ہمارے ساتھی مزے کرتے ہیں۔ وہ مقامی پولیس کے آدمیوں کو اِدھر اُدھر ہٹا دیتے ہیں اور کسی نہ کسی مکان کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جاتے ہیں اور ہمیں یہاں شراب پی کر پھرنے کی اجازت نہیں۔"

پہلا بولا۔ "شہر میں ہماری فوج کافی ہے۔ جب قسطلہ سے اور فوج آجائے گی تو ہمیں ہر قسم کی آزادی ہوگی۔ پھر ایسے مکانوں میں جو پریاں رہتی ہیں، وہ سب ہمارے لیے ہوں

گی۔ چلو اب چلیں!"

ایک سپاہی اٹھ کر اپنے ساتھی کو بازو سے پکڑ کر کھینچنے لگا۔ اچانک اس کی نظر دروازے پر پڑی۔ "کون ہے؟" وہ اپنی تلوار کھینچتے ہوئے چلایا۔

احمد بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ اپنی تلوار اس کے سینے میں گھونپ دی۔ دوسرا اُٹھ کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ احمد اس پر ٹوٹ پڑا۔ قسطلہ کا سپاہی اپنی تلوار پر احمد کے پے در پے وار روکتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اچانک احمد کی تلوار اس کے کندھے پر لگی اور وہ ایک جگر دوز چیخ کے ساتھ زمین پر گر پڑا۔ دوسرے وار میں احمد اس کا خاتمہ کر چکا تھا۔ محلے کے لوگ اپنے دریچے کھول کر گلی میں جھانک رہے تھے۔ احمد جلدی سے پھر دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ دروازہ اندر کی طرف کھسک رہا ہے۔ اس نے ذرا زور دیا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک ثانیہ توقف کے بغیر اندر داخل ہوا۔

تاریک کمرے کے کونے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "تم کون ہو؟"

احمد نے جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کر دیا۔ "یہ شیخ ابو یعقوب کا مکان ہے؟"

احمد کے مخاطب نے جواب دینے کی بجائے آگے بڑھ کر جھانکتے ہوئے کہا۔ "تمہاری یہ بہادری اس محلے کے لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔ وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اب جلدی کرو۔ لاشیں اندر لے آؤ۔ ورنہ ان کے اور ساتھی آجائیں گے اور علی! تم کیا سوچ رہے ہو؟"

احمد کچھ کہے بغیر باہر نکلا اور ایک لاش کو ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لے آیا۔ ڈیوڑھی سے ایک بوڑھا آدمی ڈرتے ڈرتے باہر نکلا۔ اس نے دوسری لاش گھسیٹنے کی کوشش کی لیکن لاش کا بوجھ اس کی طاقت سے زیادہ تھا۔ احمد نے دوبارہ باہر آکر کہا۔ "چھوڑ دو! میں لے جاتا ہوں تم ان کی تلواریں اُٹھا لو!"

احمد دوسری لاش اندر لا رہا تھا کہ سامنے ایک مکان کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی نے

باہر جھانکتے ہوئے کہا۔" علی! جلدی سے اندر جاکر دروازہ بند کر لو۔ شاید سڑک پر سپاہی آرہے ہیں۔ ذرا چاند نیچے ہو جائے تو میں تمہیں آواز دوں گا۔ صبح تک ان کے خون کے نشان مٹانا ضروری ہے۔ اگر ان کے ساتھی کہیں قریب ہوتے تو وہ ان کی چیخ پکار سن چکے ہوں گے۔ لاشوں کو کہیں اچھی طرح چھپا دو!"

علی نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

کچھ دیر احمد خاموش کھڑا رہا۔ تاریکی میں اُسے صرف اس بات کا احساس تھا کہ ایک بوڑھا آدمی اور ایک عورت یا لڑکی اس کے قریب کھڑے ہیں۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔" اب ان لاشوں کا کیا کیا جائے؟"

عورت نے کہا۔" فی الحال انھیں کتب خانے کے ساتھ والی کوٹھڑی میں ڈال دو۔ نہیں ٹھہرو۔ شاید وہ اس طرف آرہے ہیں!"

احمد نے کواڑ کے ساتھ کان لگا دیے۔ سڑک کی طرف سے چند آدمیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ عورت احمد کے قریب دوسرے کواڑ کے ساتھ کان لگائے کھڑی تھی جب گلی کے کونے پر پاؤں کی آہٹ سنائی دینے لگی تو اس نے آہستہ سے کہا۔" وہ اسی طرف آرہے ہیں!"

احمد خاموش رہا۔ گلی کے کونے پر کسی نے قسطلہ کی زبان میں کہا۔" اس طرف تو کوئی نہیں تم نے خواہ مخواہ ہمیں پریشان کیا!"

" میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے کسی کی چیخ سنی تھی۔ میں یہ گلی دیکھتا ہوں۔ آپ اگلی گلیاں دیکھیں!"

دو آدمی گلی میں تیزی سے چلتے ہوئے آگے گزر گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئے اور اسی رفتار سے چلتے ہوئے دوبارہ سڑک کی طرف نکل گئے۔ ایک آدمی اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔" ہو سکتا ہے کہ یہ میرا وہم ہو۔ لیکن ہمیں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ کل سے میں اس آبادی میں ایک خاص بات دیکھ رہا ہوں۔ صبح کے وقت جو لوگ کام کاج کے لیے باہر نکلتے

ہیں ان میں سے اکثر شام کے وقت اپنے گھروں میں واپس نہیں آتے۔ یہاں اب بوڑھے آدمیوں کے سوا کوئی نظر ہی نہیں آتا۔"

دوسرے نے جواب دیا۔" بھئی بات یہ ہے کہ جوان بھاگ سکتے ہیں اور بوڑھے بھاگ نہیں سکتے۔"

عورت نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔" علی! تم ان کے ساتھ یہ لاشیں اٹھا کر اندر لے آؤ۔ میں وہاں جاکر روشنی کرتی ہوں۔"

عورت ڈیوڑھی سے نکل کر صحن کی طرف چلی گئی تو احمد نے ایک لاش کو بازوؤں سے پکڑتے ہوئے علی سے کہا۔" آپ اس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ گھسیٹنے سے ہر جگہ خون کے نشان پڑ جائیں گے۔"

لاش اٹھا کر ایک تنگ صحن عبور کرتے وقت احمد نے چاند کی روشنی میں بوڑھے آدمی کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔" آپ شیخ ابو یعقوب کے......؟"

بوڑھے نے کہا۔" میں ان کا ملازم ہوں۔"

" وہ گھر پر نہیں ہیں؟"

" نہیں وہ گرفتار ہو چکے ہیں۔"

(۶)

وہ کتب خانے میں داخل ہوئے۔ ایک نوجوان لڑکی مشعل لیے کھڑی تھی۔ پہلی نگاہ میں ہی احمد یہ محسوس کر رہا تھا کہ تاریکی میں اس لڑکی کے متعلق جو تصورات اس کے دماغ میں پیدا ہوئے تھے وہ سب غلط تھے۔ حزن و ملال کے باوجود اس کے چہرے میں نہایت درجہ کی رعنائی تھی۔ اس نے احمد کو دیکھتے ہی منہ ایک طرف پھیر لیا۔

احمد نے علی سے مخاطب ہو کر کہا۔" کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ لاشوں کو کہیں باہر دفن کر دیا جائے؟"

علی نے جواب دینے کی بجائے لڑکی کی طرف دیکھا اور اس نے جواب دیا۔ "نہیں اس کام کے لیے وقت نہیں۔ آپ جلدی کیجیے!"

علی نے کمرے کے عقب میں ایک تنگ کوٹھری کا دروازہ کھولا اور احمد کی مدد سے لاشوں کو اندر ڈال دیا۔

احمد نے کہا۔ "میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ لاشوں کو یہاں زیادہ دیر رکھنا خطرناک ہے۔ کل تک یہ اس قدر متعفن ہو جائیں گی کہ آپ کے لیے اس مکان میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر قسطلہ کے سپاہیوں نے ان کی تلاش شروع کر دی تو تعفن کے باعث ان کے لیے سراغ لگانا مشکل نہ ہو گا۔ تھوڑی دیر تک چاند غروب ہو جائے گا تو میں انھیں اٹھا کر چوراہے میں پھینک آؤں گا۔"

لڑکی نے کہا۔ "ہم یہاں نہیں رہیں گے اور کل تک یہ لاشیں ہمارے لیے خطرے کا باعث نہیں ہوں گی۔"

"آپ کہاں جائیں گی؟"

"میں یہ بتانے سے پہلے آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ اس وقت یہاں آنے سے آپ کا مقصد کیا تھا؟"

احمد نے جواب دیا۔ "مجھے غرناطہ سے قاضی ابوجعفر نے یہاں بھیجا تھا۔ شیخ ابویعقوب کے نام انھوں نے مجھے تعارفی خط دیا تھا۔ ابھی آپ کے نوکر نے مجھے بتایا ہے کہ وہ قید میں ہیں۔ شام کے وقت یہاں پہنچتے ہی میں شہر سے باہر ایک سرائے میں اترا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں رات کے وقت وہاں قیام کروں اور صبح کے وقت یہاں آؤں لیکن سرائے کے پاس ایک مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد باہر نکلتے ہی مجھے سرائے کے مالک کے لڑکے نے اطلاع دی کہ پولیس نے میرا گھوڑا ضبط کر لیا ہے اور چند سپاہی سرائے میں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اُسی لڑکے نے اِس بستی تک میری راہنمائی کی۔"

لڑکی نے تلملا کر کہا۔ "آپ نے اُسے بتا دیا ہو گا کہ آپ ابا جان سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا۔ لڑکا مجھے بستی کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد میں سڑک کے کنارے ایک مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک نمازی موجود تھا اور اس نے مجھے اس مکان کا راستہ بتا دیا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ حکومت کا جاسوس نہیں تھا؟"

"نہیں۔ بلکہ وہ مجھے حکومت کا آدمی سمجھتا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اس نے میرے سامنے آپ کے والد کی گرفتاری کا ذکر نہیں کیا۔ افسوس ہے مجھے ان حالات کا علم نہ تھا۔ ورنہ اس وقت میں آپ کو پریشان نہ کرتا۔"

لڑکی نے کہا۔ "قاضی ابوجعفر ابا جان کے دوست ہیں۔ وہ پچھلے دنوں طلیطلہ آئے تھے تو ہمارے ہاں ٹھہرے تھے۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ انھوں نے کس مقصد سے آپ کو یہاں بھیجا ہے؟"

"میں آپ کے والد کی وساطت سے حریت پسندوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اب شاید آپ میری راہنمائی کر سکیں!"

لڑکی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ایک مہمان ہماری مصیبتوں میں حصہ دار بنے!"

"لیکن اب تک تو شاید میری وجہ سے آپ کو اور شاید ساری بستی کو ایک خطرہ درپیش ہے۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ وہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟"

"مجھے معلوم ہے میں درسگاہ کے دروازے کے سامنے لٹکی ہوئی لاشیں دیکھ چکا ہوں۔"

"وہ لاشیں!" لڑکی نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "دو ہفتے قبل میرے بھائی اور چچا کو اُسی جگہ پھانسی دی گئی تھی۔" اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے انتقام کی آگ برس رہی تھی۔ احمد کی زبان اس کے احساسات کی ترجمانی سے قاصر تھی، وہ گردن جھکائے اپنے ہونٹ

کاٹ رہا تھا۔

لڑکی علی کی طرف متوجہ ہوئی۔ "علی ہم ان کے پاس جا رہے ہیں۔ چاند کے روپوش ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اندھیرے میں تم راستہ تو نہیں بھول جاؤ گے؟"

"آپ کا مطلب ہے کہ آپ عبدالواحد کے پاس جانا چاہتی ہیں؟"

"ہاں!"

احمد نے پوچھا۔ "عبدالواحد کون ہے؟"

"وہ اس وقت ہمارا راہنما ہے۔ اگر آپ ہماری مصیبتوں میں حصہ دار بننے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیے!"

احمد نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں آپ کی مصیبتوں میں حصہ دار بننے کا فیصلہ کر کے غرناطہ سے روانہ ہوا تھا۔"

لڑکی نے علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "علی تم جاؤ اور طلحہ کے مکان کے دروازے پر دستک دو۔ وہاں ان کا نوکر تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔ اس سے کہو کہ ہم جا رہے ہیں اور وہ صبح سے پہلے پہلے گلی سے خون کے نشان مٹا دے۔ گلی عبور کرنے سے پہلے اچھی طرح ادھر اُدھر دیکھ لینا میں اتنی دیر میں تیاری کرتی ہوں!"

احمد نے کہا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں!"

علی اور احمد کے باہر جاتے ہی لڑکی نے ایک اور شمع جلائی اور بالائی منزل کے ایک کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد احمد اور علی اسی کمرے میں واپس آگئے۔ احمد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے علی سے کہا۔ "میں اپنا ترکش اور کمان سرائے میں چھوڑ آیا تھا۔ اگر ہو سکے تو یہاں سے جتنی کمانیں اور جتنے تیر مل سکیں اُٹھا لو۔ ممکن ہے کہ راستے میں ضرورت پڑ جائے!"

"ابھی لاتا ہوں۔" علی یہ کہہ کر دوسرے کمرے سے ایک کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش اٹھا لایا۔

علی کے ساتھ چند باتیں کرنے کے بعد احمد خیالات کی دُنیا میں کھو گیا۔ اس نے پہلی بار انسانیت کے دو دُشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور اُس کی روح ان حالات کے خلاف احتجاج کر رہی تھی جنہوں نے ایک ایسے انسان کو تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا جس نے پھولوں کی مُسکراہٹوں میں آنکھ کھولی تھی۔ اس کا دل ایک ایسے نظام کے خلاف شکایت سے لبریز تھا جس نے لاکھوں انسانوں کے چہروں سے مسرّت کی مُسکراہٹیں نوچ لی تھیں۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ اندلس کبھی ایک جنت تھی لیکن چند خود غرض انسانوں نے اُسے دوزخ بنا دیا ہے۔ لاکھوں انسان صرف چند آدمیوں کی بے دینی اور گمراہی کی سزا بھگت رہے ہیں۔ خدا نے اس دنیا کو کتنا حسین بنایا تھا اور انسانوں نے اسے کس قدر مسخ کر دیا ہے۔ قدرت نے آدم کے باغ میں پھولوں کی سیج بچھائی تھی لیکن اس باغ کے نااہل اور بد طینت مالیوں نے کانٹوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ احمد کو بار بار اس لڑکی کا خیال آ رہا تھا جس کا باپ قید میں تھا۔ جس کے بھائی اور چچا کو اس کے مکان کے پاس ہی ایک چوراہے میں پھانسی دی گئی تھی اور اس کے سینے میں انسانیت کے ان دشمنوں کے خلاف انتقام کی آگ سُلگ رہی تھی۔ جنہوں نے اندلس کے طول و عرض میں ایسی ہزاروں بیٹیوں اور بہنوں کی زندگی کی راحتیں چھین لی تھیں۔ اس کا ضمیر کہہ رہا تھا۔ "احمد تم اس محفل میں میٹھے نغمے سُنانے کے لیے نہیں۔ بلکہ جگر دوز چیخیں بلند کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ اس باغ کو شبنم سے زیادہ ان بجلیوں کی ضرورت ہے جو کانٹوں کے انباروں کو جلا کر راکھ کر دیں۔"

کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے مُڑ کر دیکھا اور اچانک کرسی سے جست لگا کر دیوار کے پاس جا کھڑا ہوا اور نیام سے تلوار نکال کر ایک آہن پوش سپاہی کی طرف دیکھنے لگا۔ جب آہن پوش نے کوئی حرکت نہ کی تو اس نے علی کی طرف دیکھا۔

علی نے کہا۔ "آپ ڈر کیوں گئے؟ یہ تو وہی ہیں!"

احمد نے لڑکی کو پہچانتے ہوئے کھسیانا ہو کر تلوار نیام میں ڈال لی۔

لڑکی نے کہا۔ "معاف کیجیے۔ یہ خیال ہی نہیں آیا کہ مجھے اچانک اس لباس میں دیکھ کر آپ

پریشان ہوں گے۔ یہ میرے شہید ہونے والے بھائی کا لباس ہے۔ میرے خیال میں اب ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے!"

احمد نے کہا: "کوئی ایسی صورت نہیں کہ آپ کے مکان کا دروازہ اندر سے بند رہے اور ہم کسی اور راستے سے نکل جائیں۔ اسے کھلا چھوڑنا یا باہر سے تالا لگانا خطرناک ہوگا۔"

"میں اس کا انتظام کر چکی ہوں۔ ہم پڑوس کے مکان سے باہر نکلیں گے۔ علی! تم یہ شمع بجھا دو اور انھیں اوپر لے آؤ!"

علی نے پھونک مار کر شمع بجھا دی اور احمد کے ساتھ لڑکی کے پیچھے ہو لیا۔ مکان کے ایک کونے سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کو طے کرنے کے بعد وہ بالائی منزل کے ایک روشن کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے شمع اٹھالی اور اس کمرے سے آگے تین اور کمرے عبور کرنے کے بعد کشادہ کمرے میں داخل ہوئی۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے شمع بجھا دی اور کھڑکی کھول کر باہر جھانکتے ہوئے کہا "خالہ ہم آجائیں؟"

کھڑکی کی دوسری طرف سے آواز آئی "جلدی کرو!"

برابر کے مکان کی چھت اس کھڑکی سے کوئی پانچ فٹ نیچے تھی۔ یہ تینوں یکے بعد دیگرے کھڑکی سے کودتے ہوئے اس چھت پر پہنچ گئے۔ وہاں دو عورتیں ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ اُن کے ساتھ نیچے اتر کر صحن سے گلی کی طرف کھلنے والے دروازے پر پہنچ گئے۔ ایک آدمی وہاں کھڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا "میں کافی دُور تک دیکھ آیا ہوں۔ اس وقت آس پاس کوئی سپاہی نہیں لیکن پھر بھی آپ احتیاط سے کام لیں۔ علی تم انھیں بڑی سڑک کی بجائے دوسری طرف سے لے جاؤ۔ کھیتوں میں سے دریا کی طرف لے جانے والی پگڈنڈی زیادہ محفوظ ہوگی۔"

لڑکی نے کہا "وہ لاشیں آپ کو کتب خانے کی ساتھ کی کوٹھری میں ملیں گی۔ بہتر ہوگا کہ آپ انھیں کسی اور جگہ چھپا دیں!"

"بیٹی! تم فکر نہ کرو۔ انھیں ہماری طرف سے کہہ دینا کہ ہم حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔

غرناطہ کا مجاہد

وہ باہر نکلے۔ پانچویں رات کا چاند روپوش ہو چکا تھا۔ گلی تاریک اور سنسان تھی۔ علی ان کی راہنمائی کر رہا تھا۔ کوئی پانچ سو گز چلنے کے بعد اس گلی سے ایک اور گلی نکلتی تھی۔ علی دوسری گلی کی طرف مُڑا لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد وہ اچانک ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ احمد اور لڑکی جو چند قدم اس سے پیچھے تھے، تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔

علی نے آہستہ سے کہا "کوئی آ رہا ہے!"

احمد سراپا گوش بن کر کسی کے پاؤں کی آہٹ سننے لگا۔

"وہ اس طرف آ رہا ہے!" لڑکی نے کہا۔

علی بولا "واپس چلیے! ہم اس گلی سے باہر نکل جائیں گے۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے واپس اسی جگہ آ گئے۔ جہاں یہ دو گلیاں ملتی تھیں اور علی پہلی گلی میں داخل ہو کر آگے چل دیا لیکن موڑ کے قریب پہنچتے ہی اُسے چند آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "ہم مارے گئے!"

احمد نے ایک ثانیہ خاموشی سے ان کی باتیں سننے کے بعد کہا "یہ بھی اسی طرف آ رہے ہیں اور ان کی تعداد بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی راستے واپس چلو!"

اب علی کی بجائے احمد ان کی رہنمائی کر رہا تھا اور ان کی رفتار پہلے کی نسبت کافی تیز تھی۔ اچانک وہ ایک جگہ رُکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بولا "تم یہیں ٹھہرو!"

چند قدم کے فاصلے پر پاؤں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ علی نے کہا ”یہ ایک نہیں دو یا تین ہوں گے۔ آپ اکیلے نہ جائیں!“

احمد نے جواب دینے کی بجائے اُسے دھکیل کر دیوار کے ساتھ لگا دیا اور تلوار نکال کر اُن سے کوئی دس قدم دُور کھڑا ہو گیا۔ تاریکی سے تین سپاہی نمودار ہوتے اور اُن کے پاؤں کی آہٹ قریب آتی گئی۔ اچانک ایک سپاہی جو سب سے آگے تھا چلایا ”کون ہے؟“

وہ نیام سے تلوار نکال رہا تھا کہ احمد نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا دو اور سپاہی بھاگتے ہوئے آگے بڑھے۔ احمد یکے بعد دیگرے ان کے وار اپنی تلوار پر روکنے کے بعد کترا کر آگے نکل گیا۔ اب وہ ان دونوں کے ساتھ مدافعانہ جنگ کرتا ہوا اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اچانک لڑکی نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کی گردن پر تلوار مار دی اور وہ چیخ مار کر گر پڑا۔ دوسرے سپاہی نے مڑ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن علی نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارا اور اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے علی پر یکے بعد دیگرے چند وار کر دیے۔ علی نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار تلوار اٹھائی تھی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے اس کا پاؤں ایک سپاہی کی لاش سے ٹکرا گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اتنی دیر میں احمد نے آگے بڑھ کر سپاہی کے کندھے پر تلوار مار دی اور وہ بھی گر پڑا۔ اب گلی میں قسطلہ کے دوسرے سپاہیوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی اور یہ تینوں اپنی پوری قوت سے بھاگ رہے تھے۔ اپنے رفیقوں کو ساتھ رکھنے کے لیے احمد کبھی کبھی اپنی رفتار کم کر دیتا۔ لڑکی اُس کی توقع کے خلاف اس کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن علی کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔ ہر لحظہ احمد کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ تعاقب کرنے والے ان کے قریب آ رہے تھے۔ احمد نے علی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا ”علی کیا بات ہے، تم زخمی تو نہیں ہو؟“

علی نے کہا ”خدا کے لیے میری فکر نہ کیجیے، آپ ظاہرہ کی جان بچائیے!“

احمد نے کہا ”علی ہمت سے کام لو، ہم کسی باغ یا کھیت میں داخل ہوتے ہی خطرے

کی زد سے نکل جائیں گے۔“

علی نے احمد کا ہاتھ پکڑ کر سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا ”دیکھیے میں ختم ہو رہا ہوں آپ دریا عبور کرنے کے بعد کنارے کے ساتھ اوپر کی طرف چلے جائیے، ایک وسیع باغ کے اندر ایک مکان ہے وہ سب وہاں ہیں۔ اس گلی سے آگے کھیت ہیں دریا عبور کرنے کے لیے آپ کو کنارے کی کسی بستی سے کشتی مل جائے گی۔ پُل پر سے نہ جائیے وہاں خطرہ ہے، اب خدا کے لیے بھاگ جائیے وہ آ رہے ہیں!“

احمد نے اُسے اٹھا کر اپنے کندھے پر لاد دیا۔ لیکن تعاقب کرنے والے اب بہت قریب آ چکے تھے۔ علی چلایا ”اس طرح ہم سب مارے جائیں گے۔ مجھے اتار دو میں چل سکتا ہوں۔“

احمد نے اُسے اتارتے ہوئے کہا ”تم گلی کے خاتمے پر کسی محفوظ جگہ میرا انتظار کرو میں انھیں کچھ دیر کے لیے روک سکوں گا۔“

احمد نے جلدی سے تلوار نیام میں ڈال لی اور گلے سے کمان اتار کر دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ لیکن علی اپنی جگہ سے نہ ہلا اور طاہرہ چند قدم کے فاصلے پر انتہائی پریشانی کی حالت میں کھڑی تھی۔ احمد نے یکے بعد دیگرے دو تیر چلا دیے اور گلی میں ان کا پیچھا کرنے والوں میں سے کوئی چلایا ”ہوشیار! ہوشیار!“

احمد نے کمان میں تیسرا تیر چڑھاتے ہوئے مڑ کر دیکھا اور کہا ”علی! خدا کے لیے جاؤ یہ تمہارے لیے آخری موقع ہے۔“

علی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا ”میرے دوست میں چند لمحات اور زندہ رہنے کے لیے تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔“

”علی! علی! ٹھہرو!“ لیکن علی ڈگمگاتا ہوا تاریکی میں روپوش ہو گیا۔ اس کی آواز سنائی دے رہی تھی ”قسطلہ کے بھیڑیو! تمہارا یومِ حساب دُور نہیں۔ تمہارے آدمیوں کو میں نے قتل کیا ہے۔“

لڑکی نے آگے بڑھ کر احمد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "آئیے علی اپنی منزل دیکھ چکا ہے۔"

احمد اس کے ساتھ چل دیا۔ ان کے پیچھے تاریکی میں "مار ڈالو" "گھیر لو" "جانے نہ پائے" کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر چند لمحے تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی رہی۔ بالآخر اللہ اکبر کا ایک نعرہ فضا میں گونجا اور ایک ثانیہ کے لیے خاموشی طاری ہو گئی۔

کسی نے کہا۔ "بزدلو! تم رُک کیوں گئے ہو۔ آگے بڑھو!"

احمد کبھی کبھی مُڑ کر ایک تیر چھوڑ دیتا اور پھر اپنے ساتھی سے جا ملتا۔ گلی کے آگے ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ تنگ گلی کی تاریکی سے نکل کر اس میدان میں داخل ہونے کے بعد احمد کے لیے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا نسبتاً آسان تھا۔ لیکن یہاں اسی نسبت سے خطرہ بھی زیادہ تھا۔ احمد نے ایک درخت کی آڑ میں پہنچ کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ میدان تین اطراف سے مکانوں میں گھرا ہوا تھا۔ چوتھی طرف ایک دیوار کے پیچھے گھنے درخت دکھائی دیتے تھے۔

احمد نے لڑکی سے کہا۔ "تم اس دیوار کے پیچھے جا کر میرا انتظار کرو!"

گلی سے نکلتے ہوئے احمد نے جو تیر چلائے تھے۔ انھوں نے تعاقب کرنے والوں کو کافی محتاط بنا دیا تھا اور وہ شور مچانے کی بجائے دبے پاؤں آگے بڑھ رہے تھے۔ جونہی وہ گلی سے باہر آئے، احمد نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس کے پہلے دو تیر نشانے پر لگے اور تعاقب کرنے والے آگے بڑھنے کی بجائے دو زخمیوں کو چھوڑ کر شور مچاتے ہوئے پھر گلی میں غائب ہو گئے۔ احمد دیوار کی طرف بھاگنے لگا۔ لیکن اچانک گلی کی طرف اللہ اکبر کے نعرے سُن کر وہ رُک گیا۔ قسطلہ کے پانچ چھ سپاہی دوبارہ گلی سے نکل کر میدان کی طرف بھاگ رہے تھے اور پندرہ بیس آدمی "مار ڈالو" "پکڑ لو!" کے نعرے لگاتے ہوئے ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ ایک سپاہی بدحواسی کی حالت میں بھاگتا ہوا احمد کے قریب آ نکلا اور اس نے اُسے تیر مار کر گرا دیا۔

دیوار کے قریب پہنچ کر احمد نے دوبارہ پیچھے دیکھا تو اس کے تین اطراف مختلف گلیوں سے لوگوں کی ٹولیاں نمودار ہو رہی تھیں۔ لڑکی نے کمر برابر دیوار کے اوپر سے جھانکتے

ہوئے کہا۔ "میں اس طرف ہوں!"

احمد دیوار پھاند کر اس کے قریب پہنچا۔ لڑکی نے سوال کیا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

احمد نے جواب دیا۔ "طلیطلہ کے مسلمانوں کی غیرت جاگ رہی ہے۔ شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ یوم حساب شروع ہو چکا ہے۔"

میدان میں کوئی بلند آواز سے چلّا رہا تھا۔ "مسلمانو! اب انتقام کا وقت آ گیا ہے۔ صبح تک اس بستی میں قسطلہ کی فوج کا ایک آدمی زندہ نہیں رہنا چاہیے!"

لڑکی نے کہا۔ "اب خدا معلوم اس کا انجام کیا ہو گا۔ ہمارے راہنما کی ہدایت تھی کہ ایک معین وقت سے پہلے کسی قسم کی کاروائی شروع نہ کی جائے۔ اب صبح تک قسطلہ کے تمام سپاہی اور یحییٰ کی فوج اور پولیس اس بستی میں مار دھاڑ شروع کر دے گی۔"

احمد نے کہا۔ "میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ دریا سے پار آپ کے لیڈر کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"وہاں صرف شہر اور مضافات کے خاص کارکنوں کو جمع ہونے کا حکم ملا ہے۔ انھوں نے حملے کا طریق کار اور وقت متعین کر کے کچھ عرصہ اپنے اپنے علاقے میں کام کرنا تھا۔ اب یہ کاروائی قبل از وقت ہے۔"

احمد نے کہا۔ "اب ہمیں جلد از جلد ان کے پاس پہنچنا چاہیے۔ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آ سکتا۔ ہمیں اس ابتدا سے بہترین نتائج پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

لڑکی نے کہا۔ "چلیے دریا اس طرف ہے۔"

باغ سے نکلنے کے بعد وہ کھیتوں میں ایک پگڈنڈی پر ہو لیے۔

(۲)

دریا کے قریب ایک چھوٹے سے ٹیلے پر انھیں چند جھونپڑیاں دکھائی دیں۔ وہ ٹیلے کے قریب پہنچے تو نیچے دریا کے کنارے تین چھوٹی چھوٹی کشتیاں کھڑی تھیں۔

لڑکی نے کہا "آپ ٹیلے پر چڑھ کر آواز دیں!"

احمد نے کہا "نہیں۔ اس وقت لوگوں کو جمع کرنا مناسب نہیں۔ میں کشتی چلا سکتا ہوں"

وہ ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ اُفقِ مشرق سے صبح کا ستارہ نمودار ہو چکا تھا اور آسمان پر تاریکی کا پردہ بتدریج ہلکا ہو رہا تھا۔ وہ دھندلی روشنی میں کبھی کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور پھر آنکھیں جھکا لیتے۔

احمد نے کہا "آپ تھک گئی ہوں گی"۔

"نہیں" لڑکی نے جواب دیا۔

"آپ کا نام طاہرہ ہے؟"

"ہاں" لڑکی نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر دونوں خاموش رہے۔ اچانک لڑکی نے کہا "جب میں باغ کی دیوار کے پیچھے کھڑی آپ کا انتظار کر رہی تھی، تو مجھے ایک بات کا افسوس ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ ممکن ہے کہ میں آپ کو دوبارہ نہ دیکھ سکوں۔ کاش میں آپ کا نام ہی پوچھ لیتی۔ پھر مجھے یہ خیال آرہا تھا کہ کسی دن اندلس کو ان مصائب سے نجات مل جائے گی اور طلیطلہ کے لوگ ہر سال اپنی قوم کے شہیدوں کو یاد کیا کریں گے اور میں یہ کہا کروں گی کہ ہمارا ایک محسن وہ بھی تھا، جسے میرے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن اس کا نام مجھے بھی معلوم نہیں"۔

احمد نے کہا "میرا نام احمد ہے"۔

کشتی کنارے پر لگی۔ طاہرہ اور احمد نے صبح کی نماز ادا کی اور دریا کے کنارے کنارے اوپر کی طرف چل پڑے۔ لڑکی اُسے اپنے بھائی اور چچا کی شہادت اور باپ کی قید کے واقعات سنا رہی تھی اور احمد اس کے سامنے اپنی سرگزشت بیان کر رہا تھا۔ دونوں یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی ایک ہی منزل ہے اور وہ برسوں سے ایک ہی راستے پر گامزن ہیں۔

طاہرہ نے کہا "میں بہت ڈرپوک تھی لیکن اب میں کسی سے نہیں ڈرتی!"

احمد بولا "انسان کو صرف حوادث کے میدان میں کودنے کے بعد اپنے متعلق صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی اپنے متعلق یہ غلط فہمی تھی کہ میں ایک سپاہی نہیں بن سکتا۔ لیکن آج میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میں آگ اور خون میں کھیلنے کے لیے پیدا ہوا ہوں"۔

باغ میں داخل ہوتے ہی انھیں چند مسلح آدمیوں نے گھیر لیا۔ ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دینے سے پہلے اپنے ہتھیار پھینک دو!"

طاہرہ نے کہا "ہم نئی بستی سے آئے ہیں۔ ہمیں عبدالواحد کے پاس لے چلو۔ وہ مجھے جانتے ہیں"۔

"آپ کا نام؟"

طاہرہ نے اطمینان سے جواب دیا "میں یونس کی بہن ابو یعقوب کی بیٹی ہوں"۔

اچانک سب کی نگاہیں طاہرہ کے چہرے پر گڑ گئیں اور اس نے خود کا نقاب پیشانی سے نیچے سرکا لیا۔

نوجوان نے کہا "بہن معاف کرنا لیکن آپ یہاں کیسے پہنچیں اور یہ کون ہیں؟"

طاہرہ نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ وقت ضائع کرنے کی بجائے ہمیں عبدالواحد کے پاس لے چلیں۔ طلیطلہ کے حالات کسی فوری اقدام کے متقاضی ہیں"۔

نوجوان نے کہا "میرے ساتھ آئیے!"

(۳)

تھوڑی دیر بعد وہ گھنے درختوں کے درمیان ایک قلعہ نما مکان کے صحن میں کھڑے تھے۔ کوئی پچاس ساٹھ آدمی باغ کے مختلف گوشوں سے نکل کر ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔

عبدالواحد ان کی آمد کی خبر سنتے ہی ایک کمرے سے باہر نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا "شیخ ابو یعقوب کی بیٹی کہاں ہے؟"

طاہرہ نے آگے بڑھ کر خود کا نقاب ذرا اوپر سرکاتے ہوئے کہا "میں ہوں!"

عبدالواحد نے کہا "یونس کی بہن کو اس لباس میں دیکھ کر مجھے تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا..... اگر کوئی خاص پیغام مجھ تک پہنچانا تھا تو علی یا اپنے پڑوس سے کسی آدمی کو بھیج دیا ہوتا۔"

طاہرہ نے کہا "علی شہید ہو چکا ہے۔"

عبدالواحد کے مزید سوالات کے جواب میں طاہرہ نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ جب وہ گلی میں نصرانی سپاہیوں کے ساتھ تصادم کا واقعہ بیان کر رہی تھی تو حریت پسندوں کے بوڑھے راہنما نے بدحواس ہو کر کہا "غضب ہو گیا۔ وہ قسطلہ کے چند آدمیوں کے بدلے بستی کے سینکڑوں مسلمانوں کو پھانسی پر لٹکا دیں گے۔ شہر میں بھی مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو جائے گا!"

احمد جو ابھی تک خاموش تھا، آگے بڑھ کر بولا "جب ہم وہاں سے نکلے تھے تو شہر کے لوگ میدان میں آ چکے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے اب تک قسطلہ کے کئی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ اس وقت وہ شاید بستی میں ان کی چوکی کا صفایا بھی کر چکے ہوں۔"

عبدالواحد نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "نقارا بجا دو اور تیار ہو جاؤ!"

کسی نے نقارے پر ضرب لگائی اور آن کی آن میں مختلف سمتوں سے کئی نقاروں کی آوازیں آنے لگیں۔

عبدالواحد احمد سے مخاطب ہو کر بولا "نوجوان! قسطلہ کے چند سپاہیوں کو ختم کرنے کے بعد تم ہمارے لیے اجنبی نہیں رہے لیکن تم نے ہماری توقع سے بہت پہلے ابتدا کر دی ہے۔ اگر قدرت نے تمہیں ہماری راہنمائی کے لیے بھیجا ہے تو یہ ہماری خوش نصیبی ہے جو لوگ آس پاس کی بستیوں میں جمع ہوتے ہیں وہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائیں گے۔

ہمارے فوجی تجربہ رکھنے والے بیشتر راہنما قید میں ہیں اور میں درسگاہ سے نکل کر یہاں آگیا ہوں۔ اب تمہارا مشورہ کیا ہے؟

احمد نے کہا "میں طلیطلہ کے حالات سے ناواقف ہوں۔ میں نے پہلی بار صرف چند سڑکیں اور گلیاں دیکھی ہیں اور وہ بھی رات کے وقت، اس لیے شاید میں فوری کارروائی کے لیے کوئی مفید مشورہ نہ دے سکوں لیکن میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ طلیطلہ میں قسطلہ کی فوج کی صحیح تعداد کیا ہے؟"

"وہ کوئی آٹھ سو سپاہی ہوں گے اور یحییٰ کی فوج اور پولیس کے متعلق میں زیادہ ہراساں نہیں ہوں۔ وقت آنے پر ان میں سے بعض ہمارے ساتھ مل جائیں گے اور بعض شاید غیر جانبدار رہیں۔ اہلِ قسطلہ کا ساتھ دینے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہو گی۔"

"یہاں آپ کے پاس کتنے آدمی ہیں؟"

"یہاں صرف ڈیڑھ سو آدمی ہوں گے۔ آس پاس کی بستیوں میں ہم نے جن دیہاتی لوگوں کو جمع کیا ہے، وہ تین سو کے قریب ہوں گے لیکن انھیں یہاں جمع ہوتے ہوتے کچھ وقت لگ جائے گا!"

احمد نے کہا "جو رضا کار طلیطلہ سے آئے ہیں انہیں فوراً روانہ کر دیجیے۔ وہ شہر کے عوام کو تیار کریں۔ ان کا پہلا حملہ قید خانے پر ہونا چاہیے۔ میں باقی آدمیوں کے ساتھ بستی پر حملہ کروں گا"

جب عبدالواحد اور شہر کے چند رضا کار احمد کے ساتھ حملے کی تفصیلات طے کر رہے تھے، طاہرہ سے بستی کے چند آدمی اپنے اپنے گھروں کا حال پوچھ رہے تھے کہ ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا باغ میں داخل ہوا اور اس نے اطلاع دی کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے بستی کے لوگوں نے قسطلہ کے سپاہیوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اب شہر سے ان کے چند دستے پہنچ گئے ہیں اور بستی کے لوگ شاید دیر تک ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

(۴)

دوپہر کے قریب بستی سے باہر اسی میدان میں جہاں سے رات کے وقت بستی کے لوگوں نے قسطلہ کے پہریداروں پر حملے کی تیاری کی تھی ایک اور کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ قسطلہ کے دو سو مسلح سپاہی بستی کی عورتوں اور مردوں کے ایک ہجوم کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے، ایک افسر کے حکم سے دس مردوں اور سات عورتوں کو اس ہجوم سے علیحدہ کر کے ایک مکان کی دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور ان سے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر قسطلہ کے تیر انداز صف باندھ کر ان کے سامنے اور چند سوار تیزے تان کے ان کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص جو اپنے لباس سے یحییٰ کی پولیس کا افسر معلوم ہوتا تھا، آگے بڑھا اور اس نے بلند آواز سے ایک فرمان پڑھ کر سنایا۔ "تمہیں طلیطلہ کے انصاف پسند حکمران امیر یحییٰ القادر کے خلاف بغاوت اور قسطلہ کے بہادر سپاہیوں کو قتل کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی جاتی ہے۔"

قسطلہ کے سپاہیوں کا ایک افسر گھوڑا دوڑاتا ہوا تیر اندازوں کے قریب پہنچا اور اس کے حکم سے انھوں نے کمانوں میں تیر چڑھا لیے۔ اب بستی کے لوگوں میں سے کسی کو اپنے انجام کے متعلق غلط فہمی نہ تھی۔ بعض عورتیں اور بچے چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ قسطلہ کے سپاہی انھیں اپنی تلواروں اور نیزوں سے ڈرا دھمکا کر خاموش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

قسطلہ کے افسر نے تیر اندازوں کو نشانہ باندھنے کا حکم دیا۔ اچانک ایک لڑکی چیخیں مارتی ہوئی ہجوم سے نکلی اور پیشتر اس کے کہ کوئی اس کا راستہ روک سکتا وہ بھاگتی ہوئی دیوار کے قریب پہنچ کر ایک نوجوان کے ساتھ لپٹ گئی۔ دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی لیکن افسر چلایا۔ "اسے وہیں رہنے دو!"

لڑکی کی چیخیں اچانک بند ہو گئیں اور وہ نوجوان کا بازو پکڑ کر صف میں کھڑی ہو گئی۔ افسر کے حکم سے تیر اندازوں نے دوبارہ اپنی کمانیں سیدھی کر لیں لیکن اچانک باغ کی طرف سے تیروں کی ایک بوچھاڑ آئی اور قسطلہ کے نصف سے زیادہ تیر انداز زخمی ہو کر گر پڑے۔ ایک

تیر افسر کی پسلی میں لگا اور اس کا سر ایک طرف جھک گیا۔ تیروں کی ایک اور بوچھاڑ آئی اور قسطلہ کے پندرہ بیس اور آدمی گر پڑے۔ اس کے ساتھ ہی طلیطلہ کے حریت پسند باغ کی دیوار پھاند کر میدان میں آ گئے اور انھوں نے تلواروں اور نیزوں سے قسطلہ کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ اچانک نہتے مردوں اور عورتوں کے ہجوم میں زندگی کی ایک لہر اٹھی اور وہ بھی قسطلہ کے سپاہیوں کے ساتھ گتھم گتھا ہو گئے۔

احمد بن عبدالمنعم چلایا۔ "تمام گلیوں کی ناکہ بندی کر دو ان بھیڑیوں میں سے کوئی زندہ نکلنے نہ پائے۔" تھوڑی دیر کے اندر میدان کے ہر کونے میں قسطلہ کے سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ حریت پسندوں نے دس پندرہ سواروں کے سوا جو مار دھاڑ کرتے ہوئے ایک گلی کے راستے فرار ہو گئے، کسی کو بچ کر نکلنے کا موقع نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد جب احمد شہر کا رخ کر رہا تھا تو تین سو رضاکاروں کے علاوہ بستی کے قریباً ڈیڑھ ہزار آدمی اس کے ساتھ تھے، ان میں بعض نے قسطلہ کے سپاہیوں کے ہتھیار چھین لیے تھے اور بعض نے اپنے گھروں سے تلواریں، کلہاڑیاں، لاٹھیاں اور چھرے اٹھا لیے تھے۔ احمد نے کشادہ سڑک پر پہنچ کر طاہرہ کی طرف دیکھا، وہ خون آلود تلوار اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ احمد نے کہا۔ "طاہرہ اب تم گھر جاؤ!"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں، میں طلیطلہ کے محل پر آزادی کا پرچم دیکھے بغیر واپس نہیں جاؤں گی!"

شہر کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے مضافات سے پانچ ہزار آدمی ان کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں رضاکاروں کا دوسرا گروہ شہر کے عوام کو تیار کر چکا تھا۔ باہر سے حملہ آوروں کی آمد کی خبر سنتے ہی قسطلہ کے سپاہیوں کا ایک دستہ دروازے کی حفاظت کے لیے پہنچا لیکن اہل شہر نے انھیں موت کے گھاٹ اتار کر دروازہ کھول دیا۔

طلیطلہ کے عوام اپنے گھروں، مسجدوں اور درسگاہوں سے نکل کر حملہ آوروں کے ساتھ

شامل ہوتے گئے۔ یحییٰ کی فوج اور پولیس کے بعض دستے بھی حریت پسندوں کے ساتھ شامل ہوگئے اور انھوں نے حملہ آوروں کے پہنچنے سے پہلے ہی قید خانے کے دروازے کھول دیے۔ قسطلہ کے سپاہی اپنی مختلف چوکیوں سے مار کھا کر بھاگے اور انھوں نے یحییٰ کے محل میں پناہ لی۔

(۵)

غروبِ آفتاب سے کچھ دیر قبل کوئی تیس ہزار انسان یحییٰ کے محل پر یلغار کر رہے تھے۔ اب اس مشتعل اور غیر منظم ہجوم کا کوئی لیڈر نہ تھا۔ ہر شخص دوسرے کے مقابلے میں اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ محل کے محافظ فصیل سے تیر برسا کر حملہ آوروں کو دروازے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک تیروں کی بارش رک گئی اور ہجوم دروازے پر ٹوٹ پڑا۔

یہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ایک ضعیف آدمی بھاگتا ہوا آیا اور پوری قوت کے ساتھ چلانے لگا: ”تم سب بیوقوف ہو، وہ دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگ گئے ہیں۔ تم سب پاگل ہو۔ یحییٰ نکل چکا ہے!“

اس ہنگامے میں جن لوگوں کے کان اس کی پکار سے متاثر ہوئے، انھوں نے دہائی مچا کر دوسروں کو متوجہ کیا۔ لوگوں کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے دوسرے دروازے کا رخ کرنے لگیں۔ دوسرا دروازہ کھلا تھا اور یحییٰ قسطلہ کے چند سواروں کے ساتھ فرار ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عوام محل میں داخل ہو کر خوشی کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ کسی نے بلند آواز میں کہا: ”غرناطہ کا مجاہد کہاں ہے؟“ اس کے ساتھ ہی محل کے مختلف کونوں سے آوازیں آنے لگیں: ”غرناطہ کا مجاہد کہاں ہے؟“

اور غرناطہ کا مجاہد دروازے سے باہر کھڑا اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ اسے فتح کی خوشی سے زیادہ یحییٰ کے فرار ہونے کا افسوس تھا۔

طاہرہ محل سے باہر نکلی اور اس نے احمد کے قریب آکر کہا: ”ابا جان کہیں نظر نہیں

آئے۔ عبدالواحد آپ کو تلاش کر رہا ہے۔ بہت سے لوگ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں!“

احمد نے تھکی ہوئی آواز میں کہا: ”میں ان سے صبح ملوں گا۔“

طاہرہ نے کہا: ”آپ بہت تھک گئے ہیں چلیے گھر چلیں! ابا جان یقیناً وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔“

احمد نے کہا: ”اگر آپ بستی کے لوگوں کے ساتھ گھر جا سکیں تو میں آس پاس کسی سرائے میں ٹھہر جاؤں گا۔ صبح کی نماز کے بعد میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

طاہرہ نے کہا: ”آپ ایک اجڑے ہوئے گھر پر سرائے کو ترجیح نہ دیں۔ چلیے!“

شہر میں ایک نئی زندگی کروٹ لے چکی تھی۔ محل پر قبضہ ہوتے ہی کئی لوگ جن کے دل یحییٰ کی حکومت کے مظالم سے زخمی تھے۔ شہر میں واپس چلے گئے تھے اور وہ یحییٰ کے بدنام عہدہ داروں کو گھسیٹ گھسیٹ کر گھروں سے باہر نکال رہے تھے۔ چند لوگوں نے یحییٰ کے ایک وزیر کو پکڑ لیا تھا اور اسے گدھے پر لاد کر شہر کے بازاروں کی سیر کرا رہے تھے، ایک چوراہے میں ایک شاعر گا رہا تھا: ”قدرت نے ظالموں کے ہاتھ سے تلوار چھین لی ہے۔ اب ہم ان سے گن گن کر بدلہ لیں گے!“ چند نوجوان اس کے گرد جمع تھے۔

چوراہے سے چند قدم آگے جا کر طاہرہ نے کہا: ”اب انھیں مظلوموں کے ہر آنسو کا حساب دینا پڑے گا!“

احمد نے کہا: ”انقلاب بسا اوقات مظلوموں کو ظالم بنا دیتا ہے۔ وہ انقلاب جو عوام کے ہاتھ میں انتقام کی تلوار دے دیتا ہے، قوموں کی زندگی کے لیے بڑا خطرناک ہوتا ہے میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ طلیطلہ کے حریت پسند ظلم کی عمارت کے کھنڈروں پر عدل و انصاف کی عمارت تعمیر کرنے کی بجائے ظلم کی ایک اور عمارت کھڑی نہ کر دیں۔“

بستی کی مسجد کے قریب پہنچ کر انھیں آدمیوں کا ایک گروہ ملا اور انھوں نے بتایا کہ وہ شہیدوں کی لاشوں کو دفن کر کے آ رہے ہیں۔ طاہرہ نے اپنے باپ کے متعلق پوچھا تو اس کی

گلی کے ایک آدمی نے جواب دیا۔ "نمازِ مغرب کے وقت ہماری بستی کا ایک آدمی جو شیخ ابو یعقوب سے چند دن بعد قید ہوا تھا، بخار کی حالت میں اپنے گھر پہنچا ہے۔ اس نے یہ اطلاع دی ہے کہ میں نے شیخ ابو یعقوب کو قید خانے میں نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ بعض با اثر قیدیوں کی طرح انھیں بھی علیحدہ کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا ہو لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آج جب حملہ آوروں نے قید خانے کا دروازہ کھولا تھا تو بستی کے قیدیوں نے انھیں ہر جگہ تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملے۔ بعض قیدیوں کو طلیطلہ سے باہر دوسرے قید خانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسی قید خانے میں ہوں اور اپنی کوٹھڑی سے نکلتے ہی ہجوم کے ساتھ شامل ہو گئے ہوں اور بستی کے دوسرے قیدیوں نے انھیں نہ دیکھا ہو۔"

بستی کی مسجد کے قریب پہنچ کر احمد نے طاہرہ سے کہا۔ "آپ جائیں۔ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔"

احمد وضو کر کے مسجد کے اندر داخل ہوا تو وہاں وہی ضعیف العمر آدمی بیٹھا ہوا تھا، جسے اس نے گزشتہ رات دیکھا تھا۔ وہ اٹھ کر احمد کے ساتھ بغل گیر ہوا اور کہنے لگا۔ "بیٹا! کل میں نے تمہاری پیشانی پر نور کی ایک کرن دیکھی تھی اور آج طلیطلہ میں روشنی کا سیلاب دیکھ رہا ہوں۔ کل تم میرے لیے ایک اجنبی تھے اور آج تم میری قوم کے محسن ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ غرناطہ کا [illegible] سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو آپ ابھی تک دریا کے پار اپنی بستی میں نہیں گئے؟"

بوڑھے نے کہا۔ "کل جب میں یہاں سے گزر رہا تھا تو نمازِ مغرب کے وقت بھی یہ مسجد سنسان تھی۔ میں نے اذان دی لیکن نماز کے لیے کوئی نہ آیا۔ کبھی شیخ ابو یعقوب یہاں نماز پڑھایا کرتے تھے تو یہ مسجد دروازے تک بھر جایا کرتی تھی۔ میں نے عہد کیا کہ جب تک یہ مسجد پھر اسی طرح آباد نہیں ہو گی میں اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔ جب آپ آئے تو میرے دل میں دو متضاد خیالات تھے۔ کبھی میں یہ خیال کرتا تھا کہ آپ حکومت کے جاسوس ہیں اور مجھے

کوئی خطرناک آدمی سمجھ کر گرفتار کرنا چاہتے ہیں لیکن جب میں آپ کا چہرہ دیکھتا تھا تو میرے شکوک دور ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد آپ کو شیخ ابو یعقوب کے گھر کا پتہ دیا تھا۔"

"تو آپ کو معلوم تھا کہ شیخ ابو یعقوب قید میں ہیں اور ان کا بیٹا شہید ہو چکا ہے؟"

"مجھے سب کچھ معلوم تھا ــــ لیکن میں نے اپنے آپ کو ایک اجنبی جان کر ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا۔"

احمد نے کہا۔ "تو آج جو کچھ طلیطلہ میں ہوا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ حصہ آپ کا ہے۔ اگر آپ مجھے یہ بتا دیتے کہ شیخ ابو یعقوب کے گھر میں ایک لڑکی کے سوا کوئی نہیں تو میں شاید رات یہیں بسر کرتا۔ پھر شاید یہ انقلاب اتنی جلدی نہ آتا اور آپ کو بھی شاید کئی دن اور نمازیوں کا انتظار کرنا پڑتا۔"

نماز سے فارغ ہو کر احمد گلی میں داخل ہوا تو ابو یعقوب کے مکان کا دروازہ کھلا تھا اور طاہرہ چند عورتوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ احمد نے دستک دی تو ایک عمر رسیدہ عورت باہر نکلی اور اسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اس نے کہا۔ "آپ تشریف رکھیے میں کھانا لاتی ہوں!"

احمد نے اس سے پوچھا۔ "شیخ ابو یعقوب نہیں آئے؟"

"نہیں۔"

تھوڑی دیر میں احمد کھانا کھا رہا تھا کہ محلے کے کئی آدمی اس کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ تھکاوٹ اور نیند کے باعث احمد کا برا حال ہو رہا تھا لیکن ہر بچہ، بوڑھا اور جوان اس کے ساتھ اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کرنے پر تلا ہوا تھا۔ بالآخر ایک بوڑھے نے اٹھتے ہوئے باقی آدمیوں سے کہا۔ "اب انھیں آرام کرنے دو۔ یہ بہت تھکے ہوئے ہیں!"

ان کے رخصت ہوتے ہی احمد قالین پر لیٹ گیا۔

طاہرہ نے دوسرے کمرے میں اس کا بستر بچھانے کے بعد دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "اٹھیے، میں نے آپ کا بستر بچھا دیا ہے!"

احمد نے کوئی جواب نہ دیا۔ طاہرہ پریشانی کی حالت میں کھڑی تھی کہ ایک عمر رسیدہ عورت برتن اٹھانے آئی اور اس نے کہا۔ "یہ تو یہیں سو گئے ہیں!"

طاہرہ نے کہا۔ "انھیں جگا کر کہو کہ بستر پر لیٹ جائیں!"

عورت نے احمد کا بازو جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تو وہ کروٹ بدل کر بڑبڑایا "بھائی جان! امی! حسن کو منع کیجیے، یہ مجھے تنگ کرتا ہے!"

طاہرہ نے کہا۔ "چھوڑو رہنے دو۔ ایک سپاہی کی نیند خراب نہیں ہونی چاہیے۔"

خادمہ برتن اٹھا کر چلی گئی۔ طاہرہ چند ثانیے وہیں کھڑی رہی۔ بھائی جان! امی! حسن! نہ جانے کیوں یہ الفاظ بار بار اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ یہ نوجوان ایک دن قبل ایک اجنبی کی حیثیت میں آیا تھا اور صرف ایک دن بعد طاہرہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے لیے وہ لوگ بھی اجنبی نہیں رہے جنھیں وہ خواب کی حالت میں پکار رہا تھا ان کی خیالی تصویریں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ اس نے دوسرے کمرے میں جا کر بستر سے ایک چادر اٹھائی اور احمد کے اوپر ڈال کر بالائی منزل کے کمرے میں چلی گئی۔

(۶)

دن چڑھے احمد بیدار ہوا۔ سورج کافی اوپر آ چکا تھا اور کمرے کے کھلے دروازوں اور روشن دانوں سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ ایک عمر رسیدہ لیکن قوی الجثہ آدمی اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ احمد پریشان سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ عمر رسیدہ آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں اب آپ کی نیند پوری ہو گئی ہو گی!"

احمد نے نادم سا ہو کر کہا۔ "میرے خیال میں بہت زیادہ سویا ہوں۔"

عمر رسیدہ آدمی نے کہا۔ "میں ابویعقوب ہوں۔"

احمد اضطراب کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ابویعقوب نے اٹھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے قریب دوسری کرسی پر بٹھا لیا۔

احمد نے سوال کیا۔ "آپ یہاں کب پہنچے؟"

"میں پچھلے پہر پہنچا تھا۔"

"بہت دیر لگائی آپ نے؟"

ابویعقوب نے کہا۔ "آدھی رات تک تو شاہی محل میں قیامت کا ہنگامہ تھا۔ اس کے بعد جب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی تو چند سنجیدہ آدمیوں کو ایک جگہ بیٹھ کر مستقبل کے متعلق غور کرنے کا موقع ملا۔"

احمد نے سوال کیا۔ "آپ شہر کے قید خانے میں تھے؟"

ابویعقوب نے جواب دیا۔ "ہاں! میں پانچ آدمیوں کے ساتھ ایک زمین دوز کوٹھڑی میں بند تھا۔ قید خانے کا دروازہ کھولنے کے بعد کسی کو ہمارا خیال نہ آیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد ہم اپنی کوٹھڑی کے دروازے کو توڑنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہم میں سے ایک قیدی کے رشتہ دار اس کی تلاش میں وہاں پہنچ گئے ورنہ ہم شاید ایک دو دن اور وہاں رہتے۔"

احمد نے کہا۔ "میرا نام احمد ہے۔"

ابویعقوب نے کہا۔ "میں تمہارے متعلق اس سے کہیں زیادہ جانتا ہوں۔ طاہرہ مجھے بہت کچھ بتا چکی ہے۔"

احمد نے پوچھا۔ "یحییٰ کا کوئی سراغ ملا؟"

"وہ نکل چکا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ الفانسو کی مدد لے کر دوبارہ آئے گا۔ الفانسو کی فوج ہماری سرحد سے تین چار منازل کے فاصلے پر ایک قلعے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہم نے ایک چھوٹی سی مصیبت سے نجات حاصل کی ہے۔ بڑی مصیبت آنے والی ہے۔ بدقسمتی سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ہمیں جمہور کی قوت

پر اعتماد کرنا چاہیے۔ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ اہلِ طلیطلہ تنہا الفانسو کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمیں بطلیوس کے حکمران عمر المتوکّل سے مدد لینی چاہیے۔ ہمارے اکثر راہنما گرفتار ہونے سے پہلے عمر المتوکل سے بات چیت کر چکے تھے۔"

"آپ کی رائے کیا ہے؟"

"میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو عمر المتوکّل کی اطاعت قبول کرنے کے خلاف ہیں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ میری رائے بہت زیادہ موثر ثابت ہو گی۔ میں کل ہی یہ دیکھ چکا ہوں کہ عمر المتوکّل کے طرفداروں کا پلّہ بہت بھاری ہے۔ اگر الفانسو نے فوراً حملہ کر دیا تو رائے عامہ بھی عمر المتوکل کی اعانت کو لبیک کہے گی۔"

احمد نے کہا: "تو اس کا مطلب یہ ہے اہلِ طلیطلہ اسی غلطی کا اعادہ کریں گے جو کسی زمانے میں اہلِ قرطبہ سے سرزد ہوئی تھی!"

ابو یعقوب نے جواب دیا: "آپ اطمینان رکھیے عمر المتوکل کے ساتھ ہماری شرائط بہت سخت ہوں گی۔ ویسے بھی وہ معتمد سے بہت مختلف ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ الفانسو کا باجگزار نہیں۔ اس کے علاوہ ایک حکمران کی حیثیت میں بھی شرعی حدود کا پابند ہے۔ اب تھوڑی دیر تک شاہی ایوان میں شہر کے اکابر کا اجلاس ہو گا۔۔۔۔ آپ میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائیں!"

تھوڑی دیر بعد ابو یعقوب اور احمد شہر کا رُخ کر رہے تھے۔

شاعر کا خواب

عبدالمنعم کو طلیطلہ کے قید خانے سے سرحدی قلعہ میں منتقل ہوئے پانچ ہفتے گزر چکے تھے۔ قیدیوں کی تعداد اس قلعے کی محافظ فوج سے قریباً ڈیڑھ گنا تھی۔ فوج کا سالار ایک عمر رسیدہ اور تجربہ کار سپاہی تھا اور طلیطلہ کی سرحد کے ایک اہم ترین دفاعی حصار کا ایک قید خانے میں تبدیل ہو جانا اس کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔

ایک شام قلعے کے چار پہریدار عبدالمنعم کے پاس آئے اور اُسے کوٹھڑی سے نکال کر سالار کے سامنے لے گئے۔ سالار بالائی منزل کے ایک کمرے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے میز پر چند کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ سالار کے بائیں ہاتھ دوسری کرسی پر ایک پولیس کا افسر بیٹھا ہوا تھا۔ عبدالمنعم کمرے میں داخل ہوا تو یہ لوگ کچھ دیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سالار نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے پولیس افسر کی طرف دیکھا اور سوال کیا: "کیا یہ وہی ہیں؟"

نوجوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سالار نے پہریدار کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئے۔ پھر اس نے عبدالمنعم کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "آپ کا نام عبدالمنعم ہے؟"

"ہاں۔" عبدالمنعم نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"آپ قرطبہ سے طلیطلہ اور طلیطلہ کے قید خانے سے یہاں لائے گئے تھے؟"

عبدالمنعم نے جواب دیا: "ہاں! لیکن آپ یہ پوچھے بغیر بھی مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ

Scanned by iqbalmt

عمر رسیدہ سالار نے اپنے چہرے پر ایک مغموم سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔" اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کسی دن مجھے اس قلعے کے محافظ کی بجائے قید خانے کے داروغہ کے فرائض سرانجام دینے پڑیں گے تو میں شاید طلیطلہ کی حکومت کی ملازمت نہ کرتا۔ بہرحال میں یہی کوشش کرتا رہا ہوں کہ یہاں قیدیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو لیکن اس وقت میرا مقصد اپنی صفائی پیش کرنا نہیں۔ آپ سُن چکے ہوں گے کہ امیر یحییٰ فرار ہو چکا ہے۔ اہلِ طلیطلہ نے الفانسو کی طرف سے جوابی کارروائی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بطلیوس کے حکمران عمر المتوکل کے پاس ایک وفد بھیجا ہے۔ امید ہے کہ بطلیوس کی فوج بہت جلد طلیطلہ کی حفاظت کے لیے پہنچ جائے گی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں طلیطلہ کے سیاسی قیدیوں کو بھی رہا کر دوں۔ ان کے متعلق یہاں کوئی یادداشت نہیں۔ میں نے طلیطلہ کی نئی حکومت سے ہدایات طلب کی تھیں لیکن ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ تھوڑی دیر قبل مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ الفانسو کی فوج ہماری سرحد کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے اور ان کے چند دستے اس قلعے سے چار کوس کے فاصلے پر پہنچ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ آج رات یا کل صبح تک یہاں پہنچ جائیں۔ اس لیے میں نے قیدیوں کو فوراً آزاد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کاش مجھے اس سے قبل آپ کے متعلق معلوم ہوتا۔ یہ طلیطلہ کی پولیس کے افسر ہیں اور یہاں یہ ابھی آئے ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ میری قید میں ایسے لوگ بھی ہیں جن پر اندلس کے مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیے۔"

پولیس افسر اٹھ کر آگے بڑھا اور اس نے ایک خالی کُرسی اٹھا کر میز کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔" آپ تشریف رکھیے! شاید آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں اس دستے کے ساتھ تھا جس کے پہرے میں آپ قرطبہ کے قید خانے سے طلیطلہ کے قید خانے میں لائے گئے تھے۔ اس وقت ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ ہماری جدوجہد کا انجام کیا ہوگا۔ میں طلیطلہ کے ان ہزاروں آدمیوں میں سے ایک تھا جو طلیطلہ کے شاہی خاندان کی ہوسِ اقتدار کا آلۂ کار بن چکے تھے لیکن آج میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے جس آگ کا ایندھن بننا قبول کیا تھا اس کے بھڑکتے ہوئے

شعلے ہمارے اپنے گھروں کا رُخ کر رہے ہیں۔ میں یحییٰ کے ساتھ فرار ہوا تھا۔ اس نے الفانسو کے پاس پہنچتے ہی، ایک معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے سرحد کے کئی قلعے الفانسو کو منتقل کر دیے گئے ہیں۔ الفانسو یحییٰ کو دوبارہ طلیطلہ کے تخت پر بٹھانے سے پہلے ان قلعوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یحییٰ نے اس کے کہنے پر سرحدی قلعوں کے تمام محافظوں کے نام خطوط لکھ دیے ہیں کہ وہ الفانسو کی فوج کا مقابلہ کیے بغیر قلعے اُس کے حوالے کر دیں۔ اس قلعے کا قبضہ دلانے کے لیے یحییٰ نے مجھے بھیجا ہے لیکن اب میں اپنے گزشتہ گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔"

عبدالمنعم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا......" شاید لمبی چوڑی باتوں کے لیے یہ وقت موزوں نہ ہو۔ میں صرف سننا چاہتا ہوں کہ آپ کونسی شرائط پر ہمیں رہا کرنا چاہتے ہیں؟"

پولیس کے افسر کی بجائے قلعے کے محافظ نے جواب دیا۔" آپ کو رہا کرنا ہمارے لیے ایک مجبوری ہے۔ آپ پر کوئی احسان نہیں۔ اس وقت جب کہ الفانسو کی فوج کے دستے اس قلعے کے دروازے پر دستک دینے والے ہیں۔ ہمارے لیے قیدیوں کی حفاظت یا نگرانی ناممکن ہے آپ کو میں نے اس لیے بُلایا ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کو پُرامن طریقے سے نکال کر لے جائیں۔ آپ کے جو ساتھی پیدل چلنے کے قابل نہیں انھیں ہم گھوڑے دے سکتے ہیں۔"

عبدالمنعم کے خیالات کہیں اور تھے۔ وہ آنسوؤں، نغموں اور مُسکراہٹوں کے سیلاب میں بہا جا رہا تھا۔" میری بیوی ——— میرے بیٹے!" وہ ماضی کے نقاب الٹنے کے بعد قرطبہ میں اپنے عالیشان مکان کے صحن میں کھڑا تھا اور حسن اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر کہہ رہا تھا۔" ابّا جان! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب لڑائی ختم ہو گی تو آپ مجھے ساتھ لے جایا کریں گے۔" اور وہ اُسے اپنے سینے سے لگا کر کہہ رہا تھا۔" لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی بیٹا!!"

پھر وہ تصور میں اپنی بیوی کے سامنے یہ الفاظ دہرا رہا تھا۔" ممکن ہے کہ میں آج ہی لوٹ آؤں۔ ممکن ہے کہ مجھے زندگی کے کچھ دن قید خانے میں گزارنے پڑیں اور یہ بھی ممکن

ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔ لیکن میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ ان بچوں کو تمہارا پہلا اور آخری سبق یہ ہوگا کہ ایک مسلمان کا مقصد اس کی زندگی سے بڑا ہے!"

قلعے کے محافظ نے کہا: "آپ یہاں سے طلیطلہ کے قیدیوں کے ساتھ جانا پسند کریں گے یا سیدھے اپنے گھر جانا چاہتے ہیں؟"

عبدالمنعم نے سالار کی طرف دیکھا اور سر پھیرتے ہوئے کہا: "نہیں میں نہیں جاؤں گا"

"آپ کا مطلب؟"

"میرا مطلب یہ ہے اگر اس قلعے پر الفانسو کی فوج حملہ کر رہی ہے تو میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ قید خانے کی تاریکیوں میں میں نے ہمیشہ ایک شہید کی موت کی تمنا کی تھی معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں میری دُعا قبول ہو چکی ہے —— میرے ساتھی آپ کا ساتھ دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ طلیطلہ کے قیدی بھی اس حال میں قلعہ چھوڑنا پسند نہیں کریں گے، ہمیں صرف تلواروں کی ضرورت ہے۔ آپ کتنے آدمیوں کو ہتھیار دے سکتے ہیں؟"

ہمارے پاس ہتھیاروں کی کمی نہیں لیکن سامانِ رسد شاید ایک ماہ کے لیے بھی کافی نہ ہو۔"

"سامانِ رسد ہم دشمن سے حاصل کر لیں گے۔"

قلعہ کے محافظ نے کہا: "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ باقی قیدیوں کی رائے معلوم کر لیں؟"

عبدالمنعم نے جواب دیا: "مجھے معلوم ہے کہ جو لوگ بنی ذالنون کے حکم سے قید کیے گئے ہیں وہ کسی مقصد کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں!"

عشاء کے وقت قیدی اور پہریدار پہلی بار ایک ہی صف میں کھڑے تھے اور عبدالمنعم ان کی امامت کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

نماز کے بعد عبدالمنعم کی رُوح پرور تقریر ان کے دلوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کر رہی تھی۔ وہ قیدیوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا:

میرے دوستو! تمہارے ہاتھوں سے بیڑیاں اتار دی گئی ہیں —— تمہارے قید خانے کے دروازے کھول دیے گئے ہیں لیکن یہ نہ سمجھو کہ تم آزاد ہو گئے ہو۔ اگر ہم اس طوفانِ عظیم کا مقابلہ نہ کر سکے جو شمال سے الفانسو کی شخصیت میں نمودار ہو رہا ہے تو ہم اس چھوٹے سے قید خانے سے نکل کر کسی دن اپنے آپ کو ایک وسیع قید خانے میں پائیں گے۔ اندلس کا ہر مسلمان عیسائیوں کا غلام ہوگا۔ قلعے کے حاکم نے ہماری رہائی کا حکم صادر کر دیا ہے لیکن کیا ہم اپنے گھروں میں جا کر اپنی بیویوں، اپنے بچوں، اپنی ماؤں بہنوں اور بھائیوں کو یہ پیغام دیں گے کہ ہمارے پیچھے نصرانیوں کا سیلاب آ رہا ہے، الفانسو نے طلیطلہ کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے؟ اس کے بعد طلیطلہ کے دارالحکومت کی باری آئے گی۔ اس کے بعد یہ سیلاب اندلس کے دوسرے شہروں کا رُخ کرے گا۔

اگر ہم مسلمان ہیں، اگر ہم اس زمین پر اسلام کی عظمتِ رفتہ دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہمیں اندلس میں دُشمنانِ اسلام کی غلامی گوارا نہیں تو ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم طوفان کے آگے آگے بھاگنے کی بجائے اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں! اگر الفانسو کی پیش قدمی فقط ہمارے ملوک الطوائف میں سے کسی کے تخت و تاج کے لیے خطرے کا باعث ہوتی تو میں اس وقت تمہارے سامنے تقریر کرنے کی بجائے سیدھا اس شہر کا رُخ کرتا، جہاں میری بیوی، بچے، دوست اور احباب برسوں سے میرا انتظار کر رہے ہیں لیکن یہ خطرہ ہمارا اجتماعی خطرہ ہے۔ یہ ان لوگوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے جو اس ملک میں مسلمان کی حیثیت میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارا دشمن صرف طلیطلہ کے چند قلعوں پر ہی نہیں بلکہ جبل الطارق تک

صلیب کا نشان لہرانے کا عزم لے کر میدان میں آیا ہے۔ میں آپ کو اس قلعے کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہونے کی دعوت دیتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اندلس کے حکمران کی فکر ہے بلکہ مجھے اپنی فکر ہے، تمہاری فکر ہے۔ اس چھوٹے سے محاذ پر ہماری جنگ سارے اندلس کے لیے ہو گی۔ ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ نصرانیوں کا راستہ روک کر ہم اہلِ طلیطلہ کو تیاری کا موقع دے سکتے ہیں۔"

چند دنوں کے بعد طلیطلہ کے طول و عرض میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ الفانسو کی فوج نے اچانک پیش قدمی کر کے شمال مغربی سرحد کی بعض چوکیوں پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ایک قلعے میں مٹھی بھر جانبازوں کی جماعت ایک ناقابلِ تسخیر عزم کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہی ہے۔

(۲)

الفانسو نے یحییٰ القادر کی ہلت فروشی سے فائدہ اٹھا کر شمالی سرحد کی چند اہم چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ جن قلعوں کے محافظوں نے یحییٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ ان پر اس نے اچانک حملہ کر دیا۔ وہ طلیطلہ کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے شمالی سرحد کے بہت سے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لینا ضروری سمجھتا تھا۔

اہلِ طلیطلہ انتہائی پریشانی کی حالت میں عمر المتوکل کی افواج کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک اجتماعی خطرے کے احساس نے عوام کو متحد کر رکھا تھا اور انھوں نے شہر کے اکابر میں سے ایک آدمی کو عارضی طور پر اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ شہر میں رضا کاروں کو تربیت دینے کی مہم زوروں پر تھی اور طلیطلہ کے نئے سپہ سالار کی درخواست پر احمد نے شہر کے مضافات سے رضا کاروں کی ایک فوج تیار کرنے کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ شہر کے اکابر کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کبھی وہ کسی فوجی نوعیت کے مسئلے کو زیرِ بحث لاتے تو سپہ سالار اور فوجی امور کے دوسرے ماہرین کے علاوہ احمد بن عبدالمنعم کی رائے بھی لی جاتی۔

وہ صبح سے شام تک مصروف رہتا۔ شیخ ابو یعقوب مجلسِ شوریٰ کا رکن تھا اس لیے وہ بھی علی الصباح احمد کے ساتھ ہی گھر سے نکل جاتا۔ نمازِ مغرب عام طور پر وہ بستی کی مسجد میں ادا کرتے اور اس کے بعد احمد اپنے میزبان کے ساتھ اس کے گھر چلا جاتا۔ کبھی اگر ایک کو دیر ہو جاتی تو دوسرا کھانے کے لیے اس کا انتظار کرتا۔

زندگی کے سمندر میں ایک تند و تیز طوفان کی موجوں نے احمد اور طاہرہ کو ایک دوسرے سے ملا دیا تھا۔ اب یہ طوفان گزر چکا تھا۔ اب ان کے درمیان دیواریں اور پردے حائل ہو چکے تھے اور ان پردوں اور دیواروں کی اوٹ میں یہ دونوں سپنوں کی حسین اور دلکش بستیاں آباد کر رہے تھے۔

ایک رات ابو یعقوب ذرا دیر سے گھر آیا اور اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی خادمہ کو آواز دے کر کھانا لانے کے لیے کہا۔ طاہرہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے دبی زبان سے کہا "ابا جان، مہمان ابھی تک نہیں آیا؟"

"وہ ایک مہم پر روانہ ہو چکا ہے!"

طاہرہ کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اس نے ایک ثانیہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے کے بعد منہ پھیر لیا۔ وہ اپنے دل میں شکوے کر رہی تھی "وہ چلا گیا اور یہ جانے بغیر چلا گیا ہے کہ یہاں کوئی عمر بھر اس کی راہ دیکھتی رہے گی!"

طاہرہ کو اپنے باپ کے سامنے کھڑی رہنا تکلیف دہ محسوس ہوا وہ آہستہ آہستہ پاؤں اٹھاتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔

ابو یعقوب نے کہا "ٹھہرو بیٹی کہاں جا رہی ہو؟"

اس نے گھبرا کر جواب دیا "ابا جان میں آپ کے ہاتھ دھلانے کے لیے پانی لاتی ہوں۔"

جب طاہرہ اپنے باپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی تو خادمہ آئی اور اس نے پوچھا "آپ کا کھانا بھی یہیں لے آؤں؟"

ابو یعقوب نے کہا "طاہرہ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟ لے آؤ ہم اکٹھے کھائیں گے!"

خادمہ نے کھانا لاکر رکھ دیا اور طاہرہ اپنے باپ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گئی لیکن اُس کی بھوک مر چکی تھی۔ اس نے بے توجہی سے چند لقمے اُٹھائے۔ ابویعقوب خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "احمد چند دنوں تک واپس آجائے گا"۔

طاہرہ کے چہرے پر دوبارہ رونق آگئی اور اس نے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا "ابا جان وہ کہاں گئے ہیں ؟"

ابویعقوب نے جواب دیا "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ انقلاب سے پہلے یحییٰ نے طلیطلہ کے جن قیدیوں کو شمال مشرقی سرحد کے اہم قلعے میں منتقل کر دیا تھا۔ وہ قلعے کی محافظ فوج کے ساتھ شامل ہو کر نصرانی حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ چار دن قبل یہ اطلاع آئی تھی کہ قلعے کا محافظ شہید ہو چکا ہے اور ان کی قیادت ایک قیدی نے سنبھال لی ہے۔ چونکہ عمر المتوکل کی پیشقدمی کے باعث الفانسو کی توجہ شمال مغرب کے محاذ کی طرف مبذول ہو چکی ہے۔ اس لیے ہمیں یہ امید تھی کہ اس قلعے پر الفانسو کا دباؤ زیادہ دیر نہیں رہے گا اور ہم یہاں کی فوج کے پہنچتے ہی ان کی مدد کے لیے رضاکاروں کے چند دستے روانہ کر دیں گے۔ لیکن آج یہ اطلاع ملی کہ قلعے کے محافظوں کی حالت نازک ہے اور الفانسو نے ایک نئی فوج بھیج کر ان کی رسد و کمک کے تمام راستے کاٹ دیے ہیں۔ اگر دو دن کے اندر اندر انھیں کوئی کمک نہ ملی تو وہ سب مارے جائیں گے۔ اگر صرف عام سپاہیوں کا سوال ہوتا تو شاید مجلس شوریٰ اس قدر مستعدی ظاہر نہ کرتی لیکن قیدیوں میں بعض بااثر لوگ ہیں۔ اس لیے تین سو سوار فوراً روانہ کر دیے گئے ہیں۔ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں احمد بھی شریک ہوا تھا۔ جب اس مہم کی قیادت کا سوال پیش ہوا تو سب کی نگاہیں اس کی طرف مبذول ہو گئیں"۔

طاہرہ نے کہا "لیکن تین سو آدمی کب تک قلعہ کی حفاظت کر سکیں گے ؟"

ابویعقوب نے جواب دیا "سپہ سالار نے اس قلعے کی حفاظت کا ارادہ ترک کر دیا ہے اُس نے احمد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ محافظ سپاہیوں اور قیدیوں کو وہاں سے نکال لائے۔ ہم طلیطلہ کے دفاع کو خطرے میں ڈالے بغیر زیادہ دیر اس دور افتادہ مورچے کی حفاظت نہیں کر سکتے"

طاہرہ نے کہا "ابا جان! یہ مہم بہت زیادہ خطرناک تو نہیں ؟"

"بیٹی سپاہی کی ہر مہم خطرناک ہوتی ہے"۔

"اور وہ ان سپاہیوں میں سے ہے جو خطرے کے وقت سب سے آگے ہوا کرتے ہیں"۔

ابویعقوب نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا "احمد ایک صالح اور بہادر نوجوان ہے آج رخصت سے پہلے میں نے اس کے ساتھ تمہارے مستقبل کے متعلق چند باتیں کی ہیں"۔

طاہرہ کا دل دھڑکنے لگا۔ ابویعقوب نے قدرے توقف کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹی میں تمہارے لیے ایک اچھی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں قدرت سے تمہارے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں مانگ سکتا۔ تمہارے باپ کو اس بات پر فخر ہے کہ اندلس کے بہترین نوجوان نے تشکر کے آنسوؤں کے ساتھ تمہارا رشتہ قبول کیا ہے۔ بیٹی میں نے غلطی تو نہیں کی ؟"

اور طاہرہ مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کا چہرہ حیا سے سُرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں زمین میں گڑی جا رہی تھیں۔

باپ نے کہا "تم نے کھانا کیوں چھوڑ دیا ؟"

"میں کھا چکی ہوں ابا جان!" وہ یہ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ "احمد! احمد!!" اس نے مسرت کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے ہو! تم میرے ہو!"

(۳)

سرحدی قلعہ ایک پہاڑی کے دامن میں تھا۔ قسطلہ کے سات سو سپاہی اس پر کئی حملے کر چکے تھے۔ ان کا ایک حملہ اس قدر سخت تھا کہ قلعے کے محافظ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ قریباً دو سو سپاہی اُوپر سے تیروں اور اینٹوں کی بارش کے باوجود سیڑھیاں لگا کر فصیل کے اوپر جا پہنچے۔ قلعے کا محافظ اور اس کے ساتھ قریباً ایک سو مجاہدین لڑتے ہوئے

شہید ہو گئے لیکن عبدالمنعم نے ان کے حوصلے پست نہ ہونے دیے۔ مجاہد اپنے نئے سالار کی تقلید میں موت و حیات سے بے پروا ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور قلعے کے اندر داخل ہونے والوں میں سے بہت کم ایسے تھے جنہیں دوبارہ زندہ باہر نکلنے کا موقع ملا۔

اس شدید نقصان کے بعد نصرانی چند دن اہلِ قلعہ کے ساتھ معمولی چھیڑ چھاڑ پر اکتفا کرتے رہے۔ بالآخر ایک رات ان کے پاس دو سو تازہ دم سپاہیوں کی کمک پہنچ گئی اور انھوں نے علی الصباح قلعے پر فیصلہ کُن حملہ کر دیا۔ قسطلہ کے سالار نے حلف اٹھایا تھا کہ جب تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو گا میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ عبدالمنعم کے ساتھیوں کے تیر ختم ہو چکے تھے اور وہ فصیل پر سے اینٹیں پھینک پھینک کر دشمن کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے، رسد کی کمی کے باعث گزشتہ چار دن سے ہر سپاہی کو دو وقت کے لیے جو کی صرف ایک ایک کی روٹی ملتی تھی۔

دوپہر کے وقت بھوک اور تھکاوٹ سے نڈھال سپاہی دشمن کے پے در پے حملوں سے مغلوب ہو رہے تھے۔ دشمن کے چند دستے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر پہنچ گئے تھے اور دست بدست لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ قلعے کے محافظوں میں سے اب کوئی ایسا نہ تھا جسے اپنی زندگی کا ایک اور دن دیکھنے کی امید تھی۔

اچانک ایک طرف سے گھوڑوں کی ٹاپ اور اللہ اکبر کے نعرے سُنائی دیے اور آن کی آن میں تین سو سواروں نے قسطلہ کی فوج پر چاروں اطراف سے حملہ کر دیا۔

ایک گھنٹے کے اندر میدان خالی ہو چکا تھا اور قلعے کے ارد گرد دُور دُور تک نصرانی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ سواروں نے بھاگتے ہوئے نصرانیوں کا چند میل تک تعاقب کیا اور گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بچ کر نکلنے کا موقع نہ دیا۔ جب وہ شام سے کچھ دیر پہلے واپس آئے تو قلعے کے محافظ اتنی دیر میں قسطلہ کی فوج کے پڑاؤ سے بہت سا سامان قلعے کے اندر منتقل کر چکے تھے۔ چند ماہ کی رسد اور سامان جنگ کے علاوہ قریباً

ڈھائی سو گھوڑے اور پچاس خچر ان کے قبضے میں آ چکے تھے۔

سواروں کو واپس آتے دیکھ عبدالمنعم کے ساتھیوں نے باہر نکل کر خوشی کے نعرے بلند کیے۔ نوجوان سالار نے گھوڑے سے اُترتے ہی سوال کیا۔ "آپ کا سالار کون ہے؟"

ایک بوڑھے مجاہد نے جواب دیا۔ "وہ اندر ہیں۔ ان کے بازو پر زخم آ گیا تھا!"

"زخم خطرناک تو نہیں؟"

"نہیں، معمولی زخم ہے۔ دراصل وہ بہت زیادہ تھکے ہوتے ہیں۔"

"چلیے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں!"

نوجوان بوڑھے مجاہد کے ساتھ باتیں کرتا ہوا قلعے کے ایک کمرے کے اندر داخل ہوا۔ عبدالمنعم لکڑی کے ایک تختے پر لیٹا ہوا تھا۔ پاؤں کی آہٹ پاتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا نوجوان نے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور پوچھا۔ "آپ کا زخم گہرا تو نہیں؟"

"نہیں معمولی خراش ہے۔ تشریف رکھیے!"

نوجوان ایک کُرسی پر بیٹھ گیا اور عبدالمنعم نے لکڑی کے تختے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا "آپ طلیطلہ سے آئے ہیں؟"

"ہاں!"

"وہاں کے حالات کیسے ہیں؟"

نوجوان نے جواب دیا۔ "حالات تشویشناک ہیں۔ الفانسو کی افواج تین اطراف سے بڑھ رہی ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ فوراً یہ قلعہ خالی کر دیں!"

عبدالمنعم کچھ دیر غور سے نوجوان کی طرف دیکھتا رہا۔ اچانک اس نے سوال کیا۔ "آپ طلیطلہ کے رہنے والے ہیں؟"

"نہیں میں غرناطہ سے آیا ہوں۔"

"میرا مطلب ہے کہ آپ کا اصلی وطن کون سا ہے؟"

"قرطبہ"

"تمہارا نام احمد ہے؟"

نوجوان نے قدرے چونک کر عبدالمنعم کی طرف دیکھا اور کہا "ہاں! لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

عبدالمنعم جواب دینے کی بجائے ہونٹ بھینچ کر سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ احمد اب غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عبدالمنعم کے ایک بوڑھے ساتھی نے کہا "آپ کا نام احمد بن عبدالمنعم ہے؟"

"ہاں!" احمد نے حیرت زدہ ہو کر بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

بوڑھے نے کہا "اگر تم اپنے باپ کو دیکھو تو پہچان لو گے؟"

"آپ کو ان کے متعلق ——؟" احمد نے فقرہ پورا کیے بغیر دوبارہ اپنی نگاہیں عبدالمنعم کے چہرے پر گاڑ دیں، اس کے دل کی دھڑکنوں نے ماضی کے کئی نقاب الٹ دیے۔ انسانی حسن و وفا کے ایک پیکر مجسم کی تصویر اس کے شعور کی سطح پر ابھرنے لگی اور ایک سفید ریش بوڑھے کی آنسوؤں سے چھلکتی ہوئی آنکھیں اسے یہ پیغام دینے لگیں "دیکھو میں وہی ہوں!"

"ابا جان! ابا جان!" احمد کے منہ سے کرب میں ڈوبی ہوئی آواز نکلی۔ باپ اور بیٹا بیک وقت اٹھے اور ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ گئے۔

رات کے وقت جب تھکے ماندے سپاہی گہری نیند سو رہے تھے، احمد اور عبدالمنعم ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے کو اپنی سرگزشت سنا رہے تھے۔ پچھلے پہر جب وہ کوچ کی تیاری کر رہے تھے۔ احمد نے کہا "ابا جان! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ گھر جائیں آپ کو ایک لمبے عرصے کے لیے آرام کی ضرورت ہے؟"

"میں سیدھا وہیں جا رہا ہوں بیٹا! لیکن آرام کے لیے نہیں کام کے لیے۔"

پامال ہو رہے ہیں لیکن ہم اندلس کی اجتماعی قوت کو بروئے کار لائے بغیر اس سیلاب کا رخ نہیں بدل سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری کوششوں سے قاضی ابو جعفر اور ان کے رفقاء کو عوام میں کام کرنے کی مہلت مل جائے گی۔ ہم نے آپ کی زندگی سے جو سبق سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مومن کی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔ جو آواز آپ نے کئی برس پہلے بلند کی تھی وہ آج لاکھوں انسانوں کی آواز بن چکی ہے۔ وہ ہاتھ جنہیں ملوک الطوائف نے غلامی کی زنجیریں پہنا رکھی تھیں، اب آہستہ آہستہ ہل رہے ہیں۔ بنی ذالنون کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اشبیلیہ میں معتمد کے اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اندلس کے باقی حکمران راہ راست پر نہ آئے تو وہ بھی زیادہ دیر عوام کو دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اب صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ جمہور کو ایک متحدہ محاذ پر کھڑا کر دیا جائے! میں اس وقت تک طلیطلہ میں رہوں گا جب تک میری یہاں ضرورت ہے۔ آپ غرناطہ پہنچتے ہی قاضی ابو جعفر سے ملیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کے ساتھ شامل ہو کر بہت کچھ کر سکیں گے۔ آپ انھیں جانتے ہیں نا"

عبدالمنعم خاموشی سے اپنے بیٹے کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ احمد نے اس کی مسکراہٹ سے قدرے پریشان ہو کر کہا "ابا جان معاف کیجیے۔ میں آپ کو یہ مشورہ نہیں دے سکتا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ میں بہت باتونی ہوں"

عبدالمنعم نے کہا "بیٹا! اگر تمہاری ماں کی تربیت نے سعد اور حسن کو بھی تم جیسا باتونی بنا دیا ہے تو مجھے اپنی زندگی کے چند سال قید خانوں کی تاریک کوٹھریوں میں گزارنے پر شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ اس وقت جب کہ مجھے مامون کے حکم سے دوبارہ قید خانے میں بھیجا جا رہا تھا، یہ کون کہہ سکتا تھا کہ طلیطلہ میں بنی ذالنون کے اقتدار پر آخری ضرب لگانے والا میرا اپنا بیٹا ہوگا۔ مجھے تم پر فخر ہے اب میں اندلس کے مستقبل سے مایوس نہیں لیکن یاد رکھو ابھی تمہاری راہ میں کئی پہاڑ حائل ہیں۔ طلیطلہ والوں نے ابھی [illegible] کا اعادہ کیا ہے جو ہم سے سرزد ہوئی تھی۔ انہیں عمر المتوکل کی بجائے عوام کی قوت پر بھروسہ کرنا چاہیے تھا۔ قرطبہ میں [illegible]

کے وقت وہ ہمیں تنہا چھوڑ گیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آزمائش کے وقت وہ اہلِ طلیطلہ کو
بھی نہ چھوڑ دے۔"

احمد نے کہا "اُسے بُلانے کا فیصلہ شہر کے اکابر نے کیا تھا۔ انھیں امید ہے کہ اگر
دوسری سلطنتوں کے عوام نے اس کی حوصلہ افزائی کی تو وہ آخری دم تک مقابلہ کرے گا"

"یہ وقت آنے پر معلوم ہو گا، تاہم میں یہ دُعا کرتا ہوں کہ خدا اُسے استقامت دے۔ ممکن
ہے کہ میں چند دن آرام کرنے کے بعد اپنے لیے یہی محاذ منتخب کروں"

اگلی دوپہر باپ اور بیٹا ایک ایسے چوراہے پر کھڑے تھے جہاں سے ایک راستہ طلیطلہ
اور دوسرا سیدھا قرطبہ کی طرف جاتا تھا۔ عبدالمنعم تنہا غرناطہ کا رُخ کرنے کی بجائے چند منازل
تک قرطبہ کے قیدیوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

احمد نے اپنے باپ کو رُخصت کرتے ہوئے کہا "ابا جان! اگر مجھے امی جان کے متعلق
پریشانی نہ ہوتی تو میں آپ کو طلیطلہ سے ہو کر گھر جانے پر مجبور کرتا۔ مجھے آپ سے ایک ضروری
بات کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔"

عبدالمنعم نے غور سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا "احمد تم ..... اس لڑکی کے
متعلق کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

احمد نے جواب دینے کی بجائے آنکھیں نیچی کر لیں۔ عبدالمنعم نے پھر کہا "احمد کیا میں
تمہیں خوشخبری سنا دوں کہ تم شادی کر چکے ہو؟"

احمد نے چونک کر جواب دیا "نہیں ابا جان۔ یہ آپ کو کس نے بتایا۔ میں صرف یہ کہنا
چاہتا تھا کہ جب میں اس طرف آ رہا تھا تو شیخ ابو یعقوب نے اس بات کی خواہش ظاہر کی تھی"

عبدالمنعم نے کہا "بیٹا میری دُعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ وقت
کی آندھیوں سے اپنے حصے کی مسرتیں چھین لو! جن حالات میں تم نے ایک دوسرے کو تلاش
کیا ہے، ان کا تقاضہ یہ ہے کہ تم طلیطلہ پہنچتے ہی شادی کر لو! میں بہت جلد طلیطلہ آنے کی

کوشش کروں گا لیکن تم میرا انتظار نہ کرنا۔ ممکن ہے کہ میں کسی اور محاذ پر چلا جاؤں!"

احمد کے ساتھیوں کا قافلہ کافی دور جا چکا تھا اور عبدالمنعم کے ساتھی چند گز دور کھڑے
اس کا انتظار کر رہے تھے۔ باپ اور بیٹے نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور اپنے اپنے
گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔

(۴)

الماس کسی کی آواز سُن کر باہر نکلا۔ ایک سوار دروازے پر کھڑا تھا۔ الماس ایک ثانیہ
سکتے کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر اچانک آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے چلایا:

"آقا! میرے آقا!"

سوار نے گھوڑے سے اُتر کر اُسے گلے لگا لیا۔ "آقا! آپ آ گئے! میرے سپنے سچے نکلے۔
چلیے اندر چلیے!" الماس نے ایک بچے کی طرح سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

خادمہ نے دروازے کے قریب آ کر پوچھا "الماس کون ہے؟"

الماس نے بلند آواز میں جواب دیا "آقا آ گئے ہیں!"

عبدالمنعم اندر داخل ہوا۔ سکینہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ اس کی تمام حسیات آنکھوں
میں جمع ہو چکی تھیں۔ اس کی حالت اس کشتی کے ملاح سے مختلف نہ تھی جو ایک بیکراں سمندر کی
بھیانک تاریکیوں میں اچانک روشنی کا مینار دیکھ رہا ہو۔ ایک تھکے ماندے مسافر کی طرح
جس کی ہمت اپنی منزل دیکھتے ہی جواب دے چکی ہو، عبدالمنعم آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہا تھا۔
سکینہ کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کا پردہ حائل ہو رہا تھا۔ یہ پردہ بھاری ہوتا گیا۔ یہاں
تک کہ عبدالمنعم صحن عبور کرنے کے بعد برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔ وہ صرف
ایک دھندلی سی تصویر دیکھ رہی تھی۔

"سکینہ! میں آ گیا ہوں!" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

سکینہ کے ہونٹ کپکپائے۔ اس کی پلکیں جھک گئیں۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتے ہوئے آنسو

بہ نکلے اور زندگی کے چہرے سے ماضی کا غبار دُھل گیا۔

"سکینہ!" عبدالمنعم نے برآمدے کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے کہا اور وہ سسکیاں لیتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ بڑی مشکل سے اس کے مُنہ سے چند الفاظ نکلے: "میں یہ خواب کئی بار دیکھ چکی ہوں مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں رہا۔ خدا کے لیے مجھے بتائیے، کہ یہ خواب تو نہیں؟"

"یہ خواب نہیں۔ سکینہ اب تم اپنے سپنوں کی تعبیر دیکھ رہی ہو!" عبدالمنعم نے اُسے ایک کرسی پر بٹھادیا اور خود اس کے قریب دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ دونوں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی مُسکراہٹوں کے ساتھ ایک دُوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے...... اچانک سکینہ چلائی: "میمونہ! میمونہ!!"

"کیا ہے امّی جان!" میمونہ نے ساتھ والے کمرے کے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"میمونہ ادھر آؤ! یہ سعد کے ابّا جان ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

میمونہ نے شرماتے ہوئے آگے بڑھ کر عبدالمنعم کو سلام کیا۔ سکینہ نے کہا: "آپ جانتے ہیں! یہ کون ہے؟"

"میں جانتا ہوں، مجھے احمد نے ان کے متعلق بتایا تھا۔"

"احمد نے! وہ آپ کو کہاں ملا؟ آپ اُسے ساتھ کیوں نہیں لائے؟ مجھے سب کچھ بتائیے۔ وہ طلیطلہ گیا تھا۔ آپ کہاں تھے؟"

عبدالمنعم نے کہا: "پہلے آپ اس بات کا یقین کرلیں کہ یہ خواب نہیں۔"

سکینہ نے کہا: "آپ میری دیوانگی پر خفا نہ ہوں!"

میمونہ نے کہا: "اگر آپ اجازت دیں تو میں خالہ کو اطلاع دے آؤں؟"

سکینہ نے کہا: "جاؤ!" اور میمونہ خادمہ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

---

(۵)

احمد اپنی مہم سے فارغ ہوکر طلیطلہ واپس پہنچا تو عمر المتوکل کے ہراول کے دستے شہر میں داخل ہورہے تھے۔ ایک ہفتہ کے بعد عمر المتوکل باقی فوج کے ساتھ خود بھی پہنچ گیا اور طلیطلہ کی عارضی حکومت اس کے حق میں دستبردار ہوگئی۔

احمد نے واپس آتے ہی پھر رضاکاروں کی تنظیم کا کام سنبھال لیا۔ قریباً ایک ماہ بعد اس کے پاس غرناطہ سے ایک ایلچی عبدالمنعم کی طرف سے اس مضمون کا خط لے کر آیا کہ میں قاضی ابوجعفر کے ساتھ مرسیہ جارہا ہوں۔ اس لیے تم شادی کے لیے میرا انتظار نہ کرو۔ عبدالمنعم نے ایک خط شیخ ابویعقوب کی طرف بھی لکھا تھا جس میں اس نے اُندلس کے بگڑتے ہوئے حالات کے باعث اپنی مصروفیتیں اور مجبوریاں ظاہر کرنے کے بعد یہ درخواست کی تھی کہ وہ احمد اور طاہرہ کی شادی میں تاخیر نہ کریں۔

ابویعقوب نے عبدالمنعم کا خط آنے سے ایک ہفتہ بعد شہر کے چند معززین کو اپنے گھر میں جمع کیا اور احمد کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح پڑھوا دیا۔

زندگی کے سمندر کے دو مُسافر جنہیں ایک طوفان کی تند لہروں نے ایک دوسرے سے ملا دیا تھا۔ اب ایک کشتی میں بیٹھ کر اُفق کی طرف دیکھ رہے تھے...... طوفان بظاہر تھم چکا تھا لیکن یہ عارضی سکون ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔

انقلاب کے ساتھ طلیطلہ کے اُفق پر جو ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی تھی وہ پھر ایک بار تاریک بادلوں میں چھپ رہی تھی۔ عمر المتوکل کی مداخلت نے الفانسو کو طلیطلہ پر فوراً یلغار کرنے کا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ الفانسو جس قدر طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے لیے بے قرار تھا اسی قدر مسلمانانِ اندلس کے ساتھ ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنے کے لیے اپنی فوجی طاقت محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے دارالحکومت کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ جاری رکھ کر جنگ کو طول دینا اپنے لیے فائدہ مند سمجھا۔ الفانسو کے سپاہی طلیطلہ کی ان سرحدی

چوکیوں سے جو یحییٰ کی ملّتِ فروشی کے باعث ان کے قبضے میں آچکی تھیں۔ کسی علاقے پر حملہ کرتے اور لوٹ مار کرنے کے بعد پیچھے ہٹ جاتے۔ ان حالات میں عمر المتوکل کو اپنی باقاعدہ فوج کے ایک بڑے حصّے کے علاوہ طلیطلہ کے رضا کاروں کے کئی دستوں کو بھی سرحدوں پر اپنی دفاعی چوکیوں کی حفاظت کے لیے بھیجنا پڑا۔

ایک رات احمد دیر تک گھر نہ آیا۔ ابو یعقوب کچھ دیر اس کا انتظار کرنے کے بعد کھانا کھا کر آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکا تھا اور طاہرہ بالائی منزل کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جب گلی میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دیتی تو وہ اُٹھ کر دریچے سے جھانکنے لگتی۔ اچانک گلی میں گھوڑے کی ٹاپ سُنائی دی۔ احمد کا گھوڑے پر گھر آنا خلافِ توقع تھا۔ جب گھوڑا مکان کے قریب پہنچ کر رکا تو طاہرہ نے جلدی سے نیچے اُتر کر دروازہ کھول دیا۔

"طاہرہ! تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" احمد نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے کہا۔

طاہرہ نے جواب دیا۔ "آپ کو یہ خیال کیوں کر آیا کہ مجھے نیند آگئی ہو گی!"

احمد گھوڑے کی باگ پکڑ کر اندر داخل ہوا اور کہا۔ "دیکھیے آج میں اپنے ساتھ ایک اور مہمان لے آیا ہوں!"

"یہ مہمان بہت بے وقت آیا ہے، اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو اس کے قیام و طعام کا بندوبست کر چھوڑتی۔ لائیے اسے کہیں باندھ دوں!"

"نہیں اسے یہیں رہنے دیجیے۔" یہ کہہ کر احمد نے گھوڑے کی لگام اُتاری اور زین کے ساتھ بندھا ہوا اناج کا توبرا کھول کر گھوڑے کے مُنہ پر چڑھا دیا۔

طاہرہ نے دروازے کی کنڈی لگاتے ہوئے کہا۔ "اس کی زین نہیں اُتاریں گے؟"

"نہیں۔"

طاہرہ کا ماتھا ٹھنکا لیکن اُسے کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ طاہرہ اُسے کمرے میں چھوڑ کر کھانا لے آئی اور دونوں دستر خوان پر ایک دُوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔ احمد خلافِ معمول

بہت آہستہ آہستہ کھا رہا تھا۔ طاہرہ نے کہا۔ "آپ کھاتے کیوں نہیں؟"

احمد نے کہا۔ "طاہرہ بات دراصل یہ ہے کہ آج میں نے سپہ سالار کے مجبور کرنے پر اس کے ہاں کھانا کھا لیا تھا۔ تمہارے ساتھ دستر خوان پر بیٹھنے کے لیے میں نے آدھی بھوک روک لی تھی۔"

طاہرہ کی بھوک پہلے ہی رُخصت ہو چکی تھی۔ دستر خوان سے اُٹھ کر وہ اُوپر کے کمرے میں چلے گئے اور ایک دوسرے کے قریب کُرسیوں پر بیٹھ گئے۔ احمد کھوئی کھوئی نگاہوں سے اپنی رفیقۂ حیات کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک طاہرہ نے کہا۔ "آپ پریشان کیوں ہیں۔ میں یہ سننے کے لیے تیار ہوں کہ آپ کہیں جا رہے ہیں۔ مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں آتے تھے۔" طاہرہ مُسکرا رہی تھی لیکن احمد کے لیے اس کی مُسکراہٹ آنسوؤں اور سسکیوں سے کہیں زیادہ دردناک تھی۔ اُس نے کہا۔ "میں شمال کی طرف ایک اہم شہر کی حفاظت کے لیے رضا کاروں کے چند دستے لے کر جا رہا ہوں۔ شام کے وقت اطلاع آئی تھی کہ اس شہر پر دُشمن کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔"

طاہرہ نے پوچھا۔ "آپ کب جا رہے ہیں؟"

"ہم رات کے تیسرے پہر مستقر سے روانہ ہو جائیں گے لیکن مجھے مستقر میں بہت کام ہے۔ میں تھوڑی دیر تک وہاں چلا جاؤں گا!"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ بالآخر احمد نے کہا۔ "طاہرہ ہم نے طوفانوں کی آغوش میں آنکھ کھولی ہے۔ اس کی لہریں اور موجیں ہماری میراث ہیں۔ ہمارے لیے ان کے تھپیڑے سہنے کی عادت ڈالنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ ہمارے لیے صرف ایک مسرّت ہے اور وہ یہ کہ ہم بلند حوصلوں اور ولولوں کے ساتھ صبحِ آزادی کا انتظار کرتے رہیں۔ اس دن کا انتظار جب یہ طوفان تھم چکا ہو گا۔ میرے باپ نے قید خانے کی تاریک کوٹھڑیوں میں اس دن کا انتظار کیا ہے۔ میرا بڑا بھائی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اس صبح کا انتظار کر رہا ہے۔ میرا چھوٹا

بھائی اس دن کے انتظار میں سرقسطہ کے کسی قلعے کا پہرہ دے رہا ہے۔ طاہرہ! میں تم سے جُدا ہو رہا ہوں لیکن میری دُنیا تمہاری یاد سے آباد رہے گی۔ میرے سینے کے وہ چراغ جو تمہاری محبت کی لَو سے روشن ہوئے ہیں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ طاہرہ! تم ایک شاعر کا خواب ہو۔ نہیں بلکہ دنیا بھر کے شاعر اور مصور ہزاروں سال سپنے دیکھتے رہے اور تم ان کے اَن گنت سپنوں کی تعبیر ہو..... اگر اُندلس ایک چھوٹا سا جزیرہ ہوتا جس میں صرف تم ہوتیں تو میں اکیلا دنیا بھر کے طوفان کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر کہتا کہ یہ طاہرہ کا اُندلس ہے۔ میں اس کی حفاظت کروں گا..... اور آج میری قوم کا ہر نوجوان یہ محسوس کر رہا ہے کہ اس کے سپنوں کی طاہرہ کی عزت اور آزادی کو خطرہ ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اس چھوٹے سے شہر میں جسے نصرانی محاصرے میں لیے ہوئے ہیں، کتنی طاہرہ اور کتنے احمد ہوں گے!! طاہرہ میں جا رہا ہوں۔ تم اس دن کے لیے دُعا کیا کرو جب کہ ہر احمد اپنی طاہرہ کو یہ پیغام دے رہا ہو کہ آج اندلس آزاد ہے۔ اب ہمیں کسی طوفان کی موجیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں کریں گی!"

وہ بولتا جا رہا تھا اور طاہرہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوتی گئیں۔ احمد نے کہا "طاہرہ! میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا"

طاہرہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "یہ میں قوم کی ہر طاہرہ کی طرف سے آپ کو ہدیۂ تشکر پیش کر رہی تھی۔"

احمد نے کہا "تمہارے پاس بیٹھ کر مجھے وقت کا احساس نہیں رہتا۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ تمہارے ابا جان کو جگانا مناسب نہیں۔ انھیں میرا سلام کہہ دینا!"

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد طاہرہ دروازے سے باہر کھڑی اپنے رفیق حیات کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔

(۶)

احمد بن عبدالمنعم تین ماہ کے بعد چند دن کے لیے واپس آیا اور پھر کسی اور محاذ پر چلا

گیا۔ دو ماہ اور گزر جانے پر الفانسو کے ایک جرنیل نے اچانک پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ شمال مشرقی سرحد سے پیش قدمی کر دی اور چند دنوں میں طلیطلہ سے کوئی تیس میل کے فاصلے تک پہنچ گیا۔ بطلیوس کی افواج کی زیادہ تعداد دوسرے محاذوں پر بکھری ہوئی تھی۔ اس نئے حملے کو روکنے کے لیے طلیطلہ کے عوام کو میدان میں آنا پڑا۔ اہلِ طلیطلہ نے ایک سخت لڑائی کے بعد نصرانیوں کو بھگا دیا لیکن اس لڑائی میں طلیطلہ کے کوئی دو ہزار آدمی شہید ہو گئے۔ احمد کو دوسرے محاذ پر طاہرہ کے خط سے یہ افسوس ناک خبر ملی کہ اس لڑائی میں شیخ ابو یعقوب شہید ہو چکے ہیں لیکن اب ہر محاذ پر نصرانیوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور احمد کو دو مہینے اور طلیطلہ جانے کی مہلت نہ ملی۔

اچانک اُندلس کے حالات نے ایک اور کروٹ لی اور الفانسو کی توجہ طلیطلہ سے ہٹ کر ایک نئے محاذ پر مبذول ہو گئی۔ الفانسو جنگ کے اخراجات اپنی باجگزار ریاستوں سے پورا کرنے کا عادی تھا اور یہ اشبیلیہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس کے حکمران معتمد کو اندلس کے ملوک الطوائف میں سب سے زیادہ مال دار سمجھتا تھا۔ معتمد کا خزانہ پہلے ہی کچھ اپنی عیاشیوں اور کچھ الفانسو کے بڑھتے ہوئے مطالبات کے باعث خالی ہو چکا تھا۔ وہ خراج کی ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔ الفانسو کو صرف ایک بہانے کی ضرورت تھی اور اس نے طلیطلہ سے توجہ ہٹا کر اشبیلیہ کے علاقوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار شروع کر دی۔

اہلِ طلیطلہ نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور اپنے بہت سے علاقے نصرانیوں سے

؎ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ معتمد جب بھاری ٹیکس لگانے کے باوجود بھی خراج کی رقم پوری نہ کر سکا تو اس نے کھوٹے سکے تیار کروائے۔ الفانسو کی طرف سے ایک یہودی ابنِ اشالیب نامی خراج وصول کرنے آیا تھا۔ اس نے کھوٹے سکے دیکھ کر کہا کہ میں ایسا بیوقوف نہیں کہ جعلی سکے قبول کروں۔ اس سال ہم خالص سونا لیں گے اور اگلے سال تمہارے شہروں پر قبضہ کریں گے۔ معتمد نے آپے سے باہر ہو کر یہودی کو پھانسی پر لٹکا دیا اور اس کے عیسائی ساتھیوں کو قید کر لیا اور الفانسو نے انتقام لینے کے لیے اشبیلیہ پر چڑھائی کر دی۔

چھین لیے۔ احمد کو سپہ سالار نے طلیطلہ بلالیا اور اسے دوبارہ نئے رضاکار بھرتی کرنے کی مہم سونپ دی۔

ایک شام احمد گھر آیا تو خادمہ نے اُسے اندر داخل ہوتے ہی اطلاع دی کہ غرناطہ کا ایک مہمان آپ کا انتظار کر رہا ہے! احمد بیٹھک میں داخل ہوا تو وہاں الماس بیٹھا ہوا تھا۔

دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ملے۔ احمد نے گھر کی خیریت پوچھی۔ الماس نے اُسے بتایا کہ ادریس بالقر سے واپس آچکا ہے اور شاید کچھ دن غرناطہ میں رہے۔ عبدالمنعم مریہ سے واپس آکر چند دن غرناطہ میں رہنے کے بعد قاضی ابوجعفر کے ساتھ کہیں چلے گئے ہیں۔ حسن نے ایک مُدت سے اپنے متعلق کوئی اطّلاع نہیں دی۔ غرناطہ سے جو نوجوان اس کے ساتھ گئے تھے وہ بھی لاپتہ ہیں۔ دو ماہ قبل مراکش سے سعد کا پیغام آیا تھا کہ وہ عنقریب گھر آئے گا۔ لیکن اب اس نے لکھا ہے، کہ وہ مرابطین کے امیر البحر کے ساتھ ایک بحری مہم پر جا رہا ہے۔ تمہاری امّی جان نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ اگر حالات تمہیں سردست گھر جانے کی اجازت نہ بھی دیں تو کم از کم اپنی بیوی کو گھر بھیج دو۔ تمہارے ابّا جان کا بھی یہی خیال تھا کہ طلیطلہ کے حالات مخدوش ہیں۔

رات کو جب احمد نے طاہرہ سے غرناطہ جانے کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا "نہیں۔ میں طلیطلہ چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میرے لیے غرناطہ میں آپ کی راہ دیکھنے کی نسبت آپ کے ساتھ دشمن کے تیروں کی بارش میں کھڑا رہنا کہیں آسان ہے"

الماس ایک ہفتہ وہاں رہ کر واپس چلا گیا۔

کچھ عرصہ اشبیلیہ کی سرحدوں پر مار دھاڑ کرنے کے بعد الفانسو نے دارالحکومت کی طرف یلغار کر دی۔ چند دنوں میں اس کی افواج اشبیلیہ کے مضافات کو آگ اور خون کا پیغام دے رہی تھیں۔ مسلمان ہزاروں کی تعداد میں غلام بنا لیے گئے۔ تین دن تک اس نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا اور اس کے بعد اپنی افواج کو طلیطلہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ معتمد کے

تخت و تاج بچ گیا لیکن وہ اپنی زندگی میں پہلی بار یہ محسوس کر رہا تھا کہ جب اندلس میں باقی حکمرانوں کی کشتیاں ڈوبیں گی تو وہ دیر تک دریا کے کنارے بیٹھ کر اطمینان سے یہ تماشہ نہیں دیکھ سکے گا۔ الفانسو طلیطلہ اور سرقسطہ کو فتح کرنے کے بعد دوسری بار زیادہ تیاریوں کے ساتھ اشبیلیہ پر حملہ کرے گا۔

(۷)

ان واقعات سے چھ ماہ بعد طلیطلہ کے ہر اُفق پر مایوسی کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ الفانسو کی افواج ایک سیلاب کی طرح مختلف سمتوں سے طلیطلہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ عمر المتوکل کی فوج اور طلیطلہ کے رضاکار ہر محاذ پر بے جگری کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے لیکن نصرانیوں کی پیش قدمی کو روکنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ طلیطلہ کے ہزاروں رضاکاروں کے علاوہ بطلیوس کی ایک نمائی فوج بھی جنگ میں کام آچکی تھی۔ دوسری مملکتوں سے جو رضاکار اہلِ طلیطلہ کی مدد کے لیے آرہے تھے ان کی تعداد مایوس کن تھی۔ اس کے برعکس شمال کا ہر بڑا اور چھوٹا عیسائی حکمران الفانسو کی مدد کے لیے اپنی افواج بھیج رہا تھا۔

الفانسو نے عمر المتوکل کی توجہ دو محاذوں پر مبذول کرنے کے لیے اپنی فوج کا ایک حصّہ بطلیوس کی طرف روانہ کر دیا۔ عمر المتوکل طلیطلہ کی خاطر اپنی مملکت کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ویسے بھی وہ شدید نقصانات اُٹھانے اور دوسرے ملوک الطوائف کی بے حسی کے باعث مایوس ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اہلِ طلیطلہ کو ان کے حال پر چھوڑ کر بطلیوس کی راہ لی۔ عمر المتوکل کا میدان سے نکل جانا نصرانیوں کے سیلاب کی راہ میں آخری بند ٹوٹ جانے کے مترادف تھا۔

احمد بن عبدالمنعم چند ہفتوں سے رضاکاروں کی ایک فوج کے ساتھ مغربی سرحد کے ایک شہر کی حفاظت پر متعین تھا۔ اس نے مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ نصرانی حملہ آوروں کے چند دستوں کو کئی بار پسپا کیا تھا۔ آخری بار حملہ آوروں کو شہر سے چند میل دور ہٹانے کے بعد اس نے طلیطلہ میں بطلیوس کے سپہ سالار کے نام یہ پیغام بھیجا کہ آپ میری آخری کامیابی پر

Scanned by iqbalmt

مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔ میرے نصف سے زیادہ ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ اس شہر سے جو نئے رضا کار میں نے بھرتی کیے ہیں ان کی تعداد حوصلہ شکن ہے۔ شہر کے عوام دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ اس لیے اگر اس شہر کو بچانا ہو تو یہ ضروری ہے کہ آپ ایک ہفتے کے اندر اندر کم از کم چار سو سوار ضرور بھیج دیں!"

اس نے ایک خط عبدالواحد کے نام بھی لکھا اور اس پر زور دیا کہ اگر بطلیوس کا سپہ سالار سہل انگاری سے کام لے تو آپ رضا کار بھیجنے کا انتظام کریں!

سات دن تک اس کے خط کا کوئی جواب نہ آیا۔ آٹھویں روز اسے یہ حوصلہ شکن اطلاع ملی کہ بطلیوس کی فوج طلیطلہ کے ہر محاذ سے واپس جا رہی ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی اس نے مشورے کے لیے اپنے با اثر ساتھیوں اور شہر کے سرکردہ لوگوں کو جمع کیا۔ طلیطلہ کے رضا کاروں میں سے اکثر ایسے تھے۔ جو اپنے گھر جانے کے لیے بے قرار تھے۔ اہلِ شہر کے راہنما بھی مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ جب احمد سے یہ پوچھا گیا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اگر تمہاری جنگ عمر المتوکل کے لیے تھی تو میں تمہاری مایوسی کی وجہ سمجھ سکتا ہوں لیکن اگر تمہاری جنگ خدا کے لیے تھی تو میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کا سپاہی مایوس نہیں ہوا۔ تمہارے سامنے اس وقت دو راستے ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جو تمہیں غازیوں کی اور شہیدوں کی موت عطا کرتا ہے۔ دوسرا راستہ وہ ہے جس پر چل کر تمہارے مقدر میں غلامی کی زندگی اور ذلت کی موت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے اپنے لیے پہلا راستہ منتخب کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ طلیطلہ میں تمہاری قوم کے اکابر نے بھی اپنے لیے یہی راستہ منتخب کیا ہے۔ انہوں نے مجھے اس شہر کی حفاظت پر متعین کیا ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم سب چلے جاؤ اور مجھے یہاں تنہا چھوڑ دو تو بھی میں اپنی تلوار نیام میں نہیں ڈالوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ بطلیوس کے حالات نے عمر المتوکل کو طلیطلہ سے اپنی فوجیں نکالنے پر مجبور کیا ہے اور ان کی واپسی کے باعث طلیطلہ کے حریت پسندوں کے حوصلے پست نہیں ہوں گے۔ میں نے ایک خط عبدالواحد

کے نام بھی لکھا تھا۔ اس کا اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد ہمیں صحیح حالات سے خبردار کرے گا۔ سر دست ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ہر قیمت پر اس شہر کی حفاظت کریں۔"

(۸)

قسطلہ کی فوج شہر سے صرف تین کوس دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی اور اہلِ شہر کو ہر وقت حملے کا خطرہ تھا۔ طلیطلہ کے متعلق طرح طرح کی افواہیں سن کر احمد نے صحیح حالات معلوم کرنے کے لیے چار سوار روانہ کر دیے۔ ان میں سے ایک ظاہرہ کے پڑوس میں رہتا تھا اور احمد نے اسے ظاہرہ کے نام ایک خط دیا۔

ان سواروں کی روانگی سے چھ دن بعد ایک صبح احمد شہر کی فصیل پر گشت کر رہا تھا کہ اسے سواروں کا ایک دستہ شہر کا رخ کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے فوج کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا۔ جب سوار دروازے کے قریب پہنچے تو احمد نے مطمئن ہو کر پہریداروں کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور فصیل سے نیچے اتر آیا۔ یہ سوار طلیطلہ سے آئے تھے۔ سب سے آگے عبدالواحد تھا۔ احمد نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

طلیطلہ کا بوڑھا مجاہد گھوڑے سے اترا۔ ایک ثانیے کے لیے یہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ احمد اس سے کئی سوال پوچھنا چاہتا تھا لیکن عبدالواحد کے چہرے پر انتہائی مایوسی کے آثار دیکھ کر اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔

ایک اور سوار گھوڑے سے اترا اور ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس کے جسم پر زرہ چمک رہی تھی اور آنکھوں کے سوا اس کا تمام چہرہ خود کے نقاب میں چھپا ہوا تھا لیکن یہ زرہ اور خود احمد کی نگاہوں کو دھوکا نہ دے سکے اور اس کی نگاہیں ان خوبصورت ہاتھوں پر مرکوز ہو کر رہ گئیں جو تلوار اٹھانے کی بجائے پھولوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے بنائے گئے تھے۔ زرہ پوش کے پاس بستی کا وہ رضا کار کھڑا تھا جسے احمد نے چند دن قبل طلیطلہ روانہ کیا تھا۔

Scanned by iqbalmt

عبدالواحد احمد کا ہاتھ پکڑ کر اسے باقی آدمیوں سے چند قدم دور لے گیا اور بولا: "آپ کے خط کے جواب میں مجھے خود آنا پڑا۔ میں ایک بہت ہی بُری خبر لے کر آیا ہوں؟"

احمد نے کہا: "میں اس خبر کا عنوان آپ کے چہرے پر پڑھ چکا ہوں۔"

عبدالواحد نے کہا: "عمر المتوکل کی واپسی کے بعد عوام طلیطلہ کے مستقبل سے مایوس ہو گئے ہیں۔ یحییٰ کے طرفدار ان حالات سے فائدہ اُٹھا کر انھیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ دشمن کی افواج شہر کے قریب پہنچ چکی ہیں۔ اب سنجیدہ لوگوں کی اکثریت بھی یہ محسوس کر رہی ہے کہ ہم لڑائی ہار چکے ہیں اور دوسری بستیوں اور شہروں کی طرح طلیطلہ کو بھی دشمن کے ہاتھوں تباہ کروانے سے یہ بہتر ہے کہ یحییٰ کی حکومت تسلیم کر لی جائے۔ بہت سے لوگوں نے درپردہ یحییٰ کی بیعت بھی کر لی ہے۔ وہ افواہیں جن کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا تھا کئی دنوں سے ہر جگہ پھیلائی جا رہی تھیں اور ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ رضاکار اپنے مورچے خالی کر کے گھروں میں آ گئے ہیں۔ ہمارے ساتھی بلنسیہ، مرسیہ، قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یحییٰ انھیں زندہ نہیں چھوڑے گا...... میں اشبیلیہ جا رہا ہوں اور یہاں سے دو منزل کے فاصلے پر اپنے بال بچوں کو چھوڑ آیا ہوں۔ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں! تین چار دنوں تک طلیطلہ کا کوئی گوشہ آپ کے لیے محفوظ نہیں ہوگا۔ ڈوبتی ہوئی کشتی میں بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ طلیطلہ کے [illegible] رضاکار آپ کے ساتھ ہیں آپ انھیں موقع دیں کہ وہ اپنے بال بچوں کو تباہی اور بربادی سے بچا سکیں۔ اگر آپ یہاں ڈٹ جائیں تو بھی آپ چند دنوں سے زیادہ نصرانیوں کو نہیں روک سکتے۔ میں آپ کی بیوی کو ساتھ لے آیا ہوں۔ آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیے...... میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ مجھے اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز ہیں اور اندلس کو آپ کی ضرورت ہے!!"

احمد پھٹی پھٹی نگاہوں سے عبدالواحد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دروازے پر عبدالواحد کے ساتھیوں کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عبدالواحد اور اس کے ساتھی

روانہ ہو چکے تھے اور طلیطلہ کے رضاکار اپنے اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈال رہے تھے۔

احمد زرہ پوش کے قریب پہنچا اور اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے بولا۔ "طاہرہ! میں نے تمھیں آہنی نقاب میں بھی پہچان لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تمھارے شوہر کے پاس تمھارے خیر مقدم کے لیے الفاظ بھی نہ تھے۔"

طاہرہ نے خود کا نقاب اپنے چہرے سے اوپر اٹھا دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ایک رضاکار احمد کے گھوڑے پر زین ڈال کر لے آیا اور اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "لیجیے یہ آپ کا گھوڑا ہے۔ اہلِ شہر نصرانی سالار کے پاس صلح کا وفد بھیجنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں!"

احمد اور طاہرہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے ——— شہر سے باہر نکل کر طاہرہ نے مڑ کر دیکھا اور کہا: "آپ کو اب بھی اس صبح کی آمد کی امید ہے؟"

احمد نے جواب دیا: "وہ صبح ضرور آئے گی!"

"اب ہماری منزل کہاں ہے؟"

"غرناطہ!" احمد نے جواب دیا۔

تاریکی پھیلتی گئی

الفانسو نے ایک بھاری خراج کے وعدے پر یحییٰ کی مدد کی تھی اور اس نے طلیطلہ کی حکومت پر قبضہ کرتے ہی رعایا پر ایک ناقابلِ برداشت ٹیکس لگا دیا۔ اس کے باوجود وہ خراج کی رقم پوری نہ کر سکا۔ اس نے ضمانت کے طور پر اپنے چند اور قلعے الفانسو کے حوالے کر دیے، الفانسو کے مطالبات بڑھتے گئے۔ یحییٰ جس قدر روپیہ رعایا سے وصول کر کے اس کی نذر کرتا تھا۔ اسی قدر الفانسو کی ہوس بڑھتی تھی۔ یہاں تک کہ طلیطلہ کے عوام روٹی کے ٹکڑے تک کے محتاج ہو گئے۔ اور انھوں نے یحییٰ کی حکومت کے مظالم اور لوٹ مار سے عاجز آ کر بلنسیہ اور مرسیہ وغیرہ کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ آئے دن اُندلس کے مُسلمان یہ سنتے تھے کہ یحییٰ نے آج فلاں قلعہ، فلاں شہر اور فلاں علاقہ الفانسو کے حوالے کر دیا۔

چند مہینوں میں یحییٰ کی سلطنت طلیطلہ اور اس کے مضافات تک محدُود ہو کر رہ گئی لیکن مزید روپیہ حاصل کرنے کے لیے الفانسو کے تقاضوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب یحییٰ نے قسمیں کھا کر کہا کہ میں تمہارے لیے اہلِ طلیطلہ کو اس قدر لُوٹ چکا ہوں کہ اب ان کے پاس ایک کوڑی بھی نہیں رہی تو الفانسو نے طلیطلہ کے مضافات میں داخل ہو کر لوٹ مار شروع کر دی۔ دراصل الفانسو جنوب کی طرف پاؤں پھیلانے کے لیے طلیطلہ پر قابض ہونا ضروری سمجھتا تھا۔ اس نے یحییٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم طلیطلہ سے دستبردار ہو جاؤ تو میں تمہیں بلنسیہ کی حکومت پر قابض ہونے کے لیے مدد دوں گا۔ یحییٰ ویسے بھی یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک ڈوبتی ہوئی کشتی پر سوار ہے۔ چنانچہ اس نے طلیطلہ پر الفانسو کا قبضہ تسلیم کر لیا۔

۲۷ محرم ۴۷۸ھ ہجری کے دن طلیطلہ کے رہنے والے مسلمان الفانسو کو ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوتا دیکھ رہے تھے۔ کسی کو اپنے مستقبل کے مُتعلّق غلط فہمی نہ تھی، ان کے سامنے غلامی کی زندگی یا ترکِ وطن کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ طلیطلہ کا نصرانیوں کے قبضے میں چلے جانا باقی اندلس کے مسلمانوں کے لیے بھی کم پریشانی کا باعث نہ تھا۔ اب تک دریائے ٹاگس شمال کے حملہ آوروں اور جنوب کی ریاستوں کے درمیان ایک قدرتی حدِ فاصل کا کام دیتا تھا لیکن طلیطلہ چھن جانے کے بعد جنوب کے تمام علاقے الفانسو کے حملوں کی زد میں آ چکے تھے۔ تاہم ملوک الطوائف کی بے حِسی کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے اکثر نے طلیطلہ کی فتح پر الفانسو کو مبارکباد کے پیغامات بھیجے۔

یحییٰ القادر طلیطلہ چھوڑنے کے بعد الفانسو کے ایک سپہ سالار کی مدد سے بلنسیہ پر قابض ہو گیا اور اہلِ بلنسیہ کو بھی اپنے انجام کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہی۔ وہ جانتے تھے کہ یحییٰ طلیطلہ کی طرح یہاں بھی الفانسو کا راستہ صاف کرنے کے لیے آیا ہے لیکن وہ بے بس تھے۔ الفانسو کی فوج کی موجودگی میں ان کے لیے یحییٰ سے نجات حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ حریت پسندوں کے گروہ نے بغاوت کی لیکن یحییٰ نے قسطلہ اور لیون کے عیسائی سپاہیوں کی مدد سے انھیں کچل کر رکھ دیا۔ اس کے بعد بلنسیہ میں بھی طلیطلہ کی تاریخ دہرائی جانے لگی۔ یحییٰ کو الفانسو کی فوجی اعانت کے لیے ایک بڑی رقم ادا کرنا پڑتی تھی۔ وہ چند ہفتے بلنسیہ کو لُوٹ لُوٹ کر یہ رقم پوری کرتا رہا لیکن جب اہلِ بلنسیہ قلاش ہو گئے تو اس نے لوگوں کی اراضیات ضبط کر کے عیسائیوں میں تقسیم کر دیں۔ اسی طرح بلنسیہ میں الفانسو کا ہر سپاہی ایک جاگیردار بن گیا اور مُسلمان مزدُوروں، غلاموں اور کاشت کاروں کی حیثیت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

یحییٰ القادر برائے نام بلنسیہ کا حکمران تھا۔ عیسائی سپاہیوں کو لُوٹ مار اور قتل و غارت کی پُوری آزادی تھی۔ بلنسیہ کے چوراہوں میں مردوں کو قتل اور عورتوں کی بےحرمتی کی جاتی تھی جو مُسلمان بھاگ کر دُوسرے علاقوں میں پناہ لینے کی کوشش کرتے تھے انھیں گرفتار

کھ کے کتوں کے آگے ڈالا جاتا تھا۔ اہلِ قسطلہ جسے چاہتے پکڑ کر شراب کے ایک پیالے، روٹی یا گوشت کے ٹکڑے کے عوض فروخت کر دیتے تھے۔

جنوب مغرب میں الفانسو کی افواج طلیطلہ کے آس پاس جمع ہو رہی تھیں اور دریائے ٹاگس سے لے کر مالقہ تک مسلمانوں کی تمام ریاستوں کی آزادی خطرے میں پڑ چکی تھی۔ بطلیوس، اشبیلیہ، شریش، شلب، ولبہ اور مورور کے مسلمان اپنے مستقبل کے اُفق پر مایوسی اور بے بسی کی گھٹائیں دیکھ رہے تھے، دوسری طرف الفانسو کی فوج بلنسیہ میں اپنے مستقر بنا رہی تھی اور بلنسیہ سے لے کر مرسیہ، المریہ، غرناطہ اور قرطبہ تک تمام مسلمان یہ محسوس کر رہے تھے کہ الفانسو کی تلوار ان کی شاہ رگ تک پہنچ چکی ہے۔ اندلس کا ہر سنجیدہ آدمی یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ دن دُور نہیں جب کہ نصرانیوں کے سیلاب کی یہ دو لہریں مشرق اور مغرب میں مزاحمت کی ہر دیوار کو توڑتی ہوئی جبل الطارق یا مالقہ کے آس پاس ایک دوسری سے آملیں گی۔

الفانسو کے ایک سپہ سالار زمی نیز نے بلنسیہ کے جنوب کی طرف پیش قدمی کر کے حصن الیط پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے جنوب مشرقی اندلس کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا اور اس پر قابض ہوتے ہی نصرانیوں نے مرسیہ اور المریہ کے ملحقہ علاقوں میں تباہی مچا دی۔ الفانسو کی باقاعدہ فوج کے علاوہ شمال کے لٹیروں اور ڈاکوؤں کی ایک بڑی تعداد اس قلعے میں جمع ہو چکی تھی۔

الفانسو ایک فیصلہ کن اقدام سے پہلے مسلمانوں میں دہشت پھیلانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے جرائم پیشہ لوگوں کو لوٹ مار اور قتل و غارت کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔ شمال میں الفانسو کے چند دستے سرقسطہ پر حملہ کر چکے تھے۔

اب اندلس کے ملوک الطوائف کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔ الفانسو کے چہرے کا نقاب اتر چکا تھا اور اس کی دوستی پر بھروسہ کرنے والے حکمران یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ اژدہا بنتے آنکھوں سے اپنی۔ [illegible]

حصن الیط سے زمی نیز کے ایک نائب نے جنوب مغرب کی طرف پیش قدمی کی اور راستے کی بستیوں اور شہروں کو تباہ کرتا ہوا غرناطہ کے قریب قریۂ نیار تک جا پہنچا۔

شمال کے شہروں اور بستیوں سے مسلمانوں کے قافلے جنوب کے شہروں اور بستیوں کی طرف رُخ کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے تباہی کی آگ تھی اور سامنے مایوسی کا اندھیرا تھا۔ اس آگ کے شعلے اب ان نام نہاد حکمرانوں کو بھی دکھائی دے رہے تھے جو برسوں سے اس کے لیے ایندھن مہیا کر رہے تھے۔ اب عوام کی طرح وہ بھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ ہمارا انجام کیا ہوگا! اندلس کے ایک شاعر نے یہ کہا تھا۔ "اندلس کے مسلمانو! ہجرت کرو۔ اب یہاں رہنا جنون ہے"! اور اب اس کی یہ آواز لاکھوں انسانوں کی آواز بن چکی تھی۔

(۲)

طوائف الملوکی کے دور میں اندلس کے مختلف علاقوں میں جو نئے نئے قسمت آزما پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ابن رشیق بھی تھا۔ چند سال قبل ابن رشیق نے معتمد کے وزیر ابنِ عمار کو مرسیہ فتح کرنے میں مدد دی تھی۔ ابن عمار کے زوال کے بعد وہ مرسیہ میں معتمد کا نائب مقرر ہوا اور پھر جب اہلِ اشبیلیہ پر الفانسو کا عتاب نازل ہوا تو ابن رشیق نے حالات سے فائدہ اٹھایا اور مرسیہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ جب بلنسیہ اور قلعہ حصن الیط میں جمع ہونے والی عیسائی افواج مرسیہ کی سرحدوں پر لوٹ مار کرنے لگیں تو اس نے انھیں رشوتیں اور تحائف دے کر ٹالنے کی کوشش کی لیکن اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ زیادہ دیر اس مصیبت کو نہیں روک سکتا۔

مرسیہ کی طرح المریہ کی سرحدوں پر بھی نصرانیوں کی لوٹ مار شروع ہو چکی تھی۔ المریہ کا امیر معتصم ایک نیک دل اور عادل حکمران تھا اور اس کے علم اور زہد و تقویٰ کے باعث المریہ کے باشندے اس کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب عیسائیوں نے المریہ کی سرحدوں پر لوٹ مار شروع کر دی تو وہ اپنی عمر میں پہلی بار قلم چھوڑ کر تلوار اُٹھانے پر مجبور ہوا اور اپنی مٹھی بھر افواج کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ المریہ کی فوج کی قیادت ایک آزمودہ کار سپاہی کے ہاتھ میں تھی

ایک دن سرحد پر عیسائی حملہ آوروں کے ساتھ المریہ کی فوج کا سخت معرکہ ہوا۔ دوپہر کے قریب جب لڑائی ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اور عیسائی میدان میں پسپائی اختیار کر رہے تھے تو اچانک حصن اللیط سے انھیں دو سو تازہ دم سواروں کی کمک پہنچ گئی اور جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ سہ پہر کے وقت المریہ کے سپہ سالار کو ایک نصرانی سوار نے زخمی کر دیا اور فوج کے افسروں نے اُسے ایک محافظ دستے کے ساتھ میدانِ جنگ سے باہر ایک ٹیلے پر پہنچا دیا۔ زخمی سپہ سالار مایوسی کی حالت میں ٹیلے پر بیٹھا جنگ کا نقشہ دیکھ رہا تھا اس کی فوج چاروں اطراف سے مغلوب ہو رہی تھی۔ اچانک اس کے محافظوں میں سے ایک سپاہی شمال کی طرف اشارہ کرتے ہوتے چلایا۔ "دیکھیے اس طرف سے دشمن کی فوج کے عقب میں ایک پہاڑی سے سواروں کا ایک دستہ میدان کا رُخ کر رہا ہے!"

سپہ سالار اور اس کے محافظ کچھ دیر دم بخود کھڑے اس طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سپہ سالار نے اپنے ایک افسر کی طرف دیکھا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "فوج کو حکم دو کہ جنوب میں پہاڑی کی طرف سمٹ آئیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دستہ کسی بڑے لشکر کا ہراول ہو!"

افسر بھاگتا ہوا ٹیلے سے نیچے اترا اور اس کا حکم سنتے ہی المریہ کی فوج جنوب کی ایک بلند پہاڑی کی طرف پسپا ہونے لگی لیکن تھوڑی دیر میں وہ سوار جنھیں المریہ کے سپہ سالار نے عیسائی سمجھا تھا دشمن کے عقب میں پہنچ گئے اور انھوں نے مسلمانوں کے تعاقب میں حصہ لینے کی بجائے دشمن پر حملہ کر دیا۔ ان سواروں کی تعداد ایک سو سے زیادہ نہ تھی لیکن نصرانی ان کے غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ انھوں نے آن کی آن میں ڈیڑھ سو عیسائی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ کوئی بیس سوار عیسائیوں کی فوج کو قلب سے چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور المریہ کے سواروں کے ساتھ آملے۔ ایک سپاہی جو ابلق گھوڑے پر سوار تھا ان سرفروشوں کی راہنمائی کر رہا تھا۔ باقی سوار دو ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دشمن کے دائیں اور بائیں بازو پر ٹوٹ پڑے۔ المریہ کے سپاہیوں نے اسے ایک تائیدِ غیبی سمجھا اور وہ دوبارہ جم کر لڑنے لگے۔ ایک ساعت کے بعد جنگ کا

نقشہ بدل چکا تھا اور نصرانی میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ سپہ سالار جو تھوڑی دیر قبل اپنے زخموں کے باعث کراہ رہا تھا، اب جوشِ مسرّت سے نعرے لگا رہا تھا۔ ابلق گھوڑے کا سوار اور اس کے ساتھی دشمن کا پیچھا کرتے ہوتے بہت دور نکل گئے۔ جب وہ واپس آتے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ سپہ سالار انھیں دیکھتے ہی اپنے زخموں سے بے پروا ہو کر بھاگتا ہوا ٹیلے سے نیچے اترا اور اس نے ابلق گھوڑے کے سوار کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا۔ "نوجوان میں نے سُنا ہے کہ جب اللہ کے بندے کسی آزمائش میں پورا اُترنے کا عہد کر لیتے ہیں تو خُدا ان کی اعانت کے لیے آسمان سے فرشتوں کے لشکر بھیج دیتا ہے۔ آپ کون ہیں۔ آپ کہاں سے آتے ہیں؟"

نوجوان نے گھوڑے سے کُودتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم اس وقت مرسیہ سے آ رہے ہیں"

سپہ سالار نے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ خطرے کے وقت ابنِ رشیق ہمارا ساتھ دے گا۔ اہلِ غرناطہ بھی ہم سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ دشمن نے ہم سب کو سبق سکھا دیا ہے۔"

نوجوان نے کہا۔ "اہلِ غرناطہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے کہ دشمن کے حملے نے ہمارے حکمران کی آنکھیں کھول دی ہوں لیکن سرِ دست ابنِ رشیق سے آپ کوئی امید نہ رکھیں۔ ہم بلنسیہ سے اس کے پاس آتے تھے اور ہم نے دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں لیکن ابنِ رشیق ابھی تلوار اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ جب تک اس کے دل میں معتمد کی دشمنی کا اندیشہ باقی ہے وہ نصرانیوں کے خلاف کسی کے ساتھ اتحاد کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔"

سپہ سالار نے کہا۔ "تو آپ بلنسیہ کے رہنے والے ہیں؟"

"نہیں۔ میرا گھر غرناطہ میں ہے۔"

"آپ بلنسیہ کی فوج میں ملازم تھے؟"

نوجوان نے جواب دیا۔ "ہم غرناطہ کے رضا کاروں کی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے اندلس کے مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کے لیے تیار کرنے کی مہم شروع کی تھی۔ مجھے

Scanned by iqbalmt

چار آدمیوں کے ساتھ سرقسطہ بھیجا گیا تھا وہاں میں اور میرے ساتھی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ ہم نے شمالی سرحد پر لیون اور ارغون کے لٹیروں کے خلاف چند معرکوں میں حصہ لیا اور ہم نے یہ دیکھا کہ سرقسطہ کے مسلمان بہترین سپاہیانہ اوصاف کے مالک ہیں لیکن ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ فوج پر نصرانی افسروں کا غلبہ ہے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ فوج سے نصرانیوں کا اقتدار ختم کیا جائے۔ لیکن سرقسطہ کا حکمران اُن کے ہاتھ میں ایک کھلونا تھا۔ بالآخر سرقسطہ چھوڑنا پڑا۔ بلنسیہ میں ہمارے دوسرے ساتھی کام کر رہے تھے اس لیے ہم وہاں آگئے۔ وہاں ہم نے باقاعدہ فوج میں شامل ہونے کی بجائے رضا کاروں کی جماعتیں تیار کرنے کی مُہم شروع کر دی۔ انقلاب کے بعد ہم نے نصرانیوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں لیکن ایک غدار نے ہمیں اور ہمارے ساتھ بلنسیہ کے بیس حریت پسندوں کو بھی گرفتار کروا دیا۔ تین ماہ کے بعد بلنسیہ کے حریت پسندوں نے قید خانے پر حملہ کر کے ہمیں چھڑا لیا۔ اس کے بعد ہمارا خیال تھا کہ مرسیہ میں ہماری ضرورت ہوگی۔ جب ہم نے وہاں جانے کا ارادہ کیا تو بلنسیہ سے یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ مرسیہ میں ابن رشیق سے مایوس ہو کر ہم غرناطہ جا رہے تھے کہ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ہمیں اس جنگ کی اطلاع مل گئی۔"

سپہ سالار نے کہا "میں سمجھا غرناطہ سے آپ کو قاضی ابو جعفر نے بلنسیہ بھیجا ہوگا؟"

"ہاں!"

"اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

نوجوان نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "اگر آپ اسی عزم کے ساتھ نصرانیوں کا مقابلہ کرنے کا عہد کر چکے ہیں تو ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔"

سپہ سالار نے کہا "ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"میرا نام حسن ہے حسن بن عبدالمنعم۔"

سپہ سالار نے کہا "میں تمہیں اپنی فوج میں نائب سالار کا عہدہ پیش کرتا ہوں۔"

حسن نے جواب دیا "میں نے ابھی اپنے آپ کو کسی ذمہ داری کا اہل ثابت نہیں کیا۔"

"تم اپنے آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری کا اہل ثابت کر چکے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھیوں کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ نوجوان کسی دن المریہ کی فوج کے راہنما ہوں گے۔"

دو ماہ کے بعد حسن بن عبدالمنعم المریہ کی فوج کے ایک ہزار سواروں کا سالار اعلیٰ بن چکا تھا۔ سپہ سالار کی طرح معتصم بھی اس کی خُداداد صلاحیتوں کا معترف ہو چکا تھا۔

(۳)

حسن بن عبدالمنعم المریہ کی شمال مغربی سرحد کے ایک پہاڑی قلعے کی حفاظت پر متعین تھا حصن اللیط سے عیسائیوں کی فوج کے چھاپہ مار دستے رات کے وقت آس پاس کی بستیوں میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ حسن نے ان لوگوں کی روک تھام کے لیے دُور دُور تک جاسوسوں کی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔ جب سرحد کی کسی بستی کی طرف دشمن کی پیش قدمی کی اطلاع ملتی، وہ قلعے سے سواروں کا دستہ لے کر پہنچ جاتا۔ اس قلعے کے مشرق میں وادیٔ آش کے کنارے غرناطہ کی سرحدی چوکیاں تھیں اور المریہ اور غرناطہ کی سرحدوں پر پہرہ دینے والے سپاہی ایک دوسرے کو دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر کرتے رہتے تھے۔

ایک رات غرناطہ کے سالار کا ایلچی حسن کے پاس یہ پیغام لے کر آیا کہ قلعہ حصن اللیط سے ڈیڑھ ہزار عیسائی سوار غرناطہ کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ اگر صبح سے پہلے پہلے آپ اپنی فوج اُن کے عقب میں لے آئیں تو ہم اُن سے المریہ اور غرناطہ کی سرحدوں پر گزشتہ چند مہینوں کی لوٹ مار کا بدلہ لے سکیں گے۔ حسن نے فوراً اپنے سواروں کو جمع کر کے ان کے ساتھ مشورہ کیا۔ بعض افسروں نے یہ اعتراض کیا کہ سپہ سالار کی اجازت کے بغیر ہمارا غرناطہ کی سرحد میں داخل ہونا مناسب نہیں۔ جب تک غرناطہ اور المریہ کے درمیان مشترکہ دفاع کے لیے کوئی معاہدہ نہیں ہوتا

آپ کو ایسے اقدام کی ذمہ داری نہیں لینی چاہیے۔

حسن نے اس قسم کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ المریہ اور غرناطہ کے مجاہدوں کا اشتراکِ عمل اِن دو سلطنتوں کے حکمرانوں کے درمیان اتحاد کا راستہ کھول دے۔ میں یہ ذمّہ اپنے اوپر لیتا ہوں۔ اسوقت حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر محاذ پر دشمن کی پیش قدمی روکنے کیلیے آگے بڑھیں۔ آج اگر المریہ کی فوج غرناطہ کی سرحد پر دشمن کی پیشقدمی روکنے کیلیے آگے بڑھتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ کل غرناطہ کے حرّیت پسند المریہ کی سرحدوں پر پہرہ دے رہے ہوں گے۔ ہم ابھی طوفان کے ابتدائی جھونکے دیکھ رہے ہیں جب یہ پوری شدّت کے ساتھ آئے گا تو ہماری انفرادی جدوجہد تنکوں کے انبار کھڑے کرنے کے مترادف ہو گی!"

ایک نوجوان نے اُٹھ کر کہا "ہمیں صحیح راستے پر قدم اٹھاتے ہوئے تذبذب سے کام نہیں لینا چاہیے۔ لُٹیروں اور ڈاکوؤں کا یہ گروہ المریہ کی کئی بستیاں جلا کر راکھ کر چکا ہے۔ اگر ہم غرناطہ کی سرحد پر ان سے انتقام لے سکیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر ان کے نئے حملوں کا انتظار کریں۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ اور اگر سپہ سالار ہمارے اس اقدام پر برہم ہوا تو ہم سب یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنی ذمہ داری پر یہ قدم اُٹھایا تھا۔"

اگلی صبح عیسائیوں کی فوج غرناطہ کی سرحد کے ایک شہر پر یورش کر رہی تھی۔ المریہ کے آٹھ سو سواروں نے ایک پہاڑی کے عقب سے نمودار ہو کر ان پر حملہ کر دیا۔ عیسائی شہر کا خیال چھوڑ کر اُن کی طرف متوجہ ہوتے تو شہر کے محافظ بھی دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ ایک ساعت بعد عیسائی کوئی آٹھ سو لاشیں چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلے۔ المریہ اور غرناطہ کے سواروں نے وادیٔ آش تک ان کا تعاقب کیا۔ دریا کے پُل کے سامنے حسن کی فوج کے تیر انداز ایک خندق کھود کر دشمن کا انتظار کر رہے تھے۔ عیسائی تیروں کی بارش سے واپس مُڑے تو المریہ اور غرناطہ کے سواروں نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔ ایک خون ریز لڑائی کے بعد کوئی تین سو عیسائی ایک طرف سے گھیرا توڑ کر دریا میں کود پڑے لیکن حسن کے تیر اندازوں کا ایک اور دستہ دوسرے کنارے پر

ان کا منتظر تھا۔ دریا کے اونچے کنارے سے تیروں کی بارش نے بہت کم آدمیوں کو بچ نکلنے کا موقع دیا اور کوئی ڈیڑھ سو آدمیوں نے دریا میں کُودنے کا خطرہ مول لینے کی بجائے ہتھیار ڈال دیے۔

(۴)

لڑائی سے فارغ ہوتے ہی غرناطہ کے سواروں میں سے ایک زرہ پوش اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا حسن کے قریب پہنچا۔ حسن اپنے ساتھیوں کو قیدیوں اور زخمیوں کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ غرناطہ کے سوار کو دیکھتے ہی اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ یہ احمد بن عبدالمنعم تھا۔ ایک ثانیے کے لیے دونوں بھائی حیرت و استعجاب کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اپنے اپنے گھوڑوں سے کود کر ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں غرناطہ کے کئی اور سوار حسن کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ ان میں سے اکثر احمد اور حسن کے ہم مکتب تھے۔

احمد نے کہا "حسن! المریہ غرناطہ سے دُور نہ تھا۔ تمہیں اپنے متعلق اطلاع ضرور دینی چاہیے تھی! تمہارے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو گھر کا خیال نہ آیا؟"

حسن نے جواب دیا "بھائی جان! ہمیں المریہ آئے ہوئے صرف تین مہینے ہوتے ہیں اور اس عرصے میں ان لُٹیروں کی سرگرمیوں نے ہمیں اپنے گھروں کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اب شاید اس فتح کے بعد یہ لوگ چند دن پُرامن رہیں اور ہمیں غرناطہ جانے کا موقع مل جائے۔"

احمد نے پوچھا "المریہ پہنچنے سے پہلے تم کہاں تھے؟ سرقسطہ سے تمہاری کوئی اطلاع نہ ملنے پر ہم سب پریشان تھے۔ میں خود وہاں گیا تھا لیکن تمہارے متعلق معلُوم ہوا کہ تم مدّت سے سرقسطہ کی ملازمت چھوڑ کر کہیں جا چکے ہو۔"

حسن نے جواب میں مختصراً اپنی سرگزشت سُنا دی اور پھر اپنے بھائی سے گھر کی خیریت پوچھی۔

احمد نے کہا "گھر میں خیریت ہے۔ امّی جان، خالہ اور بہن میمونہ تمہارے متعلق بے حد

پریشان تھیں۔ ادریس اور چچا الماس خوش ہیں۔ ہمارے خاندان میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو چکا ہے۔"

حسن حیران سا ہو کر اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگا۔ احمد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"میری شادی ہو چکی ہے۔"

"کہاں؟"

"طلیطلہ میں۔"

حسن نے کہا "آج میں کتنی مبارک خبریں سُن رہا ہوں۔ بھائی جان ابھی تک واپس نہیں آئے؟"

احمد نے جواب دیا "وہ جس روشنی کی تلاش میں نکلے تھے اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں دو ماہ قبل صرف تین دن کے لیے گھر آئے تھے۔"

حسن نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے کے بعد کہا "بھائی جان! میں آپ کے ساتھ تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

حسن اور احمد باقی آدمیوں سے چند قدم دور جا کر ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

حسن نے کہا "میں نے دوسروں کے سامنے یہ سوال پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیا بھائی جان کوئی حوصلہ افزا خبر لائے تھے؟"

"بہت اُمید افزا!"

"مجھے بتائیے!"

"بھائی جان قاضی ابوجعفر کے پاس یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ امیر یوسف بن تاشفین جنوب کی طرف الفانسو کی پیش قدمی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اندلس کے علماء اور حکمران مُتفق ہو کر انھیں اُندلس میں نصرانیوں کے خلاف لڑنے کی دعوت دیں تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ بھائی جان افریقہ کے اُن چیدہ چیدہ علما کو جن کا امیر یوسف پر اثر ہے، اپنا ہم خیال

بنا چکے ہیں۔ وہ بربری قبائل کے شیوخ کو بھی اندلس کی اعانت پر آمادہ کر چکے ہیں۔ امیر یوسف اب افریقہ کی اندرونی جنگوں سے فارغ ہو چکے ہیں اور ان سے اعانت طلب کرنے کے لیے یہ موزوں ترین وقت ہے۔ قاضی ابوجعفر نے بھائی جان سے ملاقات کرتے ہی اندلس کے علماء کو قرطبہ میں جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ علماء کے اس اجلاس میں چند حکمرانوں کے نمائندے بھی شریک ہوتے تھے۔"

حسن نے کہا "میں مرسیہ میں اجلاس کے متعلق سُن چکا ہوں لیکن اس کی کارروائی کے متعلق کوئی پتہ نہیں چلا۔"

احمد نے کہا "میں اجلاس میں شریک تھا۔ اس کی کارروائی عمداً خفیہ رکھی گئی ہے لیکن اب چند دنوں تک یہ راز کھل جائے گا۔ علماء نے یہ تجویز منظور کی تھی کہ ان کا ایک وفد پھر ملوک الطوائف کے پاس جائے اور انھیں امیر یوسف کی قیادت میں الفانسو کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی دعوت دے۔ قاضی ابوجعفر کی قیادت میں علماء کا وفد سب سے پہلے معتمد کے پاس پہنچا۔ معتمد اشبیلیہ پر الفانسو کے حملے کے بعد کافی عبرت حاصل کر چکا تھا۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ قاضی ابوجعفر کو اشبیلیہ میں پاؤں رکھنے کی اجازت نہ تھی اور اب یہ حالت تھی کہ معتمد قاضی ابوجعفر کے استقبال کے لیے شہر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بعض علماء کا خیال تھا کہ وہ امیر یوسف کے تعاون کا خیر مقدم کرے گا لیکن اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو گا لیکن الفانسو کی تلوار اپنی شاہ رگ کے قریب دیکھ کر اس کی ذہنیت بدل چکی ہے۔ چنانچہ علماء کے وفد سے ملاقات کے فوراً بعد اس نے تمام حکمرانوں کی طرف اپنے قاصد دوڑا دیئے ہیں۔ اسی مہینے اندلس کے امراء یا اُن کے نمائندے اشبیلیہ میں جمع ہوں گے اور مجھے یقین ہے وہ لوگ جو اسلام کے نام پر کبھی جمع نہیں ہوئے کم از کم اپنی جانیں بچانے کے لیے متحد ہو جائیں گے۔ الفانسو کی افواج طلیطلہ سے پیش قدمی کرنے میں تاخیر نہیں کریں گی۔ النوار، ارغون اور لیون کے عیسائی امراء کے علاوہ فرانس اور اطالیہ سے بھی ہزاروں سوار اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں۔"

حسن کا دل مسرت سے لبریز تھا۔ اس نے کہا" بھائی جان آپ اتنا کچھ جانتے ہیں اور مجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ آپ مجھ سے اتنا قریب ہیں۔ میرے جاسوس ان چوکیوں کے سالار کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ میں آپ کی بجائے غرناطہ کی فوج کے کسی عمر رسیدہ افسر کو دیکھوں گا۔"

احمد نے جواب دیا" میں سالارِ اعلیٰ کا نائب ہوں اور جب تم ہمارے سالارِ اعلیٰ کو دیکھو گے تو تمہیں اس فتح سے زیادہ خوشی حاصل ہوگی۔"

حسن نے پوچھا" وہ کہاں ہیں؟"

"وہ اسی شہر میں ہیں۔"

"اب مجھے واپس جانا چاہیے میں اپنی ذمہ داری پر المریہ کے سپاہیوں کو اس محاذ پر لے آیا تھا ممکن ہے کہ امیر معتصم مجھ پر خفا ہوں۔ میں چند دنوں تک المریہ سے واپس آکر تمہارے سالارِ اعلیٰ سے ملوں گا۔"

احمد نے کہا" نہیں تم جانے سے پہلے ہمارے سالارِ اعلیٰ سے مل لو! ممکن ہے کہ وہ عنقریب اشبیلیہ چلے جائیں۔"

"اشبیلیہ! وہ کس لیے؟"

احمد نے کہا" میں نے تمہیں بتایا ہے کہ اشبیلیہ میں علماء اور حکمران جمع ہو رہے ہیں۔"

حسن نے کہا" بہت اچھا! میں اپنی فوج کو روانہ کرکے آپ کے ساتھ چلتا ہوں لیکن مجھے آج ہی واپس قلعے میں پہنچنا ہے۔"

"تم شام سے پہلے واپس پہنچ جاؤ گے۔ میں تمہیں شہر سے تازہ دم گھوڑے دوں گا۔"

حسن نے کہا" پھر میں ان کے پاس ضرور جاؤں گا لیکن آپ کے سالار ہیں کون؟"

احمد نے جواب دیا" ابھی میں یہ نہیں بتاؤں گا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم انہیں دیکھتے ہی پہچان لیتے ہو یا نہیں؟"

"غرناطہ کی فوج کا کوئی افسر ایسا نہیں جسے میں نہیں جانتا۔"

"وہ غرناطہ کی فوج کے عہدہ دار نہیں۔ ہماری طرح رضا کار ہیں۔ نصرانیوں کی گزشتہ پیشقدمی کے دوران میں غرناطہ کی باقاعدہ فوج کے دستے پسپا ہوکر قریہ نبار تک ہٹ آئے تھے تو انھوں نے رضاکاروں کی فوج کے ساتھ اس علاقے کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔"

(۵)

تھوڑی دیر بعد حسن اپنے ساتھیوں کو ضروری ہدایات دینے کے بعد احمد اور اس کے ساتھیوں کے ہمراہ غرناطہ کے سرحدی شہر کا رُخ کر رہا تھا۔

شہر کے لوگوں نے مسرت کے نعروں کے ساتھ واپس آنے والے مجاہدوں کا استقبال کیا۔ احمد حسن کے ساتھ ایک مکان کے دروازے پر پہنچ کر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور بولا" حسن! ہمارے سالارِ اعلیٰ یہاں رہتے ہیں۔ اب تم ایک بہت بڑی شخصیت کے سامنے پیش ہونے والے ہو"

حسن بھی اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا۔ دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر ان کے گھوڑوں کی باگیں تھام لیں اور وہ اندر داخل ہوئے۔ مکان کے برآمدے میں ایک نوجوان کھڑا تھا جس کے سر اور بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ حسن نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور احمد کی طرف متوجہ ہوکر کہا" واہ بھائی جان! آپ کا خیال تھا کہ میں الیاس کو بھی نہیں پہچان سکوں گا" پھر وہ آگے بڑھ کر الیاس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے بولا" بھائی جان کہتے تھے کہ میں ان کے سالارِ اعلیٰ کو نہیں پہچان سکوں گا اور میں سارا راستہ پریشان رہا!"

احمد کے ہاتھ کا اشارہ پاکر الیاس نے مسکراتے ہوئے کہا" سالارِ اعلیٰ کو یقیناً تم نہیں پہچان سکو گے!"

حسن اور الیاس کو آپس میں باتیں کرتا ہوا چھوڑ کر احمد ایک کمرے کے اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی دروازے سے باہر نکلا اور حسن اُسے دیکھتے ہی چونک اٹھا۔ "بھائی ادریس ــــ!"

ادریس آگے بڑھ کر اس کے ساتھ بغل گیر ہونے کے بعد بولا" حسن پہلے تم سالارِ اعلیٰ

سے مل لو۔ پھر باتیں کریں گے"

حسن نے کہا "بھائی جان نے مجھے راستے میں یہ بھی نہیں بتایا کہ آپ یہاں ہیں۔"

"میں یہاں سے کچھ دُور ایک اور چوکی پر متعین تھا۔ میں ابھی یہاں پہنچا تھا۔ آؤ!"

حسن ادریس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ عمر رسیدہ سالار کمرے میں ایک میز کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میز پر نقشے اور کاغذات پڑے ہوتے تھے۔ احمد سالارِ اعلیٰ کے بائیں ہاتھ بیٹھا ہُوا تھا۔ اس نے حسن کا تعارف کرواتے ہوئے کہا "المریہ کی سرحدی چوکی کے محافظ یہ ہیں؟" بوڑھے سالار کی نگاہیں حسن کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ حسن نے آگے بڑھ کر السّلام علیکم کہا اور بوڑھے سالار نے اُٹھ کر وعلیکم السّلام کہہ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ حسن نے اس کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں نے غرناطہ میں آپ کو کبھی نہیں دیکھا؟"

بوڑھے سالار نے مغموم آواز میں جواب دیا "نہیں میں وہاں نہیں تھا"

"شاید میں نے آپ کو کہیں اور دیکھا ہو؟"

بوڑھے سالار نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ حسن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کھڑا غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حسن نے احمد کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ وہ بولا "تم نے انھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا حسن؟"

حسن کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ کھوئی کھوئی نظروں سے عمر رسیدہ آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بوڑھے سالار نے احمد اور ادریس کی طرف دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا "یہ اس وقت بہت چھوٹا تھا ـــــ مجھے یاد ہے اس دن جب کہ میں رُخصت ہو رہا تھا۔ اس نے میری ٹانگوں سے لپٹ کر کہہ رہا تھا "ابا جان مجھے ساتھ لے چلو! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جنگ ختم ہوگی تو آپ مجھے سیر کے لیے اپنے ساتھ لے جایا کریں گے۔"

یہ الفاظ ایک نشتر کی طرح حسن کے دل میں اتر گئے۔ ماضی کے خواب و خیال کی دنیا پھر ایک

حقیقت بن کر اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور وہ بے اختیار بوڑھے کے ساتھ لپٹ گیا ـــــ

"ابا جان! ابا جان!" اس نے اپنی سِسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اور آپ نے کہا تھا کہ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی ـــــ"

(۶)

معتمد کے محل کے ایک وسیع کمرے میں ملوک الطوائف کا اجلاس ہو رہا تھا ـــــ ان کی اکثریت اس تجویز کے حق میں رائے دے چکی تھی کہ الفانسو کے خلاف امیر یوسف بن تاشفین سے اعانت کی درخواست کی جائے، لیکن چند اُمراء ایسے بھی تھے جو دبی زبان سے اس تجویز کی مخالفت کر چکے تھے۔ شہزادہ رشید اس اجلاس سے پہلے ہی اپنے باپ کو یہ بتا چکا تھا کہ مرابطین غیر مہذب اور وحشی ہیں۔ انھیں اُندلس میں آنے کی دعوت دینا ہمارے لیے خطرناک ہوگا۔ اندلس کے علما نے عوام کو ہمارا دُشمن بنا دیا ہے۔ جب یوسف بن تاشفین آئے گا تو اس کا ہر کام ان علماء کی رائے سے ہوگا اور علماء کا پہلا مطالبہ یہ ہوگا کہ اندلس کے حکمران خاندانوں کے حقوق چھین لیے جائیں۔ عوام اس مطالبے کی تائید کریں گے اور امیر یوسف کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اندلس کے سیاہ و سفید پر قابض ہو جائے گا۔ پھر ان علما کے لیے جو پہلے ہی کفر والحاد کے فتوے دے چکے ہیں۔ عدل و انصاف کی کُرسیاں ہوں گی اور ہمارے لیے مجرموں کا کٹہرا ہوگا۔ اس خطرے میں پڑنے کی بجائے ہمیں ہر قیمت پر الفانسو کے ساتھ صُلح کر لینی چاہیے۔ ملکہ رمیکہ کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ مرابطین کی مدد سے اُندلس میں ایسے لوگ برسرِ اقتدار آجائیں جو ان کی عیاشیوں کے خلاف فتوے دینے سے باز نہیں آتے لیکن معتمد پر ان کی نصیحتیں بے اثر ثابت ہوئیں۔

ملوک الطوائف کے اجلاس میں مالقہ کے حاکم عبداللہ ابنِ سافظ نے نہایت شدومد کے ساتھ اس تجویز کی مخالفت کی۔ اس نے کہا "آپ حضرات مرابطین کو اسلام کے نام پر مدد کے لیے بلا رہے ہیں لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہیے، مرابطین اندلس کے علماء اور عوام کی تائید

کے ساتھ جس نظامِ حکومت کا مطالبہ کریں گے اس میں آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ مرابطین تہذیب و تمدن سے ناآشنا ہیں اور ان کا اسلام ایک ایسا طوفان ثابت ہوگا جو اندلس میں ہماری تہذیب و تمدن کے ہر نشان کو مٹا دے گا۔ یہ علماء جو ہمارے شعر و ادب اور فنونِ لطیفہ کا مذاق اُڑاتے ہیں، ہم پر مسلط کر دیے جائیں گے۔ مرمریں محلوں اور جھونپڑیوں میں رہنے والے ایک ہی ڈنڈے سے ہانکے جائیں گے۔ الفانسو ہمارے لیے اس وقت خطرناک تھا جب ہمارا آپس میں اتحاد نہیں تھا۔ اب اگر ہم ایک محاذ بنا لیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ حملہ کرنے کا خیال ترک کر دے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہمیں خراج دینا پڑے گا لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم مرابطین کا خطرہ مول لینے کی بجائے الفانسو کو خراج دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کریں"

اس پر عمر المتوکل نے اُٹھ کر کہا: "آپ ان خیالات کا اظہار اس لیے کر رہے ہیں کہ المریہ الفانسو کے حملوں کی زد سے ابھی دور ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پاس اگر ساری دنیا کے خزانے ہوں تو بھی ہم زیادہ دیر الفانسو کو خوش نہیں رکھ سکتے۔ اُسے طلیطلہ کے حکمران سے زیادہ کسی نے خراج نہیں دیا لیکن طلیطلہ کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے باقی رفقاء کو طلیطلہ کا انجام دیکھنے کے بعد ہوش آیا ہے اور آپ شاید ہوش میں آنے سے پہلے بطلیوس، اشبیلیہ، مرسیہ، المریہ اور قرطبہ کا انجام دیکھ لینا چاہتے ہیں"

ایک طویل بحث کے بعد معتمد نے اُٹھ کر کہا: "آپ میں سے بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مرابطین ہمارے ہاتھ سے اقتدار چھین لیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ کا یہ خیال صحیح ہو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یوسف بن تاشفین مجھے اپنا قیدی بنا کر افریقہ بھیج دے تو بھی میں قسطلہ کے عیسائیوں کے سُؤر چرانے کی بجائے اس کے اُونٹ ہانکنا بہتر سمجھوں گا۔ ہم یوسف بن تاشفین سے اس وقت مدد مانگ رہے ہیں جب کہ ہمارے لیے نجات کا کوئی اور راستہ نہیں۔ کیا آپ یہ گوارا کریں گے کہ الفانسو سارے اندلس پر قابض ہو جائے اور آنے والی نسلیں، ہمیں اپنی تباہی اور بربادی کا ذمہ دار گردانیں اور عالمِ اسلام کی ہر مسجد کے منبر سے ہم پر لعنت بھیجی

جائے۔ آپ میں سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مرابطین کے آنے سے ہماری تہذیب خطرے میں پڑ جائے گی۔ ہمارے فنونِ لطیفہ مٹا دیے جائیں گے لیکن بدقسمتی سے وہ تہذیب اور وہ فنونِ لطیفہ جن پر ہمیں ناز ہے، الفانسو کے آگے دیواریں نہیں کھڑی کر سکتے۔ اس کا راستہ صرف ان لوگوں کی تلواریں روک سکتی ہیں جنہیں تم وحشی اور جاہل کہتے ہو۔ میں امیر یوسف بن تاشفین کے محاسن بیان نہیں کرتا۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ ہمارا آخری سہارا ہے۔ وہ ہمارے تاریک اُفق پر اُمید کی آخری روشنی ہے۔ اپنے متعلق میں اتنا جانتا ہوں کہ میں الفانسو کو خوش رکھنے کے لیے اپنا سارا خزانہ لُٹا چکا ہوں۔ اب اس کی افواج اشبیلیہ کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں اور میں بیرونی اعانت کے بغیر اشبیلیہ اور قرطبہ کو تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ آپ میں سے اگر کوئی ایسا ہے جسے اپنی طاقت پر بھروسہ ہے تو میں اسے مجبور نہیں کرتا کہ وہ میرا ساتھ دے لیکن ان حضرات سے جنہیں حالات نے میری طرح سوچنے پر مجبور کر دیا ہے میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ بحث میں وقت ضائع نہ کریں۔ ہم ایک آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑے ہیں اور یہ پہاڑ کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے"

کچھ دیر اور بحث کرنے کے بعد حاضرینِ مجلس نے یہ تجویز منظور کی کہ "امیر یوسف بن تاشفین کو اندلس آنے کی دعوت دینے سے پہلے یہ عہد لیا جائے کہ وہ اندلس کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے گا" بالآخر عمر المتوکل نے امیر یوسف بن تاشفین کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا اور ملوک الطوائف نے یکے بعد دیگرے اس پر دستخط کر دیے۔ قاضی ابو جعفر اس سے پہلے ہی ایک درخواست پر اندلس کے چیدہ چیدہ علماء کے دستخط کروا چکا تھا۔

اگلے دن اندلس کے ملوک الطوائف اور علماء کے نمائندوں کا ایک مشترکہ وفد مراکش کی طرف روانہ ہوا۔

فریاد

اُندلس کے علماء اور حکمرانوں کے نمائندے افریقہ میں اس درویش حکمران کا دربار دیکھ رہے تھے جسے قُدرت نے ان کی نجات کے لیے منتخب کیا تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین ایک کشادہ کمرے میں کھجور کی چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حریر و اطلس کی بجائے اون کے کھُردے کپڑے کی قبا پہن رکھی تھی لیکن اس کے باوجود وہ رعب و جلال اور سطوت کا ایک پیکر مجسم نظر آتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں بیک وقت ایک شیر کی جسارت اور ایک بچے کی معصومیت تھی۔ اس کے دائیں بائیں مراکش کے فقہا اور فوج کے بڑے بڑے عہدیدار رونق افروز تھے۔

اُندلس کے ایک عالم نے مصافحہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی کوشش کی تو اس نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کیجیے کہ میں عام انسانوں سے مختلف ہوں!"

قاضی ابو جعفر نے اندلس کے مسلمانوں کی بے بسی کی داستان سُنانے اور الفانسو کے مظالم بیان کرنے کے بعد کہا۔ "اے امیر! اب ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ اس قوم کی آخری امید ہیں جسے چاروں اطراف سے تباہی اور بربادی کے طوفان نے گھیر رکھا ہے۔ آج اندلس کی زمین ہمارے لیے تنگ ہو چکی ہے۔ طلیطلہ اور بلنسیہ میں ہماری سطوت کے پرچم سرنگوں ہو چکے ہیں۔ نصرانیوں کی افواج اشبیلیہ، بطلیوس، قرطبہ، المریہ، مرسیہ اور غرناطہ کے دروازوں پر دستک دے رہی ہیں۔ ہم آپ کے پاس اندلس کی ان سینکڑوں بیٹیوں کی فریاد [illegible] اور [illegible] کے بازاروں میں فروخت

کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ نہیں چاہتے کہ اندلس کے ہر شہر میں طلیطلہ اور بلنسیہ کی داستان دہرائی جائے ــــــ اگر آپ یہ نہیں چاہتے کہ اندلس کی مساجد میں اللہ اکبر کی آوازیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائیں تو آپ کو ہماری اعانت کے لیے میدان میں آنا پڑے گا۔ اس وقت اندلس کا ہر انسان آپ کی راہ دیکھ رہا ہے!"

قاضی ابو جعفر کی تائید میں دوسرے علماء کی تقریریں سننے کے بعد امیر یوسف کچھ دیر سر جھکا کر سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "میرے متعلق آپ حضرات کو یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ میں ایک تماشائی کی حیثیت میں اندلس کی تباہی اور بربادی نہیں دیکھ سکوں گا لیکن پیشتر اس کے کہ میں کوئی فیصلہ کروں۔ میں اندلس کے حکمرانوں کی رائے معلوم کر لینا ضروری سمجھتا ہوں"

اس کے جواب میں وزیر ابن زیدون اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر ملوک الطوائف کا مراسلہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "حالات نے اندلس کے مسلمانوں کو سبق دیا ہے اور یہ انکی درخواست ہے!"

اس مراسلے کی فصیح و بلیغ زبان یوسف بن تاشفین کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس نے چند لمحے غور و فکر کرنے کے بعد مراکش کے ایک عالم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میں کچھ نہیں سمجھا۔ اندلس کے حکمران آگ کے انگاروں پر لیٹ کر بھی شاعری کرتے ہیں۔ آپ مجھے اس کا مطلب سمجھائیں"

مراکش کے عالم نے بربری زبان میں اس کا ترجمہ سنا دیا۔ ملوک الطوائف نے مرابطین کے امیر کو اپنی پریشانیوں کا حال سنانے کے بعد یہ درخواست کی تھی کہ آپ ایک بھائی کی حیثیت میں ہماری مدد کو آئیں تو ہم آپ کی قیادت میں نصرانیوں کے ساتھ جنگ کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھیں گے لیکن اس شرط پر کہ آپ اندلس کے کسی حصے کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش نہیں کریں گے اور نصرانیوں کا خطرہ دور ہو جانے کے بعد آپ اپنی افواج اندلس سے نکال لیں گے۔

کچھ دیر افریقہ کے علماء اس شرط پر بحث کرتے رہے بالآخر یوسف بن تاشفین نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "مجھے یہ شرط منظور ہے۔ اس ملک کی حکومت کا جو بوجھ مجھ پر لاد دیا

Scanned by iqbalmt

گیا ہے یہی میرے لیے کافی ہے۔ میں دوسروں کے حصّے کا بوجھ اپنی گردن پر نہیں لادنا چاہتا۔ اگر اُندلس کے حکمران متحد ہو کر کسی ایک کو اپنا راہنما بنا لیتے تو مجھے اس کے جھنڈے تلے نصرانیوں کے ساتھ جنگ کرنے پر بھی اعتراض نہ ہوتا۔ اگر فرانس اور اطالیہ کے عیسائی اندلس کے مسلمانوں کو مٹانے کے لیے الفانسو کے جھنڈے تلے جمع ہو سکتے ہیں تو ایک گمنام رضاکار کی حیثیت میں میں بھی اپنے بھائیوں کا ساتھ دینے سے دریغ نہیں کروں گا۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میری فوج کے لیے سمندر عبور کرنے کے بعد اندلس کی کونسی بندرگاہ پر اترنا موزوں ہوگا؟"

ابنِ زیدون نے جواب دیا "اندلس کے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ جبل الطارق کی بندرگاہ پر آپ کا استقبال کریں!"

"اور اگر میں کسی اور بندرگاہ پر اترنا زیادہ مفید سمجھوں تو؟"

ابنِ زیدون نے جواب دیا "ہمیں صرف جبل الطارق کی بندرگاہ آپ کے حوالے کرنے کا اختیار دیا گیا ہے ـــــ"

امیر یوسف نے کہا "میں انشاء اللہ کل آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔ اب آپ آرام کریں!"

اگلے دن جب ارکانِ وفد نے امیر یوسف کے ساتھ دوبارہ ملاقات کی تو اس نے انھیں بتایا کہ ہم بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر جزیرۃ الخضراء کی بندرگاہ کو جبل الطارق کی نسبت زیادہ موزوں سمجھتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جنگ کے اختتام تک ساحل کے ساتھ ساتھ چند میل کا علاقہ ہمارے تصرّف میں دے دیا جائے۔"

جزیرۃ الخضرا کا نام سُن کر ابن زیدون بہت پریشان ہوا۔ یہ علاقہ معتمد کی سلطنت کا ایک اہم حصّہ تھا اور معتمد نے ابنِ زیدون کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ اگر امیر المرابطین جزیرۃ الخضرا کی بندرگاہ کا مطالبہ کرے تو ہر ممکن حیلے سے اُسے ٹالنے کی کوشش کرو لیکن قاضی ابوجعفر نے ابنِ زیدون کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ لگاتے ہوئے فوراً مداخلت کی اور کہا

"ابنِ زیدون کو سلطان معتمد کی طرف سے بات کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اگر آپ فوجی نقطۂ نگاہ سے اس بندرگاہ کو زیادہ موزوں سمجھتے ہیں تو یہ آج ہی جزیرۃ الخضراء کے گورنر کو آپ کے استقبال کی تیاری کرنے کا حکم بھیج دیں گے!"

ابنِ زیدون نے بدحواس ہو کر کہا "نہیں مجھے اس بات کی اجازت نہیں۔"

امیر یوسف نے قدرے برہم ہو کر کہا "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معتمد ہمیں کسی وقت بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم دشمن کے ساتھ فلاں میدان کی بجائے فلاں میدان میں لڑائی کرو!"

وفد میں قاضی ابوجعفر اور ان کے ہم خیال اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ بنا بنایا کھیل بگڑ رہا ہے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے بعد ان کی نگاہیں قاضی ابوجعفر پر مرکوز ہوگئیں اور انھوں نے امیر یوسف کی حمایت کرتے کرتے ہوئے ابنِ زیدون کی طرف متوجہ ہو کر کہا "ہو سکتا ہے کہ امیر معتمد اپنے خیال کے مطابق ان کے لیے جبل الطارق کی بندرگاہ زیادہ موزوں سمجھتے ہوں لیکن امیر یوسف اپنی افواج اتارنے کے لیے جزیرۃ الخضراء کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں تو آپ کو خوشی سے ان کا مطالبہ مان لینا چاہیے۔ آپ ہمارے ساتھ اس بات کا ثبوت دینے آئے ہیں کہ اندلس کے باقی حکمرانوں کی طرح امیر معتمد بھی الفانسو کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے امیر یوسف کی قیادت تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں اس مجلس میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جنگ کے لیے امیر مرابطین کے ساتھ اندلس کے ہر مسلمان کا تعاون غیر مشروط ہوگا۔ معتمد اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی گردن پر الفانسو کی تلوار لٹک رہی ہے۔ اگر اس کے سامنے نجات کا کوئی اور راستہ ہوتا تو وہ اہلِ افریقہ سے اعانت کی درخواست نہ کرتا اور اب جب کہ وہ یہ درخواست کر چکا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے یہ محسن وہاں شعر کہنے کے لیے نہیں جنگ کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور معتمد کو ان کا یہ حق تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ نہ صرف جزیرۃ الخضرا بلکہ اندلس کی ہر بندرگاہ اور ہر شہر کو اپنے تصرّف میں لا سکتے ہیں۔ معتمد کے نمائندے کی حیثیت میں آپ کی تسلی کے لیے امیر یوسف کا یہ وعدہ کافی ہے کہ وہ اندلس پر تسلط جمانے کا

ارادہ نہیں رکھتے۔ نصرانیوں کا خطرہ دور ہو جانے کے بعد وہ اندلس سے اپنی افواج نکال لیں گے۔ آپ اس محفل میں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں کہ اندلس کے حکمران امیر یوسف کی اعانت کے طلبگار تو ہیں لیکن ان پر اعتبار نہیں کرتے۔"

ابن زیدون نے کہا: "میں امیر یوسف کی نیت پر شک کرنا گناہ سمجھتا ہوں لیکن میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں یہاں امیر معتمد کا ایلچی بن کر آیا ہوں اور مجھے انھوں نے جزیرۃ الخضرا کی بندرگاہ کے متعلق بات کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔"

امیر یوسف بن تاشفین نے کہا: "میں اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتا۔ قاضی ابوجعفر اندلس کی تمام بندرگاہیں میرے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن انھیں شاید اندلس کی کسی مسجد میں بھی آزادی کے ساتھ خطبہ دینے کی اجازت نہ ہو ــــ امیر معتمد اس وقت اندلس کے تمام حکمرانوں کا راہنما ہے لیکن اس نے مجھے ایسی بندرگاہ میں اُترنے کی دعوت دی ہے جسے میں غیر موزوں سمجھتا ہوں۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا جب کہ قاضی ابوجعفر جیسے لوگ اندلس کے حکمرانوں کی طرف سے میرے ساتھ بات کرنے کے لیے پورے اختیارات لے کر آئیں گے۔ میں اندلس کے علمائے کرام کا احترام کرتا ہوں لیکن ملوک الطوائف کے معاون کی حیثیت میں اندلس کی زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا؟"

امیر یوسف بن تاشفین مجلس برخاست کرکے اٹھا اور ارکان وفد کو مایوس اور پریشان چھوڑ کر اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیا ــــ قاضی ابوجعفر کے ساتھیوں کی خاموش نگاہیں اس سے یہ سوال پوچھ رہی تھیں کہ اب کیا ہوگا؟ وہ ایک ثانیہ توقف کے بعد تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا یوسف بن تاشفین کے پیچھے چل دیا۔

"یا امیر!" اس نے قریب پہنچتے ہوئے آواز دی۔ امیر یوسف قاضی ابوجعفر کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا: "میں صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اندلس کے حکمران مرتد ہو کر نصرانیوں کی غلامی قبول کرلیں تو کیا آپ اندلس کے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ

دیں گے؟ کیا آپ کے لیے ان لاکھوں مسلمانوں کی آواز کوئی معنی نہیں رکھتی جو اسلام کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں؟"

امیر یوسف نے جواب دیا: "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ خدا سے دُعا کریں کہ وہ مجھے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے ــــ میرے تذبذب کی وجہ یہ نہیں کہ میں الفانسو کے ساتھ ٹکر لینے سے گھبراتا ہوں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ابھی تک یہ یقین نہیں ہوا کہ اندلس کے حکمران میرا ساتھ دیں گے۔ اگر وہ دشمن کی صف میں کھڑے ہو جائیں تو میرے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ میں کہاں تک اندلس کی مدد کرسکتا ہوں لیکن مجھے ایسے لوگوں کی رفاقت منظور نہیں جو ایک کافر سے ڈرتے ہیں ــــ اور ایک مسلمان پر اعتبار نہیں کرتے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے تنہا یہ جنگ لڑنی پڑے گی اور اس کا فیصلہ میں مجلسِ شوریٰ اور فوج کے اعلیٰ افسروں کا مشورہ لیے بغیر نہیں کرسکتا۔ امیر البحر سیر بن ابوبکر اور فوج کے چند عہدیدار اس وقت یہاں موجود نہیں۔ وہ آج یا کل یہاں پہنچ جائیں گے۔ ان میں سے ایک نوجوان کو آپ جانتے ہیں۔ میں سعد بن عبدالمنعم کو یہاں بھیجنے کے لیے آپ کا شکرگزار ہوں۔ مجھے اس کے خلوص اور ذہانت پر اعتماد ہے۔ اگر اس نے یہ مشورہ دیا کہ ہمارے لیے جبل الطارق کی بندرگاہ موزوں رہے گی تو میں خواہ مخواہ معتمد کو پریشان نہیں کروں گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کو مجلسِ شوریٰ میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے گا لیکن ملوک الطوائف کے نمائندوں کو یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، وہ واپس جاسکتے ہیں۔"

(۲)

رات کے وقت نماز کے بعد اندلس کے علماء اور ملوک الطوائف کے نمائندے مہمان خانے کے علیحدہ علیحدہ کمروں میں بیٹھ کر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ ایک کمرے میں ابنِ زیدون اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ "مرابطین کا امیر ہمارے لیے ایک معمہ ہے۔ میں حیران ہوں کہ ہم واپس جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔"

اس کے ایک ساتھی نے کہا: "اندلس کے سنجیدہ لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو جاتے کہ یہ لوگ اس قدر غیر مہذب ہیں تو وہ شاید نصرانیوں کی غلامی کو ترجیح دیں۔ والیٔ مالقہ کا خیال درست ثابت ہوا۔ اگر ان لوگوں کی مدد سے نجات حاصل کر بھی لی تو ہمیں ان وحشیوں کی غلامی قبول کرنی پڑے گی اور جب یہ اندلس میں افریقہ کا قانون رائج کریں گے تو خدا معلوم ہمارا کیا حشر ہوگا۔ یہ ہماری صدیوں کی تہذیب و تمدن کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ اشبیلیہ اور قرطبہ کے مرمریں ایوانوں میں یہ اپنے گھوڑے باندھیں گے، ہمارے نامور شاعروں ادیبوں اور فلسفیوں کی کرسیوں پر ان چھٹی ہوئی قباؤں والے علماء کو بٹھا دیں گے۔ ہمیں عیسائیوں سے آزادی مل جائے گی لیکن ہم سے زندگی کی مسرتیں چھین لی جائیں گی۔"

دوسرا بولا: "جو شخص اس قدر جاہل ہے کہ وہ ایک مراسلہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس سے ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟"

تیسرا بولا: "خدا کی قسم ہمارے امراء کے اصطبل بھی اس کی قیام گاہ سے بہتر ہیں، ہمارے ماہی گیر بھی ان سے بہتر لباس پہنتے ہیں اور یہاں ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تمیز ہی نہیں، جو آتا ہے بے تکلفی سے اپنے امیر کے قریب بیٹھ جاتا ہے، کوئی دربان نہیں، کوئی پہریدار نہیں۔ کل مسجد کے دروازے پر ایک بڑھیا اس کی قبا نوچ رہی تھی۔ پرسوں اُسے چند چرواہوں نے گھیر رکھا تھا۔ ایسا شخص اگر اندلس پر قابض ہو گیا تو ہم سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جائے گا۔ عدل و انصاف کی کرسیوں پر قاضی ابوجعفر جیسے لوگ رونق افروز ہوں گے اور ہم اور ہمارے امراء ان کے سامنے جرائم پیشہ لوگوں کے دوش بدوش کھڑے ہوں گے۔"

ابن زیدون خاموشی سے ان لوگوں کی نکتہ چینی سنتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا: "مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ مراکش میں چند دن رہ کر جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اس کے بعد یہ محسوس کرتا ہوں کہ اندلس کے علماء اور حکمرانوں نے امیر یوسف کو اپنا آخری سہارا سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔ الفانسو کی لاتعداد افواج کو صرف ایسا مجاہد ہی شکست دے سکے گا جس کے نیام میں

اسلام کی تلوار ہوگی اور میں نے مرابطین کے امیر کے نیام میں اسلام کی تلوار دیکھی ہے۔ ہمیں اس کی ہر بات اس لیے عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم اسلام سے بہت دور جا چکے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قدر سادہ اور اس قدر بارعب شخص نہیں دیکھا۔ اس کے سینے میں صحرا کی وسعت اور سمندر کی گہرائی ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں جزیرۃ الخضراء کا مطالبہ رد کرنے کی بجائے یہ کہتا کہ میں مملکتِ اشبیلیہ کی تمام بندرگاہیں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ اگر میں سلطان معتمد کے وزیر کی بجائے اندلس کے ایک عام مسلمان کی حیثیت سے بات کروں تو میں یہ کہوں گا کہ اندلس کو دائمی خطرے سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ امیر مرابطین کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لیں۔"

مہمان خانے کے دوسرے کمرے میں قاضی ابوجعفر اپنے ہم خیال ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "ہم نے پھر ایک بار ملوک الطوائف کے ساتھ تعاون کرنے میں غلطی کی ہے۔ اگر ہم اپنی ذمہ داری پر یہاں آتے تو افریقہ کے علماء پر اثر ڈال سکتے تھے لیکن ان میں سے کئی ایسے ہیں جنہیں یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ ملوک الطوائف، بالخصوص معتمد نے نیک نیتی سے امیر یوسف کو اندلس آنے کی دعوت نہیں دی اور ہم اندلس کے عوام کے ترجمان بن کر نہیں ملوک الطوائف کے آلۂ کار بن کر یہاں آئے ہیں۔ وہ امیر یوسف سے یہ کہہ رہے ہیں کہ جس شخص نے اہلِ قرطبہ کا دوست بن کر انھیں دھوکا دیا تھا، اس کی دوستی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ ادھر افریقہ کی افواج اندلس کے ساحل پر پاؤں رکھیں اور اُدھر معتمد اور دوسرے حکمران الفانسو کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیں۔"

ابن ادہم نے کہا: "ملوک الطوائف سے ہر برائی کی توقع رکھی جا سکتی ہے لیکن اب کیا ہوگا! کیا ہم یہ سمجھ کر واپس چلے جائیں کہ اندلس کے مقدر میں تباہی کے سوا کچھ نہیں؟"

قاضی ابوجعفر نے جواب دیا: "میں مایوس نہیں ہوں۔ میں چند دن یہیں رہوں گا۔ امیر یوسف افریقہ کے علماء، شیوخ اور اپنی فوج کے چیدہ چیدہ افسروں کے اجتماع میں آخری فیصلہ کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ ان کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔ اس کے بعد جزیرۃ الخضراء کے بارے میں معتمد کے احتجاج کی پروا نہیں کی جائے گی لیکن ابھی آپ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کریں ——"

اگلے دن قاضی ابوجعفر کے سوا وفد کے باقی تمام ارکان نے واپس اندلس کا رُخ کیا۔

اپنے ساتھیوں کو رخصت کرنے کے پانچ دن بعد ایک رات قاضی ابوجعفر مہمان خانے میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ قاضی ابوجعفر نے کہا "کون ہے۔ آیئے!"

ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ قاضی ابوجعفر اسے دیکھتے ہی مسرت سے چلا اٹھا۔

"سعد ــــ تم!"

سعد نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں اس وقت آپ کے آرام میں مخل تو نہیں ہوا؟"

ابوجعفر نے کہا "میں کئی دن سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں اور یقین کرو کہ میں اب بھی تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔"

"میں امیر البحر سیر بن ابوبکر کے ساتھ ایک بحری مہم پر گیا ہوا تھا۔"

"یہاں کب پہنچے؟"

"عشاء کی نماز کے بعد ــ مجھے یہاں پہنچتے ہی امیر یوسف نے بلا لیا تھا اور اب میں ان کی قیامگاہ سے سیدھا آپ کے پاس آ رہا ہوں۔"

قاضی ابوجعفر نے شمع کی دھیمی روشنی میں سعد کو سر سے لیکر پاؤں تک دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا "تم اب سچ مچ ایک سپاہی بن گئے ہو۔ اور پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ امیر یوسف نے اندلس کے متعلق تمہارے ساتھ کوئی بات کی ہے؟"

سعد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا "ہاں میں آپ کو ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ وہ اندلس کے متعلق بہت بے چین ہیں۔ انھوں نے پرسوں صبح علماء اور شیوخ کا اجلاس بلایا ہے۔ اگر انھوں نے مخالفت نہ کی تو وہ کسی تاخیر کے بغیر الفانسو کے خلاف فوج کشی کر دیں گے اور جزیرۃ الخضراء کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے کے لیے وہ معتمد کی اجازت کی ضرورت بھی محسوس نہیں کریں گے۔"

مراکش کے علماء اور شیوخ ہم سے بہت بدظن ہو چکے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ان میں سے کئی اس اقدام کی مخالفت کریں گے۔"

"میں نے ابھی تک کسی سے ملاقات نہیں کی لیکن آپ اطمینان رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا فیصلہ اندلس کے حق میں ہوگا۔"

(۴)

امیر یوسف بن تاشفین افریقہ کے مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ عوام اس کے اس قدر گرویدہ تھے کہ اس کا ایک معمولی اشارہ ان کے لیے ایک حکم کا درجہ رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود علماء کی تائید و حمایت کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کا عادی نہ تھا۔ وہ مجلس شوریٰ کے سامنے اکثر کہا کرتا تھا کہ "اگر تم چاہتے ہو کہ میں نیک نیتی سے اپنے فرائض سرانجام دوں تو اپنے دلوں میں حق گوئی کا جذبہ زندہ رکھو ــــ اور مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے روکتے رہو کہ میں خطاؤں سے پاک ہوں۔"

اندلس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے اس نے تمام شہروں کے چیدہ چیدہ علماء اور قبائل کے شیوخ کو جمع کیا۔ دو دن تک وہ ان کے خیالات سُنتا رہا۔

بعض علماء کی یہ رائے تھی کہ امیر یوسف کو ہر حال میں کسی تاخیر کے بغیر الفانسو کے خلاف فوج کشی کر دینی چاہیے لیکن بعض ایسے بھی تھے جنھیں ملوک الطوائف کے متعلق یقین نہ تھا وہ یہ خدشہ ظاہر کرتے تھے کہ اگر ملوک الطوائف نے بدعہدی کی تو افریقہ کی افواج کو دو محاذوں پر لڑنا پڑے گا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اندلس کی طرف قدم اٹھانے سے پیشتر یہ اطمینان کر لیا جائے کہ اگر ملوک الطوائف نے بدعہدی کی تو اندلس کے عوام ہماری حمایت پر ہوں گے۔ ورنہ ملوک الطوائف سے یہ کہا جائے کہ ہم انھیں صرف اسی صورت میں مدد دیں گے جب کہ وہ متحد ہو کر الفانسو کے خلاف جنگ شروع کر دیں۔"

علماء اور شیوخ کے خیالات سننے کے بعد امیر یوسف نے قاضی ابوجعفر کو اپنے خیالات

کے اظہار کی دعوت دی۔ انھوں نے ایک ولولہ انگیز تقریر کرنے کے بعد افریقہ کے علمار سے مخاطب ہو کر کہا "آپ ملوک الطوائف کی نیتوں پر شک کرنے میں حق بجانب ہیں لیکن میں آپ کے سامنے اندلس کے علمار کے نمائندے کی حیثیت میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ملوک الطوائف کی طرف سے کوئی بد عہدی ہوئی تو ہم تمام ان کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیں گے۔ اب حالات وہ نہیں جو آج سے چند برس پہلے تھے۔ اب اندلس کے ہر آدمی کو معلوم ہو چکا ہے کہ اُسے کیا خطرہ پیش آنے والا ہے۔ اب اندلس کے حکمرانوں نے منافقت سے کام لیا تو مجھے یقین ہے کہ اندلس کا ہر بچہ اور بوڑھا انھیں اسلام کا باغی قرار دے کر آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے گا ــــــ!"

قاضی ابو جعفر کی تقریر کے بعد حاضرین مجلس کی نگاہیں امیر یوسف کی طرف مبذول ہو گئیں۔ افریقہ کے مُفتیِ اعظم نے کہا "یا امیر! ہم اپنی رائے دے چکے ہیں اور اب آپ کا فیصلہ سننا چاہتے ہیں؟"

امیر یوسف نے کہا "میں نے آج تک آپ حضرات کی رائے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن ایک فیصلہ ایسا بھی تھا جس کے لیے میں اپنے ضمیر کی آواز کافی سمجھتا تھا۔ چند برس قبل ایک نوجوان میرے پاس اندلس کے مسلمانوں کی فریاد لے کر آیا تھا، اس وقت ہم افریقہ میں ایسے حالات کا سامنا کر رہے تھے کہ اگر میں آپ سے یہ کہتا کہ اندلس میں ہمارے بھائی ہماری اعانت کے مستحق ہیں تو آپ میں سے اکثر میری دماغی حالت پر شک کرتے ــــــ لیکن میں اپنے دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں اندلس کی بربادی نہیں دیکھوں گا۔ میں نے اپنے خُدا سے یہ عہد کیا تھا کہ افریقہ میں ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت کے قیام کے بعد میرے ترکش کے تمام تیر ان لوگوں کے خلاف استعمال ہوں گے جو اندلس سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کا عہد کر چکے ہیں۔ پچھلے دنوں جب اندلس کے علمار اور حکمرانوں کے نمائندے میرے پاس آتے تو میں نے محسوس کیا کہ قدرت اب مجھے اندلس میں بُلا رہی ہے

لیکن جب معتمد کے نمائندے نے جزیرۃ الخضراء کے متعلق ہمارا فیصلہ ٹھکرا دیا تو میں یہ سمجھا کہ قدرت شاید مجھے متنبہ کر رہی ہے کہ میں ملوک الطوائف کے تعاون پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی قوت پر بھروسہ کروں اور اگر مجھے تنہا الفانسو کے ساتھ جنگ لڑنی پڑے تو اس کے لیے بھی تیار ہو جاؤں۔ آپ کو یہاں جمع ہونے کی دعوت دینے کے بعد میں خُدا سے یہ دُعا مانگ کرتا تھا کہ وہ آپ کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری دُعا قبول ہوئی اور آپ اندلس کے حکمرانوں کی اعانت پر بھروسہ کرنے کے بغیر بھی الفانسو کے خلاف جنگ کی آگ میں کودنے کے لیے تیار ہیں۔ اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ ہمیں جزیرۃ الخضراء میں لنگر انداز ہونے کے لیے معتمد کی اجازت کا انتظار کرنا چاہیے یا اس کی اجازت کے بغیر بھی پیش قدمی کر دینی چاہیے!"

مُفتیِ اعظم نے کہا "آپ جہاد کی نیت سے جا رہے ہیں اگر معتمد کے دل میں بھی جہاد کا ارادہ ہے تو جزیرۃ الخضراء پر قبضہ کرنے کے لیے آپ کو اس کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ اگر معتمد کا ارادہ کچھ اور ہے تو بھی آپ کو اس بات کا حق ہے۔ آپ ملوک الطوائف کے نمائندوں کے ساتھ وعدہ کر چکے ہیں کہ آپ اندلس کے کسی حصے پر قابض ہونے کی مُطلقاً کوئی خواہش نہیں رکھتے ــــــ اور اس وعدے کے بعد بھی وہ آپ کی نیت پر شک کرتا ہے تو آپ کو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

(۴)

معتمد کا چھوٹا بیٹا راضی جزیرۃ الخضراء کا حاکم تھا۔ ایک دن اس کے دربار میں شعر و نغمہ کی محفل گرم تھی کہ محل کا داروغہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور بدحواسی کے آثار دیکھ کر مُغنی اچانک خاموش ہو گئے۔

"عالیجاہ!" اس نے کہا "مراکش سے ایک ایلچی آیا ہے اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے پر مُصر ہے۔"

راضی کی حالت اس بچے سے مختلف نہ تھی، جسے گہری اور میٹھی نیند سے جھنجوڑ کر جگا دیا گیا ہو۔ اس نے برہم ہو کر داروغہ کی طرف دیکھا اور کہا "تم بہت گستاخ ہو گئے ہو۔ مراکش کے ایلچی سے ملاقات کا یہ کون سا وقت ہے۔" پھر وہ سازندوں اور مغنیوں کی طرف متوجہ ہو کر چلایا "تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟"

طاؤس و رباب کی تانیں پھر بلند ہونے لگیں لیکن داروغہ ذرا جرأت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھا اور مسند کے قریب پہنچ کر بولا "عالی جاہ! وہ کوئی بہت اہم خبر لے کر آیا ہے اور اسی وقت آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

راضی نے گرج کر کہا "میں تمہاری زبان نوچ ڈالوں گا۔ جاؤ اس سے کہو کہ ہم اس ہفتے کسی کے ساتھ ملاقات نہیں کر سکتے۔"

داروغہ نے کہا "عالیجاہ! اسے دیکھنے کے بعد آپ میری گستاخی قابلِ معافی سمجھیں گے۔ دروازے پر پہریداروں نے اسے روکا تھا لیکن وہ زبردستی اندر گھس آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس انتظار کے لیے وقت نہیں۔ میں نے اسے ملاقات کے کمرے میں بٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ان لوگوں سے مختلف ہے جو کسی کی بات سنتے ہیں۔ وہ صرف حکم دینا جانتا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے اندر گھس آنے سے منع کیا ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"باہر ملاقات کے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہے۔"

راضی نے پریشان ہو کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دن گنے جا چکے ہیں۔ ایک ایلچی آتا ہے اور بلا تکلف میرے محل میں گھس آتا ہے۔ محل کے پہریدار اس کا راستہ نہیں روک سکتے اور محل کا داروغہ بھاگا ہوا میرے پاس آتا ہے کہ میں اٹھ کر اسے خوش آمدید کہوں؟"

"عالی جاہ! میں عرض کر چکا ہوں کہ پہریداروں نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن......"

"لیکن کیا؟"

"عالیجاہ! آپ کے حکم کے بغیر ہم ایک ایلچی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ شاید آپ بھی یہ گوارا نہ کرتے کہ ہمارا کوئی آدمی مفت میں مارا جاتا۔ وہ لڑنے کے لیے بھی تیار ہو گیا تھا۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ میں ایسے آدمی سے ملاقات کروں؟"

"عالیجاہ! اگر حکم ہو تو ہم اسے گرفتار کر لیں لیکن وہ مراکش سے آیا ہے۔ اگر اسے مرابطین کے امیر نے بھیجا ہے تو ہم اس کی گستاخی کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"اگر وہ مرابطین کے امیر کی طرف سے آیا ہے تو اسے اشبیلیہ میں سلطان معتمد کے پاس جانا چاہیے۔ میرے ساتھ اسے کیا کام ہو سکتا ہے؟"

داروغہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کمرے سے باہر اسے پہریداروں کی لے دے سنائی دی۔ ایک آدمی بلند اور رعب دار آواز میں کہہ رہا تھا "میرا وقت تمہارے گورنر سے زیادہ قیمتی ہے!"

داروغہ کے اشارے سے گورنر کے چند محافظ نیزے تان کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ایک زرہ پوش دروازے کے سامنے نمودار ہوا۔ چند مسلح پہریداروں نے اس کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ جونہی اس نے اندر پاؤں رکھا گورنر کے محافظوں نے نیزے آگے کر دیے زرہ پوش ایک ثانیے کے لیے خاموش کھڑا رہا۔ اہلِ محفل ایک سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بولا...... "اگر تم نیزوں اور تلواروں کے استعمال سے واقف ہوتے تو آج اندلس کی یہ حالت نہ ہوتی...... شہزادے اپنے پہرے داروں، مغنیوں اور خواجہ سراؤں کو تسلی دو کہ میں کسی برے ارادے سے نہیں آیا!"

پہرے دار مڑ کر راضی کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "تمہیں میرے سپاہیوں کے تحمل سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم ایک ایلچی نہ ہوتے تو اس وقت میں تمہارے ساتھ ہمکلام ہونے کی بجائے تمہاری لاش دیکھتا۔"

ایک ایلچی کی حیثیت میں بھی تم پہلے آپ کو بدترین سزا کا مستحق ثابت کر چکے ہو ۔۔۔ تم نے ایک ڈاکو کی طرح ہمارے محل میں داخل ہونے کی جرأت کی ہے؟"

سپاہیوں کے نیزے اب اس نوجوان کی زرہ کو چھو رہے تھے لیکن اس کے چہرے پر خوف و ہراس کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس نے کہا "میں جانتا ہوں کہ الفانسو کے ایلچی اس سے کہیں زیادہ بے تکلفی کے ساتھ آپ کے ایوانوں میں گھس آیا کرتے ہیں!"

راضی نے کہا "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں آپ کو صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ امیر یوسف بن تاشفین کی فوج ایک ہفتے کے اندر یہاں پہنچ جائے گی۔ اگر آپ جزیرۃ الخضراء میں اندلس کے نجات دہندہ کا استقبال کرنے کے خلاف ہوں تو بہتر ہو گا کہ آپ یہ شہر خالی کر دیں!"

کچھ دیر حاضرینِ مجلس اور شہزادہ راضی پھٹی پھٹی نگاہوں سے نووارد کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر راضی کا ایک مصاحب بولا "امیر المرابطین کو جبل الطارق پر لنگر انداز ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ میں حیران ہوں کہ انھیں جزیرۃ الخضراء کیوں پسند ہے؟"

نووارد نے جواب دیا "میں آپ کے بے معنی سوالات کا جواب دینے کے لیے نہیں آیا میں آپ کو صرف ایک فیصلے سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ میں آپ کی پریشانی کی وجہ سمجھ سکتا ہوں لیکن گانے بجانے کے مشاغل آپ اندلس کے ہر شہر میں جاری رکھ سکتے ہیں۔"

راضی نے کہا "اگر امیر یوسف ایک دوست کی حیثیت سے آ رہے ہیں تو ہم جبل الطارق پر ان کا استقبال کریں گے لیکن اگر وہ جزیرۃ الخضراء پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس شہر کی ایک ایک اینٹ کے لیے لڑیں گے!"

نووارد نے مسکرا کر کہا "شہزادے! شطرنج کھیلنے اور جنگ کرنے میں بہت فرق ہے۔ امیر یوسف کے متعلق تمہیں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ جو فوج الفانسو کے ساتھ جنگ کرنے کی نیت سے آ رہی ہے [illegible]

تلوار دیکھ کر پریشان نہ ہو گا۔ جزیرۃ الخضراء پر قبضہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ پہلے ہی ہمارے قبضے میں آ چکا ہے۔"

"آپ کا مطلب؟" راضی نے بدحواس ہو کر سوال کیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک بندرگاہ پر ہمارا قبضہ ہو چکا ہو گا اور غروبِ آفتاب سے قبل شہر بھی ہمارے قبضے میں ہو گا۔ میں چند آدمیوں کے ساتھ امیر یوسف کا راستہ صاف کرنے آیا ہوں۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ یہاں کسی مسلمان کے جسم پر خراش تک نہ آئے۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنے آدمیوں کو بندرگاہ سے تھوڑی دور چھوڑ کر تنہا آپ کے پاس چلا آیا ہوں تاکہ آپ کے سپاہی کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جس کے نتائج آپ کے لیے خطرناک ہوں۔ اب آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر تشریف لائیں اور اپنے سپاہیوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کریں آپ کی بھلائی اسی میں ہے!"

داروغہ کے اشارے سے گورنر کے محافظ اور پہریدار اپنے نیزے اور تلواریں نیچی کر چکے تھے۔ راضی انتہائی غم و غصے کی حالت میں نووارد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک محل کے ایک گوشے سے آدمیوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ شہر کا ناظم پہریداروں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے ہانپتے ہوئے کہا "عالی جاہ! غضب ہو گیا۔ چند مراکشی بندرگاہ پر قابض ہو گئے ہیں اور اہلِ شہر جوق در جوق ان کے استقبال کے لیے جا رہے ہیں!"

راضی نے کہا "اگر یہ لوگ آسمان سے نازل نہیں ہوئے تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بندرگاہ کے محافظ کیا کر رہے تھے؟"

ناظم نے جواب دیا "معلوم ہوتا ہے کہ وہ رات کے پچھلے پہر یہاں سے چند میل دور کسی غیر آباد جگہ پر اترے ہیں۔"

راضی نے ایلچی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "یہ ہمارے خلاف ایک جارحانہ اقدام ہے!"

ایلچی نے قدم آگے بڑھا کر جواب دیا "جب کسی کے بُرے دن آتے ہیں تو اُسے دوست

اور دشمن کی تمیز نہیں رہتی۔ امیر یوسف اندلس کے ہر مسلمان کے لیے سلامتی کا پیغام لے کر آرہا ہے۔ اس کا مقصد الفانسو کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ اگر آپ لوگ اسلام کے دشمنوں کی صف میں شامل نہیں ہو چکے تو آپ کے خدشات بے جا ہیں۔ آپ کی تسلی کے لیے ان کا یہ وعدہ کافی ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کو شکست دینے کے بعد اندلس سے اپنی افواج نکال لیں گے۔ آپ کو صرف یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ اسلام کے دشمن نہیں۔"

فوج اور پولیس کے چند افسر کمرے میں جمع ہو چکے تھے۔ راضی نے ان کی حوصلہ شکن نگاہوں سے متاثر ہو کر کہا۔ "امیر یوسف کب تک یہاں پہنچیں گے؟"

ایلچی نے جواب دیا۔ "بعض مصلحتوں کی بنا پر میں ان کی آمد کا صحیح وقت نہیں بتا سکتا۔ تاہم آپ کے پاس اتنا وقت ہے کہ آپ اشبیلیہ سے ہدایات طلب کر سکیں۔ میرے پاس لمبی چوڑی باتوں کے لیے وقت نہیں۔ مجھے کل تک یہاں سے کئی کوس دور پہنچنا ہے۔ آپ کو میرا آخری مشورہ یہ ہے کہ شہر کے نظم و نسق کے معاملے میں ہمارے سپاہیوں کے ساتھ تعاون کریں۔"

ایک فوجی افسر نے کہا۔ "ہماری طرف سے تعاون نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم عملی طور پر ان کی قید میں ہیں۔"

"آپ سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ایلچی یہ کہہ کر مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

حاضرینِ مجلس تھوڑی دیر کے لیے کرب و اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر راضی نے ناظمِ شہر کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" ناظم یہ کہہ کر باہر نکلا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ایلچی کے پیچھے چل دیا۔ محل کے بیرونی دروازے کے قریب وہ ایلچی سے جا ملا اور بولا۔ "آپ کا نام سعد ہے؟"

ایلچی جواب دینے کی بجائے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

ناظم نے پھر کہا۔ "آپ وہی ہیں۔ میں نے معتمد کے دربار میں آپ کی تقریر سنی تھی۔ میں

نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

"آپ کا حافظہ بہت اچھا ہے۔"

"نہیں یہ میرے حافظے کی خوبی نہیں۔ آپ اس دن میرے دل پر چند انمٹ نقوش چھوڑ گئے تھے۔ آپ کی جرأت اور ہمت دیکھ کر میں نے یہ سمجھا تھا کہ آپ اندلس کے نجات دہندہ بن کر آئے ہیں۔ پھر آپ اچانک غائب ہو گئے تو میں اکثر اپنے دل میں یہ کہا کرتا تھا کہ آپ بھی شاید ان لوٹتے ہوئے تاروں سے مختلف نہیں جو اندھیری راتوں میں اچانک نمودار ہوتے ہیں اور نور کی کرنیں بکھیرتے ہوئے روپوش ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اندلس کے لیے سلامتی کا پیغام لے کر آئے ہیں تو میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں!" یہ کہہ کر ناظم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

سعد نے اس کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں چند دنوں کے لیے یہاں سے غیر حاضر رہوں گا اور اس عرصے میں میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی افسوس ناک صورتِ حالات پیدا نہ ہو!"

"آپ مطمئن رہیں۔ ہم آپ کے ساتھیوں کو اپنی آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں غرناطہ جا رہا ہوں۔"

سعد ناظم کے ساتھ باتیں کرتا ہوا باہر نکلا تو سامنے سڑک پر مراکش کے سواروں کے پیچھے پیچھے شہر کے عوام کا ایک جلوس آرہا تھا۔ لوگ مسرت کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ محل کے پہریداروں نے دروازہ بند کر دیا۔ ایک نوجوان بھاگتا ہوا ہجوم سے نکلا اور سیڑھیوں پر چڑھ کر چلایا۔ "اسلام کے دشمنو! مراکش کے مجاہدوں کے لیے محل کا دروازہ کھول دو۔ تمہارا یومِ حساب آچکا ہے!"

مراکش کے سوار سعد کو دیکھ کر رک گئے لیکن شہر کے عوام کا ہجوم دروازے پر ٹوٹ پڑا

سعد ہجوم کو چیرتا ہوا تیزی کے ساتھ سیڑھیوں پر چڑھا اور ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولا۔

"مراکش کے سپاہیوں کی منزلِ مقصود یہ محل نہیں۔ یہ لوگ الفانسو کے قلعوں کے دروازے توڑنے کے لیے آئے ہیں۔ تم اطمینان رکھو آج کے بعد ہم قوم کے مجرموں کو معاف نہیں کریں گے لیکن یہ وقت ہنگامہ آرائی کا نہیں۔ امیر یوسف بن تاشفین یہ گوارا نہیں کریں گے کہ ان کے سپاہیوں کی موجودگی میں شہر کے اندر کوئی بدنظمی ہو ـــــ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور اپنے سپاہیوں کو بھی حکم دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنے پڑاؤ کو واپس چلے جائیں۔"

امیر یوسف کا نام سُن کر لوگوں کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ اِدھر اُدھر کھسکنے لگے۔ سعد بن عبدالمنعم سیڑھیوں سے نیچے اُترا۔ ایک سپاہی اس کے اشارے سے کُود پڑا۔ سعد نے گھوڑے پر سوار ہو کر دستے کے سالار کو چند ہدایات دیں اور پھر گھوڑے کو ایک طرف موڑ کر ایڑ لگا دی۔ شہر سے باہر نکل کر وہ غرناطہ کا رُخ کر رہا تھا اور اس سے تھوڑی دیر بعد ایک کبوتر سر معتمد کے نام جزیرۃ الخضراء کے گورنر شہزادہ راضی کا پیغام لے کر اشبیلیہ کی طرف پرواز کر رہا تھا ـــــ شام سے پہلے پہلے راضی کو معتمد کی طرف سے یہ پیغام آ چکا تھا کہ تم کوئی مزاحمت نہ کرو اور الخضراء چھوڑ کر زندہ چلے آؤ۔"

صُبحِ اُمّید

میمونہ صبح کی نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی۔ "میرے مولا! وہ صبح کب آئے گی۔ میری رات بہت طویل ہو چکی ہے۔ اب مجھ سے انتظار نہیں ہو سکتا۔ وہ کہاں ہیں۔ وہ کب آئیں گے؟" یہ الفاظ وہ اپنی ہر دُعا میں دہرایا کرتی تھی اور ہر دعا کے ساتھ اس کا تصور افریقہ کے پہاڑوں، صحراؤں اور جنگلوں میں پرواز کیا کرتا تھا۔ کبھی وہ یہ دیکھتی کہ سعد کسی لق و دق صحرا میں ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار افریقہ کے مجاہدوں کی راہنمائی کر رہا ہے۔ اسے گھوڑوں کی ٹاپ، تیروں کی سنسناہٹ اور تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی۔ وہ کراہتے اور سسکتے ہوئے زخمیوں کو دیکھتی۔ سعد دشمن کا تعاقب کرنے کے بعد گرد کے بادلوں سے نمودار ہوتا اور اس کا دل مسرت سے اُچھلنے لگتا پھر کبھی وہ یہ تصور کرتی کہ وہ زخمی ہو کر ایک خیمے میں پڑا ہوا ہے اور اجنبی اس کی تیمارداری کر رہے ہیں تو اُس کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

اور آج وہ دُعا کے اختتام پر کہہ رہی تھی۔ "میرے مولا! میں جانتی ہوں کہ اُن کی زندگی کا راستہ کٹھن ہے لیکن مجھے اس گھر کے آرام اور سکون کی بجائے اُن کی راہ کے کانٹے زیادہ عزیز ہیں۔ میں غرناطہ کے پُربہار مناظر پر افریقہ کی بھیانک وسعتوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ میں اُس کا دامن تھام کر آندھیوں اور طوفانوں کے ساتھ لڑ سکتی ہوں۔ ہماری منزل ایک ہے۔ کاش ہمارا راستہ بھی ایک ہوتا!"

وہ دُعا ختم کر کے اُٹھنے کو تھی کہ کسی نے پیچھے سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُس پر گلاب کا ایک پھول رکھ دیا اور کہا۔ "تمہاری دُعا قبول ہو چکی ہے!"

Scanned by iqbalmt
Scanned by iqbalmt

میمونہ نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ طاہرہ کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی

میمونہ نے کہا۔ "تم ہمیشہ یہی کہا کرتی ہو۔ دعائیں اتنی جلدی قبول نہیں ہوتیں!"

"آج میں سچ بول رہی ہوں۔ میمونہ! تمہاری صبح کا آفتاب نمودار ہو چکا ہے۔"

"بھائی احمد نے تمہیں بھی شاعر بنا دیا ہے!"

طاہرہ نے کہا۔ "میمونہ! سچ کہو تمہیں آج غرناطہ کی فضا میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی؟ باہر نکل کر دیکھو، آج تمہاری کائنات کا ہر ذرہ نغموں اور مسکراہٹوں سے لبریز ہونا چاہیئے ـــــ وہ آگئے ہیں!"

اور میمونہ ایک سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "طاہرہ! طاہرہ!! خدا کے لئے میرے ساتھ مذاق نہ کرو!"

"میں سچ کہتی ہوں میمونہ!"

میمونہ اُٹھ کر بے اختیار طاہرہ کے ساتھ لپٹ گئی۔

ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا اور شیخ ابوصالح کی بیوی نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا "کیا ہے طاہرہ؟"

میمونہ پریشان سی ہو کر ایک طرف ہٹ گئی اور طاہرہ بولی۔ "خالہ جان! میں ایک خوشخبری لائی ہوں۔ بھائی سعد آگئے ہیں۔"

"کب؟" اُس نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔

"ابھی نماز سے تھوڑی دیر پہلے۔"

خالہ کوئی اور سوال پوچھے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی اور تھوڑی دیر میں واپس آکر اپنا نقاب درست کرتے ہوئے بولی۔ "میں اُسے دیکھ آؤں!"

طاہرہ نے کہا۔ "خالہ جان، وہ آتے ہی پہلے اپنے ابا جان کو ساتھ لے کر قاضی ابوجعفر

کے پاس چلے گئے ہیں۔"

بوڑھی خالہ ابوجعفر کا نام سنتے ہی آگ بگولا ہو گئی۔ وہ اُسے بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور میمونہ اور طاہرہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر رہی تھیں۔ جب اُس کا جوش و خروش ذرا ٹھنڈا ہوا تو طاہرہ نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان آیئے! بہن میمونہ! آپ یہیں ٹھہریں!"

دوسرے کمرے میں جا کر طاہرہ نے کہا۔ "خالہ! بھائی سعد صرف چار دن کے لئے آئے ہیں"

خالہ نے جھنجلا کر کہا۔ "ابوجعفر سے خدا سمجھے۔ یہ میرے بچے کو ساری عمر چین نہیں لینے دے گا۔"

طاہرہ نے کہا۔ "خالہ! ابوجعفر سے آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہیں۔ میری بات سنئے۔ بھائی سعد اب افریقہ واپس نہیں جائیں گے۔ چند دنوں تک امیر یوسف کی فوج جزیرۃ الخضراء پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد الفانسو کے ساتھ جنگ ہو گی۔ جنگ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب ختم ہو گی۔ اس لئے امی جان یہ کہتی ہیں کہ اُن کی شادی کر دی جائے۔ انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ ادریس سے کہیں۔"

خالہ نے کہا۔ "ادریس کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جب سعد پہلی بار آیا تھا تو میں نے اس وقت بھی زور دیا تھا لیکن وہ یہ عہد کر چکا ہے کہ جب تک اُسے اپنی مہم میں کامیابی نہیں ہوتی وہ شادی نہیں کرے گا۔"

"خالہ جان اب اُن کا عہد پورا ہو چکا ہے۔ اب انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد جب شیخ ابوصالح اور ادریس مسجد میں نماز پڑھ کر واپس آئے تو ابوصالح کی بیوی نے طاہرہ سے کہا۔ "بیٹی! تم میمونہ کے پاس بیٹھو۔ میں ان کے ساتھ ابھی بات کرتی ہوں۔"

طاہرہ میمونہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ "مبارک ہو بہن! اب اپنے دولہا کے استقبال کی تیاری کرو!"

میمونہ نے جلدی سے ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی کمرے کے دوسرے کونے میں لے گئی اور بولی۔ "طاہرہ! خدا کے لئے آہستہ بولو!"

(۲)

سعد اپنے والد کے ساتھ قاضی ابوجعفر سے ملاقات کر کے واپس گھر آیا تو شیخ ابوصالح اور اس کی بیوی اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ ابوصالح کی بیوی نے سعد کو دیکھتے ہی سوال کیا۔ "سعد تم کتنے دنوں کے لئے یہاں آئے ہو؟"

سعد نے جواب دیا۔ "خالہ جان میں پرسوں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"اب کہاں کا ارادہ ہے؟"

"خالہ جان! میں جزیرۃ الخضراء واپس جا رہا ہوں۔ مرابطین کی فوج وہاں اُترے گی اور مجھے اُن کے لئے بہت سے انتظامات کی دیکھ بھال کرنا ہے۔"

خالہ عبدالمنعم کی طرف متوجہ ہوئی۔ "دیکھو بھائی! میں سعد کی شادی کا فیصلہ کر چکی ہوں اور اب میں کسی کی نہیں سنوں گی۔ آج ہی ان کا نکاح ہو جانا چاہیئے۔ جب تک سعد جزیرۃ الخضراء میں ہے میمونہ اس کے پاس رہے گی۔ اس کے بعد جنگ کے ایام میں ہم اسے یہاں لے آئیں گے۔"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "بہن میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکا ہوں لیکن ادریس کی رائے معلوم کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ گھر پر ہے تو میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں۔"

"ادریس کو میں نے ضروری سامان خریدنے کے لئے بازار بھیج دیا ہے۔"

شیخ ابوصالح نے اپنے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "سعد بیٹا! تمہاری خالہ یہ فرض کر چکی ہے کہ تم آج ہی شادی کے لئے تیار ہو لیکن میں سب سے پہلے تمہارا ارادہ معلوم کرنا ضروری سمجھتا ہوں!"

خالہ نے کہا۔ "کیوں سعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

سعد نے جواب دینے کی بجائے آنکھیں نیچی کر لیں۔ مکان سے باہر چند آدمی شور مچا رہے

تھے۔ الماس نے صحن کے دروازے کے قریب آکر کہا۔ "سعد! ذرا باہر آؤ شہر کے لوگ تمہیں دیکھنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔"

سعد باہر نکلنے کے ارادے سے اٹھا لیکن خالہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "ٹھہرو! پہلے میرے سوال کا جواب دو!"

سعد مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ چند ثانیے وہ جواب کے لئے موزوں الفاظ تلاش نہ کر سکا۔ اُس کے چہرے پر حیا کی سُرخی یہ کہہ رہی تھی۔ کیا میں نے اب تک اس سوال کا جواب نہیں دیا!

خالہ نے قدرے پریشان ہو کر پھر کہا۔ "بولتے کیوں نہیں!"

سعد نے حیا میں ڈوبی ہوئی خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "خالہ آپ امّی جان سے پوچھ لیجئے۔"

خالہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "نالائق کہیں کے یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم یہاں آئے ہی اسی ارادے سے ہو!"

سعد مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ مکان سے باہر لوگوں نے اُسے دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے تو خالہ پھر پریشان کرنے لگی۔ اس نے عبدالمنعم سے کہا۔ "دیکھو بھائی! یہ لوگ سعد کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تم اُس کا خیال رکھو! میں یہ چاہتی ہوں کہ آج ہی اس کا نکاح کر دیا جائے۔"

عبدالمنعم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہن آپ فکر نہ کریں۔"

شیخ ابوصالح نے کہا۔ "سکینہ! اگر تمہاری بہن کا بس چلے تو شہر کی کوئی لڑکی اور لڑکا کنوارا نہ رہے۔"

خالہ برہم ہو کر بولی۔ "کیوں جی آپ کے خیال میں ابھی سعد کا لڑکپن ختم نہیں ہوا؟"

اُسی شام شیخ ابوصالح کے مکان میں شہر کے معززین اور سعد کے دوست اور احباب جمع تھے۔ سعد اور میمونہ کے نکاح کی رسم قاضی ابوجعفر نے ادا کی۔

عبدالمنعم اور سکینہ کے لئے یہ انتہائی مسرت کا دن تھا۔ تاہم وہ اس موقع پر احمد اور حسن کی

غیر حاضری بُری طرح محسوس کر رہے تھے۔ رات کے وقت میمونہ اپنے شوہر کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسرّت کی مسکراہٹیں اور تشکّر کے آنسو تھے۔ وقت کی مضراب نے سازِ حیات کے خاموش تاروں کو چھیڑ دیا تھا اور وہ نغموں کے سیلاب میں بہے جا رہے تھے۔ اُٹھ اُٹھ کر جھکنے اور جھک جھک کر اُٹھنے والی نگاہیں بالآخر ایک دوسرے کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ وہ مسکرائے اور کائنات قہقہوں سے لبریز ہوگئی۔ زندگی کے سمندر سے سرور کی ایک موج اُٹھی اور ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدوں کو مٹاتی ہوئی ابدیت کی اُن گہرائیوں سے جا ملی جہاں سے ستاروں کو روشنی، دریاؤں کو روانی، پھولوں کو مہک اور آبشاروں کو ترنم عطا ہوتا ہے۔

سعد نے کہا۔ "میمونہ! میں نے جس صبح کا وعدہ کیا تھا وہ بہت قریب ہے!"

وہ بولی "میری دنیا کا آفتاب میرے سامنے ہے۔ اب مجھے کسی اور صبح کا انتظار نہیں۔"

"میں اس آفتاب کا ذکر کر رہا ہوں جس کی ضیا پاشیوں سے اندلس کا ہر گوشہ منور ہونے والا ہے۔ غرناطہ سے کئی آدمی امیر یوسف کے خیر مقدم کے لئے جزیرۃ الخضرا جا رہے ہیں۔"

میمونہ نے کہا۔ "طاہرہ کہہ رہی تھی کہ آپ مجھے بھی چند دنوں کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں گے"

سعد نے کہا "میمونہ میں یہی مقصد لے کر آیا تھا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ جب افق پر امیر المرابطین کا سفینہ نمودار ہو تو ہم دونوں سمندر کے کنارے کھڑے ہوں اور میں تم سے یہ کہوں کہ اب اندلس میں آلام و مصائب کی رات ختم ہو چکی ہے۔ آج سے یہ ہمارا وطن ہے۔ اس کی رنگینیاں، رعنائیاں، اور دلفریبیاں سب ہمارے لئے ہیں۔"

تیسرے دن علی الصباح الیاس عبدالمنعم کے مکان کے سامنے چار گھوڑوں والی ایک بگھی لئے کھڑا تھا۔ سعد کی ماں اور خالہ کی دعائیں لینے کے بعد میمونہ اپنی خادمہ کے ساتھ بگھی میں سوار ہوگئی۔ اور سعد ابو صالح اور ادریس کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد اپنے باپ کی طرف متوجہ ہوا۔ "ابا جان اگر آپ اگلے جمعہ تک ایک دن کے لئے جزیرۃ الخضرا آسکتے تو بہتر ہوتا!"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "نہیں مجھے فرصت نہیں ملے گی۔ امیر یوسف کو میرا سلام کہنا اور انہیں یہ پیغام دینا کہ غرناطہ کے رضاکار اُن کے حکم کے منتظر ہیں۔ اب تم دیر نہ کرو۔ خدا حافظ!"

عبدالمنعم کے اشارے سے الیاس نے گھوڑوں کو چابک رسید کیا اور سعد گھوڑے پر سوار ہو کر بگھی کے پیچھے ہو لیا۔

بوڑھی خالہ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے سکینہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "سکینہ! اب میرا جی نہیں لگے گا!"

(۳)

سبتہ سے روانگی سے ایک دن قبل امیر یوسف کا بڑا لڑکا اچانک بیمار ہوگیا۔ اگلے دن اس کی حالت تشویشناک ہوگئی۔ دوپہر کے وقت وہ بخار سے بے ہوش تھا اور امیر یوسف پریشانی کی حالت میں اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ طبیب اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

سیر بن ابوبکر امیر یوسف کی قیام گاہ میں داخل ہوا اور ان سے مغموم لہجے میں کہا۔ "اگر آپ حکم دیں تو آج پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کر دیا جائے ـــــ مغرب سے طوفان کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور مریض کی حالت بھی ایسی نہیں کہ آپ اسے چھوڑ کر جا سکیں۔"

امیر یوسف نے اطمینان سے جواب دیا۔ "نہیں۔ تم تیاری کرو۔ میں ابھی بندرگاہ پر پہنچتا ہوں!"

سیر بن ابوبکر کچھ اور کہے بغیر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد مریض نے ہوش میں آکر آنکھیں کھولیں اور اپنے باپ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ابا جان! آپ ابھی تک گئے کیوں نہیں۔ میرے لئے اپنا ارادہ تبدیل نہ کیجئے۔ میں تندرست ہوتے ہی جہاد میں شریک ہونے کے لئے اندلس پہنچ جاؤں گا۔"

باپ نے جواب دیا۔ "میں نے ارادہ تبدیل نہیں کیا بیٹا! اب تمہاری طبیعت کیسی ہے!"

"ابا جان! میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ جہاد میں شریک ہونے کی خواہش مجھے زیادہ دیر تک بستر پر لیٹنے کی اجازت نہیں دے گی۔"

اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور دروازے کے دونوں کواڑ ایک دھماکے سے ایک ساتھ کھل گئے۔ امیر یوسف نے باہر جھانک کر دیکھا۔ فضا میں تاریکی چھا رہی تھی۔

ایک فقیہہ نے کہا۔ "یہ طوفان بہت خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ شاید قدرت کو بھی یہی منظور ہے کہ آپ سفر کا ارادہ ملتوی کر دیں!

امیر یوسف نے جواب دیا۔ "قدرت ہمارا امتحان لے رہی ہے"۔

فضا کی تاریکی اور طوفان کی شدت بڑھتی گئی ایک اور فوجی افسر بھاگتا ہوا داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "مجھے امیر البحر سیر بن ابوبکر نے بھیجا ہے۔ طوفان بہت شدید ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو جہازوں سے سامانِ رسد اور گھوڑے وغیرہ اتار لئے جائیں"؟

"نہیں۔ ان سے کہو۔ میں خود وہاں پہنچ رہا ہوں"۔

افسر تیزی سے باہر نکل گیا۔ امیر یوسف نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ اس پر دوبارہ بیہوشی طاری ہو رہی تھی۔ امیر یوسف نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! میں جا رہا ہوں"!

بیٹے نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور اپنے باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "خدا حافظ اباجان خدا آپ کو فتح دے!

"خدا حافظ"! امیر یوسف یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

بندرگاہ میں جہاز تنکوں کی طرح سرکش لہروں پر رقص کر رہے تھے۔ ملاح اُن کے بادبان گرانے میں معروف تھے۔ امیر یوسف کو دیکھتے ہی چند فوجی افسر، علماء اور شیوخ اس کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک فقیہہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اگر آپ طوفان کی شدت کم ہو جانے تک انتظار کریں تو اس میں کوئی ہرج نہیں"۔

امیر یوسف نے چند قدم آگے بڑھ کر جواب دیا۔ "اگر قدرت نے ہمیں اندلس کے مسلمانوں کی نجات کے لئے منتخب کیا ہے تو یہ طوفان ہمارا راستہ نہیں روک سکتا۔ پہلے میرا خیال یہ تھا کہ میں تمام فوج کو روانہ کر کے آخری جہاز پر جاؤں لیکن اب میرا جہاز سب سے آگے ہوگا!

ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ پانی کے چھینٹے امیر یوسف کے لباس کو تر کر رہے تھے۔ اچانک ساحل

سے تھوڑی دور پانی کی سطح پر ایک دیوار سی نظر آنے لگی۔

سیر بن ابوبکر سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔ "آپ پیچھے ہٹ جائیں! یہ لہر بہت خوفناک ہے!

امیر یوسف کے اردگرد جمع ہونے والے آدمی بھاگ کر ساحل کی چٹانوں کا رُخ کرنے لگے، وہ اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ سیر بن ابوبکر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹانے کی کوشش کی لیکن امیر یوسف کو جنبش نہ ہوئی۔ وہ ایک چٹان کی طرح کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لہر چھوٹی چھوٹی چٹانوں کو اپنے آغوش میں لیتی ہوئی آگے بڑھی۔ آن کی آن میں امیر یوسف چھاتی کے برابر پانی میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "سیر! میں خدائے غفور و رحیم سے دعا کرتا ہوں کہ اگر ہم کسی ایسے ارادے سے نکلے ہیں جو اسے پسند نہیں تو یہ لہریں ہمیں اپنی آغوش میں لے لیں اور اگر ہمارا مقصد نیک ہے۔ تو میں اس طوفان سے مرعوب ہو کر پیچھے ہٹنے کی بجائے اس کی رحمت کا سہارا لے کر آگے بڑھنے کو ترجیح دوں گا"۔

سرکش موجیں مجاہد کی قبا کو بوسے دینے کے بعد سمٹنے لگیں۔ آہستہ آہستہ فضا میں سکون پیدا ہونے لگا۔ سیر بن ابوبکر اپنے امیر کا عزم و ثبات دیکھ کر مسکرایا اور اس نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "مجاہدو! لنگر اٹھالو! بادبان کھول دو۔ ہماری منزلِ مقصود جزیرۃ الخضرا ہے"!

ایک عالم دین نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یا امیر! آپ کو فتح مبارک ہو یہ لہریں آپ کے استقبال کے لئے اٹھی تھیں"!

(۴)

سعد اور میمونہ رات کے پچھلے پہر سمندر کے کنارے ایک دو منزلہ مکان کی چھت پر کھڑے تھے۔ پاس ہی ساحل کی ایک چٹان پر الاؤ جل رہا تھا۔ دوسری طرف ایک چھوٹے سے قلعے کی فصیل پر پہریدار مشعلیں اٹھائے کھڑے تھے۔ سعد نے مشرقی افق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میمونہ! وہ دیکھو صبح کا ستارہ نمودار ہو رہا ہے"!

میمونہ نے لب ہلائے۔ "آپ کو یقین ہے کہ وہ آج ہی پہنچ جائیں گے"؟

"مجھے یقین ہے۔"

کچھ دیر سمندر کی طرف نگاہیں دوڑانے کے بعد انہوں نے صبح کی نماز ادا کی اور پھر چھت پر کھڑے ہو کر افق کی طرف دیکھنے لگے۔ ستارے، سحر کی بڑھتی ہوئی روشنی میں گم ہو گئے۔ شفق کے نقاب سے سورج کی دمکتی ہوئی پیشانی نمودار ہوئی اور سمندر کی سطح پر نور کی ایک چادر بچھ گئی۔ میمونہ نے نیچے جھانک کر دیکھا ساحل پر سینکڑوں آدمی سمندر کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے تھے۔

"میمونہ! میمونہ!" سعد افق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔ "وہ آگئے، اندلس کے نجات دہندہ آگئے ـــــ ادھر دیکھو میمونہ!"

ہوا کے ایک خوشگوار جھونکے نے میمونہ کے خوبصورت بال اُس کی پیشانی پر بکھیر دیئے۔ اُس نے جلدی سے اپنے بال درست کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں! کہاں؟"

"میمونہ ادھر دیکھو میرے ہاتھ کی سیدھ میں!"

میمونہ کو حدِ نگاہ پر ایک جہاز کے بادبانوں کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ سعد وارفتگی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ "میمونہ! مسکراؤ، ہنسو، آج اندلس تمہارا ہے، اپنی بہنوں کو یہ مژدہ سناؤ کہ تمہاری عزت اور عصمت کے رکھوالے آگئے ہیں۔ اب کوئی کسی کی عزت کا سودا نہیں کرے گا۔ آج اندلس میں انسانیت ایک نیا جنم لے رہی ہے!"

میمونہ ٹکٹکی باندھے سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "میں اُن کے استقبال کے لئے جا رہا ہوں" سعد یہ کہہ کر سیڑھیوں سے نیچے اترا..... اور پوری رفتار سے لوگوں کے ہجوم کی طرف بھاگنے لگا۔

"وہ آگئے ـــــ وہ آگئے!!" وہ ایک چٹان پر چڑھتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ چلایا۔

ایک عمر رسیدہ بزرگ آدمی رات سے اس چٹان پر بیٹھا ہوا تھا۔ مرابطین کا سفینہ ابھی تک اُس کی کمزور نگاہوں کی رسائی سے دور تھا۔ تاہم سعد کے الفاظ سنتے ہی وہ سجدے میں گر پڑا۔ یہ قاضی ابوجعفر تھا۔ جب وہ اُٹھا تو اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور سعد اس کے بازو کو سہارا دے کر کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین تھا کہ وہ آج پہنچ جائیں گے۔"

(۵)

دس دن تک جزیرۃ الخضرا مسلمانانِ اندلس کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ اس عرصے میں مرابطین کی بارہ ہزار فوج کے علاوہ گھوڑے اور سامان رسد کے ذخائر پہنچ چکے تھے۔ شہر کے اکابر نے امیر یوسف کو گورنر کے محل میں ٹھہرانے پر اصرار کیا لیکن اُس نے ایک کھلے میدان میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ ٹھہرنے کو ترجیح دی۔ ملوک الطوائف کے ایلچی علماء اور رضاکار جوق در جوق اُس کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ حکمرانوں کے ایلچیوں کو جب تخلیے میں ملاقات کا موقع ملتا تو وہ ایک دوسرے کے خلاف شکایات کا دفتر کھول دیتے تھے۔ امیر یوسف یہ کہہ کر اُن کی زبان بند کر دیتا کہ میں حکمرانوں کے جھگڑے نپٹانے کے لئے نہیں آیا اگر تم جنگ کے متعلق کوئی مشورہ لے کر آئے ہو تو میں اُسے سننے کے لئے تیار ہوں۔ تمہارے حکمرانوں کی نیک نیتی کے امتحان کا دن دور نہیں۔ عنقریب دشمن کے خلاف جنگ کے میدان میں کھرا اور کھوٹا پرکھا جائے گا۔ یہ لوگ امراء کی طرف سے تحائف پیش کرتے تو امیر یوسف کہتا۔ "تمہیں میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نذرانے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا اور رسولؐ کے ساتھ تمہارے امراء کا معاملہ ٹھیک ہے تو وہ مجھے اپنا بہترین دوست پائیں گے اور اگر وہ اسلام کے باغی ہیں تو مجھے روئے زمین کی تمام دولت دے کر بھی خوش نہیں کر سکتے۔"

امیر یوسف کو حق و انصاف کا مشعل بردار سمجھ کر امراء کے ہاتھوں ستائے ہوئے لوگ مختلف شہروں سے جزیرۃ الخضرا کا رُخ کر رہے تھے۔ امیر یوسف پانچوں وقت ایک کھلے میدان میں اپنی فوج کو نماز پڑھاتا تھا۔ شہر کے عوام بھی اُس کی امامت میں نماز پڑھنا اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ نماز کے بعد دور دور سے آنے والے فریادی اُس کے گرد جمع ہو جاتے۔ کوئی کہتا۔ "یا امیر! امیر بھائی! اعلائے کلمۃ الحق کی پاداش میں اتنے عرصہ سے فلاں قید خانے میں پڑا ہوا ہے۔" کوئی کہتا۔ "یا امیر! فلاں شہر کے حاکم نے میرے باپ کو قتل کروا دیا ہے اور میری جائیداد ضبط کر لی ہے۔" امیر یوسف اطمینان سے ہر ایک کی بات سنتا اور اپنے کاتبوں

کو متعلقہ امراء اور حکام کے نام خطوط لکھنے کا حکم دیتا۔ ایک دن وہ نماز پڑھ کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بڑھیا نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کا دامن پکڑ لیا۔

"یا امیر! میری فریاد سن کر جاؤ!"

جزیرۃ الخضراء کی پولیس کے ایک افسر نے بڑھیا کا بازو پکڑ کر اُسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن امیر یوسف نے کہا۔ "نہیں میں اس فریاد سنوں گا!"

بڑھیا نے کہا۔ "بتایئے! میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"تمہارا بیٹا؟" یوسف نے پریشان سا ہو کر کہا۔

بڑھیا نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم بھی دوسروں کی طرح مجھے دیوانی کہو گے۔ لیکن میں اس کا پتہ لئے بغیر تمہارا دامن نہیں چھوڑوں گی۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟ بتاؤ ——— بتاؤ؟"

بڑھیا دیوانگی کی حالت میں اس کی قبا نوچ رہی تھی۔ پولیس کے افسر نے کہا۔ "یا امیر! یہ پگلی ہے۔ آج سے دو برس قبل اس کا اکلوتا بیٹا قید خانے میں فوت ہو گیا تھا اور اسے ابھی تک اس کی موت کا یقین نہیں آیا۔"

امیر نے پوچھا۔ "اس کے بیٹے نے کیا جرم کیا تھا؟"

افسر نے [illegible] دیا۔ "یا امیر! یہاں صرف مجرموں کو ہی سزا نہیں ملتی وہ نوجوان ان ہزاروں نوجوانوں میں سے ایک تھا جو حق کی آواز بلند کرنے کی سزا بھگت چکے ہیں۔"

بڑھیا اب جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے کی بجائے ہچکیاں لے رہی تھی۔

امیر یوسف نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "میں تمہارا بیٹا ہوں ماں!" پھر وہ پولیس کے افسر کی طرف متوجہ ہوا۔ "انہیں شہر کے ناظم کے پاس لے جاؤ۔ وہ ان کی رہائش کا بندوبست کر دیں۔ میری طرف سے انہیں معقول وظیفہ ملتا رہے گا۔"

(۶)

گیارھویں روز امیر یوسف بن تاشفین کی فوج اشبیلیہ کی طرف کوچ کر رہی تھی۔ سعد پچھلے پہر خدا حافظ کہہ کر لشکر کی قیام گاہ کی طرف چلا گیا اور میمونہ صبح کی نماز کے بعد اپنی خادمہ اور الماس کے ساتھ غرناطہ جانے کے لئے بگھی پر سوار ہو گئی۔ شہر سے باہر ایک چوراہے سے ذرا آگے الماس نے بگھی روکی اور میمونہ کو آواز دے کر کہا۔ "لشکر ابھی تک پیچھے ہے۔ وہ بائیں ہاتھ جانے والی سڑک پر سے گزریں گے۔"

میمونہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھا۔ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ ہم انہیں دیکھ کر جائیں گے!"

ایک ساعت انتظار کرنے کے بعد میمونہ نے سوال کیا۔ "چچا الماس! آپ کو یقین ہے کہ وہ اسی راہ سے گزریں گے؟"

"بیٹی ان کا کوئی اور راستہ ہو نہیں سکتا!"

تھوڑی دیر بعد الماس نے کہا۔ "لو بیٹی وہ آ گئے!"

میمونہ بگھی کی کھڑکی کے باریک پردے سے سڑک کی طرف جھانکنے لگی۔ سورج کی روشنی میں ہراول کے دستوں کے آگے ایک سوار کی چمکتی ہوئی زرہ اور خود دیکھ کر اس کا دل اچھلنے لگا۔ وہ بولی۔ "چچا الماس انہیں آواز دے کر اپنی طرف متوجہ نہ کیجئے!"

الماس نے کہا۔ "بیٹی اُس کی نگاہیں عقاب سے زیادہ تیز ہیں۔"

ہراول کے دستے صحرائے اعظم کے سیاہ فام باشندوں پر مشتمل تھے۔ چوراہے کے قریب پہنچ کر اُن کے سالار نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے پیچھے آنے والے سواروں کو کچھ سمجھانے کے بعد اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا۔ سوار بائیں ہاتھ جانے والی سڑک کی طرف ہو لئے اور سالار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آن کی آن میں بگھی کے قریب آ پہنچا۔ "چچا الماس آپ ابھی تک یہیں ہیں؟" اُس نے گھوڑے کی لگام کھینچتے ہوئے کہا۔

الماس نے کہا۔ "ہم تمہاری فوج دیکھنے کے لئے رک گئے ہیں۔"

میمونہ نے گھڑی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکتے ہوئے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور کہا "میرا خیال تھا کہ آپ ہماری متوجہ نہیں ہوں گے!"

سعد مسکرایا "آپ کا خیال غلط تھا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ آپ راستے میں کھڑی ہوں گی۔"

کچھ دیر وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر میمونہ نے کہا "آپ اپنا وقت ضائع نہ کیجئے۔ جائیے!"

"میں بہت جلد آؤں گا میمونہ!" سعد نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی۔

میمونہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "خدا آپ کو فتح دے!"

سعد گھوڑا بھگاتا ہوا فوج کے ساتھ جا ملا۔

میمونہ دیر تک گزرنے والی فوج کو دیکھتی رہی اور الماس اُسے مختلف دستوں کے سالاروں کے نام بتاتا رہا۔ کالے، گورے اور سالونے قبائل کے سپاہی گزر گئے۔ ان کے لباس مختلف تھے ان کی زبانیں مختلف تھیں لیکن اُن کا دین ایک تھا اور اس دین کے ناموس کی حفاظت کے لئے وہ اپنے سروں پر کفن باندھ کر جا رہے تھے۔ پھر وہ رجلِ عظیم نمودار ہوا جسے قدرت نے ایک قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کے لئے منتخب کیا تھا۔

الماس چلایا "دیکھو بیٹی وہ امیر یوسف ہیں!"

اور میمونہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی "اندلس کے محسن! آج میری قوم کی لاکھوں بیٹیاں تیری راہ دیکھ رہی ہیں۔ خدا کی رحمتیں ہر قدم پر تیرا ساتھ دیں!"

الماس نے کہا "بیٹی اُدھر دیکھو۔ وہ سیر بن ابو بکر ہے! وہ سعد کا بہترین دوست ہے اور مراکش کا ہر سپاہی اُس پر فخر کرتا ہے۔"

اور میمونہ کے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی "میرے بھائی! خدا تیرا حامی و ناصر ہو!"

الماس نے کہا "تمام فوج کو دیکھنے میں ابھی کافی وقت لگے گا اور میں آپ کو غرناطہ پہنچاتے ہی ان مجاہدوں کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔" میمونہ نے کہا "اچھا چچا جان چلو!"

الماس نے گھوڑوں کو چابک رسید کیا اور بگھی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

زلاقہ

راستے میں جگہ جگہ لوگوں کے ہجوم مسرت کے نعروں کے ساتھ مرابطین کی فوج کا استقبال کر رہے تھے۔ معتمد کے بیٹے اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار ہر منزل پر اُن کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ جب یہ فوج اشبیلیہ کے سامنے نمودار ہوئی تو ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے شہر سے باہر اُن کی راہ دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ معتمد اور اس کے وزراء نے بھی شہر سے باہر نکل کر ان کا خیر مقدم کیا امیر یوسف کے قیام کے لئے اشبیلیہ کے شاہی محل کو خاص طور پر سجایا گیا تھا لیکن اُس نے فوج کے ساتھ شہر سے باہر ایک کھلے میدان میں ڈیرہ ڈال دیا۔

الفانسو نے ان دنوں سرقسطہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ امیر یوسف نے اس کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھوایا:

"میں نے سنا ہے کہ تم اندلس کے بعد افریقہ فتح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ میں وہاں تمہارا انتظار نہ کر سکا۔ اب میں خود اندلس پہنچ گیا ہوں۔ تمہارے لئے صرف تین راستے ہیں۔ اسلام قبول کر لو تو تم ہمارے بھائی ہو۔ اگر یہ منظور نہیں تو تمہیں جزیہ دینا پڑے گا۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ!"

الفانسو طاقت کے نشے میں چور تھا۔ اُس نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ تم موت کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ اندلس میرا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مجھ سے نہیں چھین سکتی۔ اگر تمہارے سپاہی اپنی زندگی سے بیزار نہیں ہو گئے تو اب بھی موقع ہے کہ وہ اپنے ملک واپس چلے جائیں!

اس خط میں الفانسو نے امیر معتمد کے متعلق بھی نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔

جب یہ گستاخانہ تحریر امیر یوسف کے دربار میں پڑھ کر سنائی گئی تو اشبیلیہ کے شاعر، ادیب اور انشا پرداز جو مجلس میں موجود تھے تلملا اٹھے۔ معتمد کی درخواست پر امیر یوسف نے ان لوگوں کو اس خط کا موزوں جواب لکھنے کے لئے کہا۔

اگلے دن دارالانشاء کے کاتب نے امیر یوسف کے آگے کاغذات کا ایک پلندہ رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" امیر یوسف نے سوال کیا۔

کاتب نے جواب دیا۔ "عالیجاہ! اشبیلیہ کے مشہور و معروف انشا پردازوں نے الفانسو کے گستاخانہ خط کے جواب لکھے ہیں۔ آپ انہیں دیکھ لیجئے۔ جو جواب حضور کو پسند آجائے وہ بھیج دیا جائے گا۔ اگر اجازت ہو تو میں پڑھ کر سنا دوں؟"

امیر یوسف غصے اور پریشانی کی حالت میں حاضرینِ مجلس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کاتب نے ذرا جرأت سے کام لیتے ہوئے ایک کاغذ اٹھایا اور کہا۔ "حضور یہ جواب سلطانِ معظم کے دربار کے ایک بہترین شاعر نے لکھا ہے۔ مطلع عرض ہے۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "الفانسو کے خط کا جواب اشعار میں لکھا گیا ہے؟"

"ہاں حضور! اس نامور شاعر نے تین سو اشعار لکھے تھے۔ میں نے ایک سو اسّی اشعار کاٹ دیئے ہیں۔"

ایک شاعر نے اٹھ کر کہا۔ "حضور پُرنور اگر اجازت دیں تو میں خود اپنا کلام پڑھ کر سنا دوں ـــــ" اور امیر یوسف کے جواب کا انتظار کئے بغیر شاعر نے کاتب کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیا اور مترنم آواز میں اپنا کلام سنانے لگا۔ پہلے چند اشعار میں فصیح و بلیغ گالیاں امیر یوسف کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ لیکن جب شاعر نے واضح الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار شروع کیا تو امیر یوسف نے اپنا ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "بس بس میں اس سے آگے نہیں سننا چاہتا!"

شاعر مایوسی کی حالت میں بیٹھ گیا اور کاتب نے دوسرا کاغذ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "حضور یہ جواب

دارالانشاء کے آٹھ مشہور ادیبوں نے ۔۔۔۔۔۔ باہمی مشورہ کے ساتھ لکھا ہے۔ سلطانِ معظم نے خود اپنے قلم سے اس کی اصلاح کی ہے۔ آپ یقیناً اسے پسند فرمائیں گے!"

کاتب نے ابھی چند سطور پڑھی تھیں کہ امیر یوسف کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور اس نے باقی کاغذات کا پلندہ اٹھا کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "دنیا میں آج تک کاغذ اور سیاہی کا اس سے بُرا استعمال کسی نے نہیں کیا ـــــ تم لوگ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہو۔ دشمن تلوار تیز کر رہا ہے اور تم الفاظ کے تیر جمع کر رہے ہو۔ الفانسو کا خط کہاں ہے؟"

کاتب نے الفانسو کا خط پیش کیا تو افریقہ کے مجاہد نے اپنے قلم سے اس کے ایک کونے پر یہ الفاظ لکھ دیئے:

"جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ تم خود ہی دیکھ لو گے ـــــ!"

(۴)

الفانسو نے تمام محاذوں سے اپنی افواج کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اور سرقسطہ کا محاصرہ چھوڑ کر طلیطلہ کا رُخ کیا۔ جلیقیہ، اشتوریا، لیون، ارغون اور النوار کے حکمرانوں کے علاوہ فرانس اور اطالیہ کے کئی امراء اس کے ہمرکاب تھے۔ طلیطلہ پہنچ کر اس نے ٹڈی دل فوج کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اس فوج کے ساتھ میں انسانوں، جنوں اور اگر فرشتے آسمان سے اتر آئیں تو ان کے ساتھ بھی لڑ سکتا ہوں۔" اس کی پیادہ اور سوار فوج کی تعداد پچاس ہزار اور بعض مورخین کے بیانات کے مطابق اسّی ہزار تھی۔

امیر یوسف نے اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملتے ہی اشبیلیہ سے کوچ کیا۔ بطلیوس سے چند کوس دور زلاقہ[1] کے میدان میں فریقین نے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیئے۔ بطلیوس اور اشبیلیہ، مالقہ اور غرناطہ کے حکمران امیر یوسف کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ المریہ اور مرسیہ کے امراء کو حصن الیط کے عیسائیوں نے پریشان کر رکھا تھا، تاہم انھوں نے متحدہ محاذ

[1] مسلمان مورخ اس میدان کو زلاقہ اور عیسائی ساگری یاس لکھتے ہیں۔

کے لئے اپنی تھوڑی فوج بھیج دی تھی۔ مرابطین اور ملوک الطوائف کے لشکر کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں دشمن کی فوج قریباً تین گنا زیادہ تھی۔ افریقی اور اندلسی افواج کے پڑاؤ ایک دوسرے سے قریباً تین میل دور تھے اور ان کے درمیان ایک پہاڑی حائل تھی۔

ماہِ رمضان ۴۷۸ھ[1] ہجری جمعرات کے دن جب کہ اسلامی لشکر دشمن پر حملے کی تیاریاں شروع کر رہا تھا، الفانسو نے امیر یوسف کے نام پیغام بھیجا کہ کل جمعہ ہے اور یہ تمہارا مقدس دن ہے اس کے بعد اتوار ہمارا مقدس دن ہے۔ اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ ہم طاقت آزمائی کے لئے دوشنبہ کا دن مقرر کریں۔ امیر یوسف نے دشمن کا یہ مطالبہ مان لیا لیکن اسے معتمد کا یہ پیغام ملا کہ دشمن ضرور دھوکہ دے گا، اس لیے آپ خبردار رہیں!

چنانچہ امیر یوسف کی فوج جمعہ کی نماز کے لیے کھڑی تھی کہ الفانسو نے اچانک پہاڑی کی دوسری طرف اندلس کی فوج کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا۔ معتمد نے پہلے ہی اندلس کے سپاہیوں کو خبردار کر رکھا تھا لیکن یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور اندلس کی بیشتر فوج بطلیوس کی طرف پسپا ہونے لگی۔

ملوک الطوائف میں سے صرف معتمد ایسا تھا جس نے میدان چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہ کیا۔ اپنے امیر کی بہادری دیکھ کر اشبیلیہ کے سپاہیوں کی غیرت نے جوش مارا اور وہ بھی ڈٹ کر لڑنے لگے۔ اندلسی فوج کے منتشر دستوں کا صفایا کرنے کے لئے النوار کو فوج کو کافی سمجھ کر الفانسو کے سواروں نے پہاڑی کے گرد چکر کاٹ کر امیر یوسف کی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر حملہ کر دیا۔ اس عرصے میں مرابطین کو تیاری کا موقع مل چکا تھا۔ تاہم یہ حملہ اس قدر زوردار تھا کہ مرابطین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ مسلمانوں کو پسپا ہوتا دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور لیون اور قزالس کے سواروں کے دستے مرابطین کے لشکر کے بائیں بازو کو تتر بتر کرتے ہوئے قلب تک پہنچ گئے۔

---

[1] ان تاریخوں کے متعلق تمام مورخین کی رائے ایک نہیں۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ جنگِ زلاقہ ماہِ رمضان ۴۷۸ھ کی بجائے ماہِ رجب ۴۷۹ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

عیسائیوں کو اپنی فتح کا یقین ہو چکا تھا۔ پہاڑی کی دوسری طرف اہلِ اشبیلیہ بھی مایوسی کی حالت میں لڑ رہے تھے۔ النوار کے سپاہی انہیں کہہ رہے تھے "تمہارے حلیف میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ اب ہتھیار ڈال دو، خودکشی سے کوئی فائدہ نہیں"! ان مایوس کن حالات میں بھی ایک شخص کو اسلام کی فتح پر کامل بھروسہ تھا، اور یہ امیر یوسف تھا —— وہ اطمینان سے اپنے ایک جرنیل سے کہہ رہا تھا "سیر! یہ جنگ میری توقع سے پہلے ختم ہو جائے گی۔ فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دو۔ سعد سے کہو کہ وہ اپنے دستے اندلسی سپاہیوں کی مدد کے لئے لے جائے —— ہم پہاڑی کی دوسری طرف ملیں گے"۔

امیر یوسف یہ کہہ کر لشکر کے عقب میں پہنچا اور محفوظ دستوں کے پانچ ہزار سواروں کو لے کر ایک طرف نکل گیا۔ ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد وہ نصرانی لشکر کے پڑاؤ کے عقب میں جا نکلا۔ بربری سواروں نے پڑاؤ کے محافظوں کو آن کی آن میں تہ تیغ کر دیا اور خیموں اور سامان رسد کے ذخیروں کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ میدان جنگ کا رخ کیا اور پھر ایک چکر کاٹ کر دشمن کی فوج کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔

اتنی دیر میں سعد بن عبدالمنعم اندلس کے لشکر کی مدد کے لئے پہنچ چکا تھا اور اس کے اسودی دستے اہلِ اشبیلیہ پر النوار کے سپاہیوں کی یلغار روکنے کی کوشش کر رہے تھے، اچانک دائیں طرف یکے بعد دیگرے پانچ پانچ سو سواروں کی دو ٹولیاں نمودار ہوئیں اور انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ سواروں کا ایک اور دستہ بائیں طرف سے نمودار ہوا اور انہوں نے بھی کسی توقف کے بغیر دشمن پر دھاوا بول دیا۔ یہ تازہ دم سپاہی المریہ، مرسیہ اور غرناطہ اور الفجارہ کے پہاڑی علاقوں کے رضاکار تھے۔ سعد نے ان کے سالار کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور اپنا گھوڑا بھگا کر ان کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "اباجان! اس عمر میں آپ کو میدان میں آنے کی ضرورت نہ تھی"

عبدالمنعم مسکرایا۔ "میں ابھی بوڑھا نہیں ہوا بیٹا! اسی دن کی آرزو میں تو میں نے قید و بند کی بھیانک راتیں گزاری ہیں"۔

Scanned by iqbalmt
Scanned by iqbalmt

اچانک سعد کی نگاہ ایک طرف مبذول ہو گئی۔ احمد ایک آہن پوش نصرانی کے ساتھ قوت آزمائی کر رہا تھا اور اس کی تلوار بھاری زرہ پر بے اثر ثابت ہو رہی تھی۔ ایک سوار نیزہ تان کر احمد کی طرف بڑھا۔ سعد نے اچانک اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی۔ حملہ آور کو نیزے کی ضرب سے گرا دیا لیکن وہ گرتے ہی اٹھا اور احمد پر ٹوٹ پڑا۔ احمد کی تلوار اب بیک وقت دو تلواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ اس نے ایک کو مار گرایا لیکن دوسرے کے بھاری خود پر ایک ضرب لگانے سے اس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ سعد اتنی دیر میں ایک اور سوار کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد احمد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ خالی ہاتھ ادھر ادھر ہٹ کر اپنے مدمقابل کے پے در پے حملوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سعد نے پیچھے سے گھوڑا آگے بڑھا کر اس کی پیٹھ پر نیزہ مارا اور وہ منہ کے بل گر پڑا احمد نے بھاگ کر اس کی تلوار چھین لی۔

سعد نے کہا۔ "ارے شاعر! تم تو اچھے خاصے سپاہی بن گئے ہو! تمہارا گھوڑا کہاں ہے!"

"وہ زخمی ہو گیا ہے بھائی جان!"

سعد نے کہا۔ "وہ دیکھو تمہارے لئے گھوڑا آ رہا ہے!"

ایک نصرانی سوار چند قدم دور ایک افریقی کے ساتھ قوت آزمائی کر رہا تھا۔ سعد نے گھوڑا بھگا کر اس کی پسلی میں نیزہ مارا اور احمد نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور اسے ایک طرف دھکیل کر زین پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں یہ گھوڑا پسند ہے؟" سعد نے مسکراتے ہوئے کہا

"بھائی کا تحفہ مجھے کیوں کر ناپسند ہو سکتا ہے؟"

"حسن بھی آیا ہے؟"

"حسن، ابا جان، ادریس اور الیاس سب آئے ہیں۔ حسن الفانسو کو تلاش کر رہا ہے!"

سعد نے کہا۔ "تم اپنے ساتھیوں سے کہو کہ دشمن کے سامنے سے ہٹ جائیں! ہم اسے آگے بڑھنے کا موقع دے کر نرغے میں لینا چاہتے ہیں۔"

اس محاذ پر جنگ کا نقشہ بدلتا دیکھ کر الفانسو کے چند اور دستے المنوار کے سپاہیوں کی مدد کے لئے پہنچ گئے لیکن اب اندلسی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ پرامید ہو کر لڑ رہے تھے۔ معتمد زخموں سے چور ہونے کے باوجود ایک شیر کی طرح گرج رہا تھا۔ اندلس کی وہ فوج جو کچھ دیر پہلے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی تھی، اب واپس آ کر اہل اشبیلیہ کے دوش بدوش لڑ رہی تھی۔

(۳)

پہاڑی کی دوسری جانب جنگ اس سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ الفانسو کو یقین تھا کہ اگر امیر یوسف کی افواج کے پاؤں اکھڑ گئے تو اسے نہ صرف جنگ میں فتح حاصل ہو گی بلکہ بحیرۂ روم کے ساحل تک اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہ ہو گا۔ افریقہ کی فوج اندلس کے مسلمانوں کا آخری سہارا ہے اور یہ سہارا ٹوٹ جانے کے بعد ان کی قوت مداخلت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی، اس لئے اس نے اپنی بیشتر افواج اسی محاذ پر جمع کر رکھی تھیں۔ وہ اپنی ابتدائی کامیابیوں پر مسرور تھا لیکن اسے اپنے پڑاؤ میں آگ کے شعلے دکھائی دینے لگے اور اس کے بعد امیر یوسف کے طوفانی دستے اس کے میمنہ کی صفوں کو چیرتے ہوئے قلب تک جا پہنچے تو اس نے محسوس کیا کہ فتح اس قدر آسان نہیں جتنی کہ وہ سمجھتا تھا۔ اچانک سیر بن ابوبکر اپنی فوج کے قلب سے بربریوں کے چند دستے لے کر نکلا اور اس نے دشمن کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ میسرہ کی صفوں میں فرانس کے نائٹ ایک آہنی دیوار کی طرح کھڑے تھے۔ لیکن برق رفتار بربریوں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی سیر بن ابی بکر ان کی مزاحمت کو کچلتا ہوا امیر یوسف سے آ ملا۔ اتنی دیر میں ایک اور بربر جرنیل عقب کے دستوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آگے بڑھا اور اس نے دشمن کو دائیں اور بائیں بازو سے گھیر لیا۔ عیسائیوں نے جنگ کا نقشہ بدلتا دیکھ کر جوابی حملہ کیا اور مرابطین پھر ایک بار مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے لیکن اچانک الفانسو کی افواج کو ایک اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ پہاڑی کی دوسری جانب سے المنوار کی فوج اندلسیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگ نکلی اور سعد نے اس محاذ سے فارغ ہوتے ہی اسودی سواروں کے ساتھ مسلسل

کے لشکر کے عقب پر حملہ کر دیا۔ اب الفانسو کی فوج چاروں طرف سے گھیرے میں آچکی تھی اور اندلس کی باقاعدہ فوج اور رضاکار بھی مرابطین کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔

غروبِ آفتاب کے قریب جب کہ عیسائیوں کے لشکر میں افراتفری پھیل چکی تھی، مرابطین کے لشکر میں نقاروں کی صدا گونجنے لگی اور نقاروں کی آواز سنتے ہی افریقی فوج نے ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ عیسائی لشکر عقب سے اسودی سواروں کا گھیرا توڑ کر پیچھے ہٹنے لگا۔ کوئی آدھ میل پسپا ہونے کے بعد عیسائیوں نے دوبارہ جم کر لڑنے کی کوشش کی لیکن افریقہ کے تیز رفتار سواروں نے انہیں صفیں درست کرنے کا موقع نہ دیا۔

امیر مرابطین چلایا: "اب آخری ضرب لگانے کا وقت آگیا ہے!"

اور آن کی آن میں فوج کے افسروں نے اس کی یہ آواز ہر سپاہی تک پہنچا دی۔ نقارے پر دوبارہ چوٹ پڑی اور مرابطین ایک آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن بھاگ نکلا۔ الفانسو کی نصف کے قریب فوج اب بھی اس کے ساتھ تھی لیکن یہ لوگ صحرا نشینوں کے جنگ کے طریقوں سے واقف نہ تھے۔ امیر یوسف نے از سرِ نو اپنی فوج کو منظم کیا۔ پیادہ سپاہی ایک طرف ہٹ گئے اور سوار تین حصوں میں تقسیم ہو کر دشمن کا پیچھا کرنے لگے۔ دائیں طرف تعاقب کرنے والے سواروں کی قیادت سیر بن ابوبکر کے ہاتھ میں تھی۔ بائیں طرف ایک بربر جرنیل تھا، اور ان دونوں کے درمیان امیر یوسف اپنے طوفانی دستوں کی رہنمائی کر رہا تھا ——— یہ فوج ایک نصف دائرے میں پھیل کر دشمن کا تعاقب کر رہی تھی۔ دائیں اور بائیں بازوؤں کے سوار دشمن کو گھیر رہے تھے اور پیچھے آنے والے انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ الفانسو یہ محسوس کر رہا تھا کہ صحرا نشینوں کی اصلی جنگ اب شروع ہوئی ہے۔ اس کی پیادہ افواج پیچھے رہ گئی تھیں اور اسے ان کے انجام کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ اس کے سواروں کا تعاقب ایسے لوگ کر رہے تھے جن کے گھوڑے اس کے گھوڑوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیز رفتار معلوم ہوتے تھے۔ عیسائیوں نے کئی بار ان کے گھیرے سے نکل کر ادھر ادھر منتشر ہونے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔

بربری اور اسودی سوار انہیں ہر بار گھیر کر سیدھا آگے بڑھنے پر مجبور کر دیتے۔

افریقہ کے مجاہدوں کی طرح ان کے گھوڑے بھی ان تھک اور سخت جان تھے۔ ان کی تیز رفتاری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بربری سوار بھاری زرہیں اور بکتر پہننے کے عادی نہ تھے۔ اس کے برعکس الفانسو کے اکثر سوار سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق تھے اور گھوڑے ان کے ساز و سامان کے بوجھ اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث قدم قدم پر دم توڑ رہے تھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ غازیوں نے اپنے تھیلوں سے کھجوریں نکالیں اور بھاگتے ہوئے گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے روزہ افطار کیا اور دشمن کا تعاقب جاری رکھا۔

جنگ سے قبل الفانسو نے اپنے جرنیلوں اور حلیفوں سے یہ کہا تھا کہ دشمن کو شکست دینے کے بعد ہم ساری رات چاند کی روشنی میں اس کا تعاقب جاری رکھ سکیں گے لیکن اب وہ اور اس کے بچے کھچے ساتھی چاند کو کائنات کی سب سے زیادہ قابلِ نفرت شے سمجھ رہے تھے۔

عیسائیوں کے دائیں اور بائیں بازو سے بربر سوار بھاگتے ہوئے گھوڑوں سے تیر برسا رہے تھے اور پیچھے آنے والے انہیں اپنے نیزوں سے موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ میلوں تک کوئی کھیت کوئی ٹیلہ اور کوئی گھاٹی ایسی نہ تھی جہاں عیسائیوں کی لاشیں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ ایک لمبی دوڑ کے بعد مرابطین کے گھوڑوں کی ہمت بھی جواب دے رہی تھی لیکن اس عرصے میں الفانسو کے ہزاروں سوار پیچھے رہ گئے تھے، اور امیر یوسف ان کا صفایا کرنے کے لئے اپنے سواروں کے دستے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

الفانسو اپنے بہترین جرنیلوں اور سپاہیوں سے محروم ہو چکا تھا۔ رات کے دوسرے پہر پچاس ہزار[1] سپاہیوں میں سے صرف چار ہزار اس کا ساتھ دے رہے تھے اور ہر قدم پر ان کی تعداد گھٹ رہی تھی۔ اس کی آخری امید دریائے وادی آنہ تھا جسے عبور کرنے کے بعد وہ اس بلائے بے درماں سے پیچھا چھڑا سکتا تھا۔ دریا زیادہ دور نہ تھا لیکن افریقی سوار اب دائیں اور بائیں

---

[1] بعض مورخوں نے الفانسو کی فوج کی تعداد اسی ہزار کے لگ بھگ بیان کی ہے۔

بازو سے آگے بڑھ کر اُن کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک افریقی سواروں کے پیچھے قریباً دو سو سواروں کا ایک گروہ نمودار ہوا اور بائیں بازو سے چکر کاٹتا ہوا آگے نکل گیا۔ ان سواروں کی رفتار سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے گھوڑے تازہ دم ہیں۔ بائیں بازو کے راہنما سیر بن ابوبکر نے پہلے انہیں دشمن کی کسی آس پاس کی چوکی کے محافظ سمجھ کر اُن کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ اور پرے کترا کر نکل گئے تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ان کا تعاقب کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اُن کے گھوڑے تازہ دم ہیں۔" تھوڑی دیر میں یہ سوار الفانسو کی فوج کے آگے پہنچ گئے۔ عیسائی سواروں سے کوئی تین سو گز آگے نکلنے کے بعد انہوں نے اچانک پلٹ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اُن پر حملہ کر دیا۔ اتنی دیر میں دائیں اور بائیں بازو سے دائرے کی شکل میں آگے بڑھنے والے بربری بھی کے ساتھ آملے۔ ایک ساعت کے اندر اندر الفانسو کے دو ہزار اور سوار ڈھیر ہو چکے تھے۔ اس کے بچے کھچے سپاہی ایک طرف سے مسلمانوں کا گھیرا توڑ کر نکلے۔ دریا یہاں سے صرف نصف میل دور تھا لیکن کنارے تک پہنچتے پہنچتے تازہ دم سواروں نے ایک بار پھر اُن کا راستہ روک لیا اور بربریوں نے پھر تین اطراف سے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔

قسطلہ کے نائٹ اپنے بادشاہ کے گرد گھیرا ڈال کر انتہائی بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے دریا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ امیر یوسف کی فوج کے سیاہ فام سپاہیوں کا ایک دستہ الفانسو کے محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ ایک اسودی نے الفانسو کی ران پر نیزہ مارا لیکن وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچ گیا۔

قسطلہ کے بقیۃ السیف سپاہیوں نے زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر آخر حملہ کیا اور لڑتے بھڑتے دریا کے کنارے پہنچ کر پانی میں کود پڑے۔ مجاہدین یہاں بھی اُن کا پیچھا کرنے کے لئے تیار تھے لیکن امیر یوسف آگے بڑھ کر بلند آواز میں چلایا۔ "نہیں تم لوگ اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ اب تمہیں آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ دوسرے کنارے دشمن کی فوج موجود ہو!"

الفانسو کی رہی سہی فوج کے کئی سپاہی کنارے پر مجاہدین اسلام کے تیروں کا شکار ہوئے

اور کئی اپنے بھاری اسلحہ کے باعث دریا کی موجوں کے نذر ہو گئے۔ جب الفانسو نے دوسرے کنارے پہنچ کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو اس کے ساتھیوں کی تعداد صرف پانچ سو تھی۔[1] اسلامی لشکر کے شہدا کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔

سیر بن ابوبکر نے جنگ سے فارغ ہوتے ہی آخری مرحلہ پر شریک ہونے والے سواروں کا پتہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ غرناطہ اور المریہ کے رضاکاروں میں سے ہیں۔ ان کے سالاروں سے متعارف ہونے کے بعد سیر بن ابی بکر نے کہا۔ "میں نے یہ خیال کیا تھا کہ تم کسی آس پاس کی چوکی سے دشمن کی مدد کے لئے آئے ہو۔ میں تمہارے گھوڑوں کی رفتار دیکھ کر حیران تھا۔"

المریہ کے رضاکاروں کے سالار نے جواب دیا۔ "ہم ایک یلغار کر کے جنگ کے میدان میں پہنچے تھے۔ جنگ کے دوران میں ہمارے گھوڑے نڈھال ہو چکے تھے۔ قدرت نے ہماری مدد کی اور ہمیں دشمن کے پڑاؤ سے تازہ دم گھوڑے مل گئے۔"

سیر اُس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ سعد بن عبدالمنعم اچانک آگے بڑھا اور حسن اکبتا ہے

---

[1] ایک روایت کے مطابق الفانسو صرف پانچ آدمیوں کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ بعض مورخ جنگ زلاقہ کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اندلس میں امیر یوسف کی آمد کے اچانک الفانسو نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ایسے ہاتھی پر سوار ہے جس کے دونوں پہلوؤں میں بڑے بڑے نقارے بندھے ہوئے ہیں۔ ہاتھی چلتے وقت اپنی سونڈ ان نقاروں پر مارتا ہے اور اس سے نہایت ہیبت ناک آواز پیدا ہوتی ہے۔ الفانسو نے عیسائی راہبوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی لیکن وہ اس کی تسلی نہ کر سکے۔ پھر اس نے ایک یہودی کو طلیطلہ کے ایک مسلمان عالم کے پاس اس خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ مسلمان عالم پر ظاہر نہ کرنا کہ یہ خواب میرا ہے۔ یہودی نے طلیطلہ کے عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے یہ عجیب خواب دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتائیں۔
طلیطلہ کے عالم نے غور سے یہودی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ خواب تمہارا نہیں ہو سکتا یہ کسی ایسے بادشاہ کا خواب ہے جسے عنقریب اصحاب فیل کی طرح وقت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

نوجوان کے ساتھ لپٹ گیا۔ پھر اُس نے سیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "یہ میرا بھائی ہے!"

سیر نے گرم جوشی سے حسن کے ساتھ مصافحہ کیا۔ سعد نے دوسرے سالار کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "اور یہ احمد ہے ——— میرا دوسرا بھائی ——— آپ معتمد اور رمیکیہ کی شان میں اس کے اشعار سن چکے ہیں ——— یہ ادریس بن عبدالجبار ہیں۔ یہ میرے دوست الیاس ہیں .... اور یہ چچا الیاس ہیں۔" سعد نے یکے بعد دیگرے اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کا تعارف کرانے کے بعد احمد کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا: "ابا جان کہاں ہیں؟"

"ہمارے ساتھ تھے۔" احمد یہ کہہ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

سعد اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے والد کی تلاش میں نکلا تو سیر بن ابوبکر بھی اُس کے ساتھ ہو لیا۔ عبدالمنعم ایک زخمی بازو پر پٹی باندھ رہا تھا وہ کچھ دیر اُس کے گرد کھڑے رہے۔ جب وہ پٹی باندھنے کے بعد اُٹھا تو سعد نے کہا: "ابا جان! یہ امیر البحر سیر بن ابوبکر ہیں! انہیں آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔"

عبدالمنعم نے گرمجوشی سے سیر کے ساتھ مصافحہ کیا۔ بربری قبائل کے چند شیوخ اور فوج کے افسر عبدالمنعم کے گرد جمع ہو گئے۔

نیا شعور اور نئے ولولے

زلاقہ کے شہدا اپنے خون سے اندلس کی تاریخ کے ایک نئے باب کا عنوان لکھ چکے تھے۔

اس عظیم الشان فتح کی خبر کے ساتھ ملک کے طول و عرض میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ امیر یوسف کا نام ہر بچے اور بوڑھے کی زبان پر تھا۔ ہر مسجد کے منبر سے اس کی درازیٔ عمر کے لئے دعائیں ہو رہی تھیں۔ جن امرا نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا وہ فتح کی خوشی میں حصہ لینے کے لئے امیر یوسف کے پاس جمع ہو رہے تھے۔

چند دن زلاقہ کے میدان میں قیام کرنے کے بعد یوسف بن تاشفین نے اشبیلیہ کا رُخ کیا۔ اندلس کے حکمران اور علماء اس کے ہمرکاب تھے۔ راستے کی ہر بستی اور شہر کے لوگ گھروں سے نکل کر اپنے محسن کا استقبال کر رہے تھے۔

جب امیر یوسف کا جلوس اشبیلیہ کے دروازے پر پہنچا تو اہل شہر کے ایک بے پناہ ہجوم نے اُس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ ہر شخص دوسرے کو پیچھے ہٹا کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اندلس کے حکمران حریر و اطلس کی قبائیں پہنے ہوئے تھے۔ اُن کے عمامے اور ٹوپیاں بیش قیمت جواہرات سے مرصع ہوتی تھیں اور اُن کے گھوڑے تک زیورات سے آراستہ تھے۔ لیکن یوسف بن تاشفین اپنے سادہ اور کھردرے لباس کے باوجود ہر نگاہ کا مرکز تھا۔ کوئی آگے بڑھ کر اُس پر پھول پھینکنے اور کوئی اس کی رکاب چھونے کے لئے بیتاب تھا۔ عوام کی بے پناہ عقیدت اور محبت سے متاثر ہو کر تیروں کی بارش میں تن کر چلنے والے مجاہد کی گردن جھکی جا رہی تھی۔ جب عوام کے ہجوم کے باعث جلوس کا آگے بڑھنا مشکل ہو گیا تو اشبیلیہ کی پولیس کے سپاہی آگے بڑھے اور امیر یوسف کا راستہ صاف

کرنے کے لئے لوگوں کو دھکے دے کر ہٹانے لگے۔ ایک عمر رسیدہ آدمی دھکا کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ امیر یوسف یہ دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور اس نے آگے بڑھ کر بوڑھے کو اُٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ لوگ بھاگ کر پھر ایک بار اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ امیر یوسف نے اپنے گرد گھیرا ڈالنے والے سپاہیوں کو دھکیل کر راستے سے ہٹاتے ہوئے کہا: "مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں!"

اب لوگ خود بخود اُس کے راستے سے ہٹنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے ساتھیوں سے کافی دُور آگے جا چکا تھا۔ اندلس کے سلاطین اور اُس کے درمیان لوگوں کا بے پناہ سیلاب حائل ہو چکا تھا۔ وہ سب یہ محسوس کر رہے تھے کہ اس بات کا دعوےٰ کوئی اور ہے۔ ان کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹ کسی کو مرعوب نہیں کر سکتے۔ تاریخ کے ایک ہی حادثے نے انہیں اپنے ملک میں اجنبی بنا دیا ہے۔ جو لوگ اُن سے آگے تھے اُن کی ساری توجہ امیر یوسف پر مبذول تھی اور جو اُن سے پیچھے تھے، ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے والا کوئی نہ تھا۔

امیر یوسف اشبیلیہ کی بڑی مسجد کے دروازے پر رُکا اور دروازے کی سیڑھیوں پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ آن کی آن میں مسجد کے سامنے ایک کشادہ میدان لوگوں سے بھر گیا۔ امیر یوسف نے ہاتھ بلند کیا اور لوگ جنہیں پہلے اُس نے سر پر اٹھا رکھا تھا، اچانک خاموش ہو گئے......... امیر یوسف نے چند ثانیے سوچنے کے بعد کہا:

"عزیزانِ ملت اور بزرگانِ قوم! میں اس عزت افزائی کا مستحق نہ تھا۔ زلاقہ کی فتح کا سہرا اُن شہیدوں کے سر ہے جو اس وقت ہم میں موجود نہیں۔ میں اشبیلیہ کی اُن ماؤں کو سلام کہنے آیا ہوں جن کے بیٹے ہمارے دوش بدوش لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ اُن کی شہادت ایک مقصد کے لئے تھی اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا آپ سب کا فرض ہے۔ افریقہ کے حالات اور میری ذمہ داریاں شاید زیادہ دیر مجھے آپ کے ملک میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دیں، اس لئے میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں!

زلاقہ کے میدان میں ہم آپ کے دشمن کو ایک فیصلہ کن شکست دے چکے ہیں اور آپ یہ خوشخبری بھی سن چکے ہوں گے کہ دشمن کی فوج ایک طرف سرقسطہ کا محاصرہ اٹھا کر واپس جا چکی ہے اور دوسری طرف بلنسیہ کا علاقہ خالی کر رہی ہے۔ اب اس ملک کی حفاظت آپ لوگوں کا کام ہے۔ اگر آپ پھر آپس کے اندرونی جھگڑوں میں اُلجھ کر رہ گئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ زلاقہ کے شہیدوں کی قربانیاں رائگاں جائیں گی۔ دشمن کسی دن آپ پر زیادہ قوت اور زیادہ شدت کے ساتھ حملہ کرے گا اور وہ اُس وقت تک اندلس پر حملے کرتا رہے گا، جب تک کہ آپ اپنی اندرونی کمزوریوں کا علاج نہیں کریں گے۔ آپ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ آپ اسلام سے دور جا چکے ہیں۔ اگر آپ اپنا دفاعی حصار اسلام کی بنیادوں پر تعمیر کریں تو میں دعوےٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دُنیا کی تمام غیر مسلم اقوام متحد ہو کر بھی آپ کو شکست نہیں دے سکتیں۔ اگر آپ نے اسلام سے منحرف ہو کر کوئی اور راہِ نجات تلاش کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھیے کہ آپ کی مثال اُن لوگوں سے مختلف نہ ہو گی جو سیلاب سے بچنے کے لئے پہاڑ سے اتر کر ریت کے تودوں پر پناہ لیتے ہیں۔ آپ کا ہر وہ قدم جو خدا کی راہ میں اٹھے گا کامیابی اور کامرانیوں سے ہمکنار ہو گا، اور آپ کی ہر وہ کروٹ جو اسلام کے خلاف ہو گی آپ کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جائے گی۔ اندلس کے عوام اور اندلس کے حکمرانوں کے نام میرا پہلا اور آخری پیغام یہی ہے کہ اگر آپ دنیا میں سربلند رہنا چاہتے ہیں تو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اپنی گردنیں جھکا دیجئے...... اگر آپ قرآن پاک کے احکام پر چلتے ہیں، اگر آپ خدا اور اُس کے رسول کے تابع ہیں تو میں آپ کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ روئے زمین کی تمام نعمتیں آپ کے لئے ہیں اور آپ ہر میدان میں زلاقہ کی تاریخ دہرا سکیں گے!"

ایک عمر رسیدہ آدمی ہجوم کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور امیر یوسف کے قریب

پہنچ کر چلایا:

"یا امیر! آپ نے ہمیں اسلام کے دشمنوں سے نجات دلائی ہے۔ خدا کے لئے ہماری گردنیں اسلام کے باغیوں کے ہاتھ میں دے کر نہ جائیے! ہمارے اور خدا کے درمیان ملوک الطوائف کی ایک دیوار کھڑی ہے۔ اس دیوار کو ہمارے راستے سے ہٹا دیجئے! ہمیں ان لوگوں کے سپرد نہ کیجئے جنہوں نے بارہا دشمنوں کے ساتھ ہماری عزت اور آزادی کا سودا کیا ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے اسلاف کی قبروں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کئے ہیں۔ انہوں نے شہیدوں کا خون بیچا ہے۔ انہوں نے اندلس کی زمین سے خدا کا قانون معطل کر رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی عیاشی کا سامان مہیا کرنے کے لئے عوام کے ہاتھ سے روٹی کا آخری نوالہ تک چھین لیا ہے۔ ان کی بیگمات عریانی اور بے حیائی کو فروغ دینے کے لئے اندلس کی ماؤں اور بہنوں کے چہروں سے حیا اور شرافت کے نقاب نوچ رہی ہیں۔ یا امیر! جس اندلس کو آپ نئی زندگی کا پیغام دے رہے ہیں۔ وہ ابھی تک ننگا ہے، بھوکا ہے، بے بس ہے۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں ملوک الطوائف کے اقتدار کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ خدا کے لئے اندلس چھوڑنے سے پہلے ان بیڑیوں کو کاٹ جائیے۔ اندلس ان لوگوں کے لئے ایک وطن نہیں بلکہ ایک شکارگاہ ہے۔ انہیں اسلام کی محبت نے آپ کے جھنڈے تلے جمع نہیں کیا تھا بلکہ یہ اس لئے آپ کی اعانت کے طلب گار ہوئے تھے کہ ایک اور شکاری اس شکارگاہ میں گھس آیا تھا، اور وہ ان کا ادھ موا شکار ہڑپ کر جانا چاہتا تھا۔ ہم ان لوگوں سے ان کی گزشتہ بداعمالیوں کا انتقام نہیں لینا چاہتے۔ لیکن اگر یہ اپنی کوتاہیوں پہ نادم ہیں تو انہیں خود بخود ہمارے راستے سے ہٹ جانا چاہیئے اور اگر انہیں اپنے گزشتہ اعمال پر ندامت نہیں اور یہ ایک قوم کے مستقبل پر اپنے اقتدار کو مقدم سمجھتے ہیں تو اندلس کے مسلمانوں کو ان کے ہاتھ میں سونپ دینے کے بعد آپ خدا

کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ وہ پیغام جو آج آپ ان لوگوں کو دے رہے ہیں، میں نے کئی برس پہلے دیا تھا اور اس جرم کی پاداش میں اپنی عمر کا بہترین حصہ قرطبہ اور طلیطلہ کے قید خانوں میں کاٹ چکا ہوں، اگر آپ اہلِ اندلس کی امانت کے لئے آئے ہیں تو اندلس کو ان لوگوں سے نجات دلانا آپ کا فرض ہے اور اگر آپ ان لوگوں کے گرتے ہوئے اقتدار کو سہارا دینے کے لئے آئے ہیں تو مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ زلاقہ کی فتح کے نتائج عارضی اور ہنگامی ہوں گے۔ ایک دائمی خطرے سے نجات حاصل کرنے کے لئے اندلس کو متحد کرنے کی ضرورت ہے اور جب تک اہل اندلس پہ ان لوگوں کے اقتدار کا بھوت سوار رہے گا اندلس متحد نہیں ہو سکے گا۔"

یہ بوڑھا عبدالمنعم تھا۔ اُسے جاننے والوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ یہ کم گو انسان اچانک اس قدر جوش و خروش کا مظاہرہ کرے گا۔ اس اجتماع میں اس کے اپنے بیٹے بھی حیران ہو کر اُس کی تقریر سن رہے تھے۔ امیر یوسف نے فتح کے بعد تخلیے میں صرف ایک بار اس سے ملاقات کی تھی لیکن اُس ملاقات میں بھی اُس نے اس قدر کھل کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کیا تھا۔ عبدالمنعم نے امیر یوسف کو صرف کنایۃً یہ بتایا تھا کہ ملوک الطوائف کے ساتھ آپ نے دوستی کا جو معاہدہ کیا ہے وہ دیرپا ثابت نہیں ہوگا۔ اندلس کے علماء میں سے بھی صرف قاضی ابوجعفر کو اس بات کا علم تھا کہ عبدالمنعم بھری محفل میں ایک آتشیں گولا چھوڑنے والا ہے۔

اشبیلیہ کے عوام پُرخروش نعروں کے ساتھ عبدالمنعم کی تائید کر رہے تھے۔ ملوک الطوائف کا گروہ انتہائی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں ہجوم سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا۔ عوام کا جوش و خروش دیکھ کر سیر بن ابوبکر نے بربر سواروں کو اُن کی حفاظت کا حکم دیا اور وہ اُن کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ امیر یوسف بن تاشفین کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور لوگ ایک دوسرے کو خاموشی کی تلقین کرنے لگے۔

امیر یوسف نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے علماء اور حکمرانوں کے ساتھ یہ معاہدہ کر چکا ہوں کہ الفانسو کو شکست دینے کے بعد میں اندلس کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا اور

میری افواج اندلس کو خالی کر دیں گی میں اپنے عہد پر قائم ہوں ...... اندلس کے حکمران اس بزرگ کی تقریر سن چکے تھے .... اور میں بھی انہیں مشورہ دوں گا کہ وہ ہوا کا رُخ پہچاننے کی کوشش کریں۔ اگر انہوں نے اسلام سے منحرف ہو کر قوم کے مستقبل کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش کی تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے اقتدار کے ایوانوں میں دیر تک اطمینان کا سانس نہیں لے سکیں گے.... علماء سے میں یہ کہوں گا کہ اگر آپ اندلس میں اسلامی نظامِ حکومت کا احیاء چاہتے ہیں تو ایک ایسا اجتماعی ضمیر بیدار کیجیے جس کی قوت کے سامنے ہر غیر اسلامی نظام کی بنیادیں خود بخود متزلزل ہو کر رہ جائیں۔ اگر آپ میں اتنی سکت بھی نہیں کہ آپ اپنے حکمرانوں کو شرعی حکومت کے نفاذ پر آمادہ کر سکیں تو میں یہ کہوں گا کہ اندلس میں مسلمانوں کی عزت اور آزادی کے دن گنے جا چکے ہیں!"

امیر یوسف یہ کہہ کر عبدالمنعم کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟"

اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "نہیں میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں!"

امیر یوسف نے سامعین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اب آپ حضرات اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے جائیں۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے حکمرانوں کے سامنے آپ کی وکالت کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد امیر یوسف کا جلوس شہر سے باہر لشکر کی قیام گاہ کا رُخ کر رہا تھا۔

(۲)

اگلے دن معتمد کے اصرار پر امیر یوسف نے اپنے چیدہ چیدہ شیوخ، علماء اور فوجی افسروں کے ساتھ شاہی محل میں روزہ افطار کرنے کی دعوت قبول فرمائی۔ محل کی چار دیواری کے اندر ایک خوبصورت باغ میں ضیافت کا انتظام تھا۔ معتمد کے وزراء اور حکام کے علاوہ اندلس کے کئی حکمران بھی اس دعوت میں شریک تھے۔ فانوسوں اور کافور کی بتیوں سے باغ کا ہر گوشہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اشبیلیہ کے شاہی دسترخوان کے تکلفات افریقہ کے درویش خصلت حکمران اور اس کے ساتھیوں کی توقعات سے کہیں زیادہ تھے۔

ملکہ رمیکیہ اپنی تمام آرائشوں کے ساتھ انا البرق کہتی ہوئی نمودار ہوئی اور دسترخوان پر معتمد

کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ صدر نشینوں کی نگاہیں صرف ایک بار اس کی طرف اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ کسی نے اُس کے لباس کی تعریف نہ کی۔ کسی نے اس کی مسکراہٹوں کا جواب نہ دیا۔ رمیکیہ پریشان تھی۔ رمیکیہ خفا تھی اور رمیکیہ غصے سے اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی اور جنہیں وہ اپنے لباس اور زیورات سے مرعوب کرنا چاہتی تھی، اطمینان سے سر جھکائے کھانا کھا رہے تھے۔ اُن کی خاموشی زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھی۔ "تم کسی کی بہن ہو، کسی کی بیوی ہو، کسی کی ماں ہو، تم اپنے مقام کو پہچاننے کی کوشش کرو!" اور رمیکیہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ سب اسے گالیاں دے رہے ہیں۔ "جاہل کہیں کے!" اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

پھر اس نے اندلس کے حکمرانوں کی طرف دیکھا لیکن اُن کی نگاہوں کا مرکز کوئی اور تھا۔ معتمد نے آہستہ سے کہا۔ "ملکہ آپ کھانا نہیں کھائیں گی؟"

"مجھے بھوک نہیں!" اُس نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ جائیں، یہ لوگ آپ کی غیر حاضری محسوس نہیں کریں گے۔"

ملکہ اٹھنے کو تھی لیکن اچانک اس کی نگاہیں دسترخوان کے دوسرے سرے پر ایک نوجوان کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اُس نے سرگوشی کے انداز میں معتمد سے سوال کیا۔ "وہ نوجوان جو سامنے دائیں ہاتھ ایک سیاہ فام بوڑھے کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، کون ہے؟"

معتمد نے جواب دیا۔ "وہ امیر یوسف کی فوج کا ایک جرنیل ہے۔"

"غور سے دیکھیے!"

معتمد کے بائیں ہاتھ وزیر ابن زیدون بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ وہی ہے جس نے چند سال قبل آپ کے سامنے باغیانہ تقریر کی تھی اور آپ جس شخص کی تقریر سن رہے تھے اس کا باپ تھا وہ یہاں نہیں آیا۔"

اس ضیافت میں اشبیلیہ اور اندلس کے دوسرے شہروں کے چیدہ چیدہ شعراء کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد معتمد نے امیر یوسف سے درخواست کی کہ آپ اندلس کے نامور شعراء کو اپنا کلام سنانے کا موقع دیں!

امیر یوسف نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔ "اس کام کے لئے کتنا وقت درکار ہو گا!"

"یہ آپ کی پسند پر منحصر ہے۔"

"میں زیادہ نہیں بیٹھوں گا۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو عشاء کی نماز کے بعد ان حضرات کو موقع دیا جائے"؟

"نہیں۔ نماز کے بعد میں آرام کروں گا۔"

دو شعراء نے یکے بعد دیگرے امیر یوسف بن تاشفین کی شان میں قصائد پڑھ کر سنائے۔ معتمد، اُس کے وزراء اور اندلس کے حکمرانوں نے انہیں دل کھول کر داد دی۔ لیکن امیر یوسف خاموش بیٹھا رہا۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اُس کی تعریف ہو رہی ہے یا مذمت۔

جب تیسرا شاعر اپنا کلام سُنا رہا تھا تو معتمد نے امیر یوسف کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "یہ اشبیلیہ کا بہترین شاعر ہے۔ آپ اس کے اشعار کے معنی سمجھتے ہیں"؟

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ میں صرف یہ سمجھا ہوں کہ یہ لوگ روٹی کے محتاج ہیں۔ لیکن کاش ایسا انسانوں کی بجائے صرف خدا کی تعریف کرتے۔ اب نماز کا وقت ہے"! امیر یوسف یہ کہنے کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور شاعر اور ان کے قدر دان پریشانی کی حالت میں ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ مجلس برخاست ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد یہی شاعر جنہوں نے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تھے۔ اُس کی ہجو لکھ کر دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔

(۳)

اگلے دن ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ چچا الیاس اشبیلیہ کے بازار میں گھوم رہا تھا کہ اسے معتمد کا ایک وزیر دکھائی دیا۔ جو کسی زمانہ میں قرطبہ کے وزیر کا نائب تھا۔ الیاس اسے دیکھتے ہی آگ بگولا

ہو گیا اور اس نے آگے بڑھ کر وزیر کے سر سے عمامہ اتارا اور اس کے گلے میں ڈال کر ایک طرف کھینچنے لگا۔ پولیس کے چند آدمی پریشانِ حال وزیر کی مدد کے لئے دوڑے۔ لیکن اتنی دیر میں چالیس پچاس آدمی الیاس کے گرد جمع ہو چکے تھے اور یہ سب معتمد کے ایک وزیر کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر الیاس کے طرفدار بن چکے تھے۔ سپاہیوں نے وزیر کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن لوگوں کے سامنے اُن کی پیش نہ گئی۔ تھوڑی دیر میں الیاس کے گرد ایک اچھا خاصہ ہجوم ہو چکا تھا۔

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر الیاس سے کہا۔ "انہوں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے"؟

الیاس نے جواب دیا۔ "یہ میں امیر یوسف کے سامنے جا کر بتاؤں گا۔"

لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ اسے امیر یوسف کے پاس لے چلو"!

وزیر چلّایا۔ "یہ دیوانہ ہے۔ میں اسے نہیں جانتا۔"

"اب جھوٹ تم لوگوں کو نہیں بچا سکتا۔ تمہارا خیال تھا کہ دُنیا سے خدا کی بادشاہت ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اب یوم حساب شروع ہو چکا ہے"! یہ کہتے ہوئے الیاس نے عمامے کو ذرا زور سے مروڑا اور وزیر کی آنکھیں باہر آگئیں۔ اب آگے سے الیاس اُسے کھینچ رہا تھا اور پیچھے سے لوگ ہانک رہے تھے۔ پولیس کے سپاہی تماشائیوں کی حیثیت میں ایک طرف کھڑے تھے لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا کسی نے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اس عمر رسیدہ آدمی کو کس جُرم کی سزا دی جا رہی ہے! وزیر بدستور چلّا رہا تھا۔ "یہ پاگل ہے۔ خدا کے لئے مجھے اس سے چھڑاؤ۔ میں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ اشبیلیہ کے لوگو میں تمہارے بادشاہ کا وزیر ہوں، میں تمہارا خادم ہوں"! اور اشبیلیہ کے لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔

چند زندہ دل نوجوانوں کو دل لگی کی سوجھی اور انہوں نے راستے میں کسی کا گدھا پکڑ کر وزیر کو زبردستی اُس پر بٹھا دیا۔ امیر یوسف کے لشکر کی قیام گاہ تک پہنچتے پہنچتے آٹھ دس ہزار آدمی اس جلوس میں شریک ہو چکے تھے۔

اشبیلیہ کا وزیر اعظم ابنِ زیدون امیر یوسف سے ملاقات کر کے خیمے سے نکلا تو اُسے سامنے یہ جلوس آتا ہوا دکھائی دیا۔ اپنے ایک نائب کو اس حالت میں دیکھ کر وہ آگے بڑھا۔ عوام جو

کسی حد تک اس کا احترام کرتے تھے اُس کے راستے سے ہٹ گئے۔ وزیر ابنِ زیدون کو دیکھتے ہی وزیر گدھے سے کود پڑا لیکن الماس نے اُسے نہ چھوڑا۔ ابن زیدون نے الماس سے کہا۔ "یہ زیادتی ہے انہیں چھوڑ دو!"

الماس نے جواب دیا۔ "اسے میرے ہاتھ سے صرف امیر یوسف بن تاشفین چھڑا سکتے ہیں!"

ابن زیدون نے سوال کیا۔ "انہوں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے؟"

"آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا!"

امیر یوسف کی فوج کا ایک جرنیل ہجوم کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔ "الماس! الماس! تم کیا کر رہے ہو؟ چھوڑ دو اسے!!" یہ سعد تھا۔

الماس نے کہا۔ "آپ اسے نہیں جانتے۔ جب یہ قرطبہ کے گورنر کا نائب تھا تو اس نے ہماری جائداد ضبط کرنے کی دھمکی دے کر مجھ سے تین سو دینار وصول کئے تھے۔ میں اسے امیر یوسف کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں!"

وزیر چلایا۔ "یہ جھوٹ ہے میں اسے نہیں جانتا۔"

الماس نے کہا۔ "میں قرطبہ سے ایک ہزار گواہ مہیا کر سکتا ہوں، اُن میں سے دو سو ایسے ہوں گے جن سے تم نے زبردستی رشوتیں لی ہیں۔"

سعد نے کہا۔ "امیر یوسف ان معاملات میں دخل نہیں دیں گے اسے چھوڑ دو!"

اتنی دیر میں عبدالمنعم، احمد، حسن اور ادریس جو سعد کے خیمے میں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں پہنچ گئے اور الماس نے بادلِ ناخواستہ وزیر کو چھوڑ دیا۔

ابنِ زیدون نے آگے بڑھ کر الماس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ انہوں نے آپ سے رشوت ضرور لی ہوگی۔ لیکن اب انہیں کافی سزا مل چکی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہوں نے جو کچھ آپ سے لیا ہے، وہ آپ کو واپس مل جائے گا۔ امیر یوسف ہمارے مہمان ہیں اور انہیں ایسی باتوں کے لئے پریشان کرنا ٹھیک نہیں۔"

الماس نے جواب دیا۔ "مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں میں انصاف چاہتا ہوں اور میں اس دن کا انتظار کروں گا جب امیر یوسف کو اس ملک میں انصاف کرنے کا اختیار ہوگا۔"

(۴)

الفانسو کا خطرہ ٹل جانے کے بعد وہ رسّی بھی ٹوٹ چکی تھی، جس نے ملوک الطوائف کو عارضی طور پر ایک دوسرے سے منسلک کر رکھا تھا۔ زلاقہ کی فتح کے بعد اطمینان کا سانس لیتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف سازشوں کے جال بچھانے شروع کر دیئے۔ اُن سب کا یہی خیال تھا کہ امیر یوسف جس پر زیادہ مہربان ہو گا اُسے سارے اندلس کا حکمران بنا دیا جائے گا۔ امیر یوسف کی قیام گاہ کے باہر وہ ایک دوسرے کے ساتھ بغل گیر ہو کر ملتے۔ امیر یوسف کی سادہ زندگی کا مذاق اڑاتے اور اس پر اس قسم کے شبہات کا اظہار کرتے۔ "یہ واپس نہیں جائے گا —— یہ اندلس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے —— عوام اور علماء اس کے ساتھ ہیں —— ہمارے بڑے سے بڑے عہدہ دار کے مقابلے میں اس کے معمولی سپاہی کا زیادہ احترام کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے مرمریں ایوانوں میں اپنے گھوڑے باندھا کریں گے —— اندلس کے تمدن اور ثقافت کا جنازہ نکل جائے گا —— معتمد نے اسے اشبیلیہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے کر غلطی کی ہے۔ اب یہ ممکن نہیں کہ وہ ہمارے محل دیکھنے کے بعد اپنے جھونپڑوں میں واپس جانا پسند کریں۔"

امیر یوسف کی قیام گاہ میں وہ ایک دوسرے کے خلاف شکایات کے دفتر کھول دیتے۔ اشبیلیہ کا حکمران بطلیوس کے حکمران کے خلاف زہر اگلتا، غرناطہ کا حکمران المریہ کے حکمران کے خلاف شکایت کرتا۔ مرسیہ کا امیر معتمد کی برائیاں گنتا، غرض یہ سب ایک دوسرے کے چہرے پر سیاہی تھوپنے کی کوشش کر رہے تھے اور افریقہ کا مجاہد یہ محسوس کر رہا تھا کہ ان سب کے چہرے داغدار ہیں۔ وہ معتمد جسے زلاقہ کے میدان میں بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا تھا اس معتمد سے مختلف تھا جسے وہ اشبیلیہ میں دیکھ رہے تھے۔ یہاں اس کے اعصاب پر رمیکیہ سوار تھی۔ امیر یوسف کی آمد سے قبل وہ اشبیلیہ کی ہر محفل کا چراغ تھی لیکن اب وہ اپنے محل کی چار دیواری کے اندر ایک بے بس قیدی کی

زندگی گزاری تھی۔ اندلس میں اسلامی نظامِ حکومت کا تصور اُس کے لئے موت سے زیادہ بھیانک تھا، وہ تصور میں دیکھتی کہ اسلام کا نعرہ لگانے والے اس کے رقص و سرود کی محفلوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ شراب کے جام اُس کے ہاتھوں سے چھینے جا رہے ہیں لوگوں کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹ کر ایک ایسے انسان پر مرکوز ہو رہی ہیں جس کی قبا میں پیوند لگے ہوئے ہیں، جس میں شعر سمجھنے اور شعر کہنے کی صلاحیت بھی نہیں ـــــ اُسے ایک ایسی دنیا میں دھکیلا جا رہا ہے، جہاں بندہ اور آقا کی تمیز نہیں کی جاتی۔ جہاں عورت کو صرف ایک بیٹی، ایک بہن، ایک بیوی اور ایک ماں کی حیثیت سے دیکھا اور پہچانا جاتا ہے۔ رمیکیہ اس دنیا کے لئے ایک اجنبی تھی۔ وہ صبح شام معتمد سے یہ پوچھا کرتی تھی کہ اب ہمارا انجام کیا ہوگا؟

اندلس کے شاعر اور ادیب اور فنونِ لطیفہ کے ماہرین سب سے زیادہ فکرمند تھے۔ یہ لوگ نالائق حکمرانوں کی خوشامد سے اپنا پیٹ پالا کرتے تھے اور اب انہیں اس بات کی فکر تھی کہ اگر اندلس میں مرابطین کے پاؤں جم گئے تو اُن کا پرسان حال کوئی نہ ہوگا۔

اندلس کے رؤسا بھی یہ خدشہ محسوس کر رہے تھے کہ ملوک الطوائف کے زوال کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں طاقت آئے گی وہ انہیں کان سے پکڑ کر اقتدار کی کرسیوں سے اتار دیں گے ـــ ان سب کے لئے اپنے ذاتی اقتدار سے محروم ہونے کے بعد اندلس کی آزادی اور فارغ البالی بے معنی تھی۔

امیر یوسف آئے دن اپنی فوج کے دستے واپس روانہ کر رہا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اُس کے دس ہزار سپاہی اشبیلیہ سے جا چکے تھے۔ تاہم ملوک الطوائف کو اطمینان نہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اندلس کے ہر شہر سے لوگوں کے وفد امیر یوسف کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے اور اگر اُس نے اندلس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تو اُسے کسی بڑی فوج کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ عوام اُس کا اشارہ پاتے ہی اُن کے اقتدار کا تختہ الٹنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

معتمد ان سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اُس کا یہ خیال تھا۔ الفانسو کو شکست دینے کے بعد مرابطین اندلس کے باقی حکمرانوں کو اُس کی قیادت تسلیم کرنے پر مجبور کریں گے لیکن اُس کی یہ آرزو

پوری نہ ہوئی۔ جب اُس نے امیر یوسف کی خدمت میں گراں بہا تحائف پیش کرنے کے بعد اُس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے بعد دبی زبان سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا تو یوسف بن تاشفین نے جواب دیا۔ "آپ اپنے تحائف واپس لے جایئے۔ میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ اندلس کے ملوک الطوائف میں سے کون فرشتہ ہے اور کون شیطان ہے۔ اگر میں اندرونی معاملات میں غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ نہ کر چکا ہوتا تو میں اس ملک کو طوائف الملوکی سے نجات دلانا اپنا اولین فرض سمجھتا لیکن میرے اس اقدام سے یقیناً اُن لوگوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ جنہوں نے جمہور کی ہڈیوں پر اپنے عشرتکدے تعمیر کئے ہیں۔ میری دوستی اور دشمنی صرف خدا کے لئے ہے۔ میں اندلس میں چھوٹے چھوٹے فرعونوں کی گردن پر ایک بڑے فرعون کو سوار کرنے نہیں آیا!"

اس ملاقات کے بعد معتمد کا خوف اور اضطراب جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ ویسے بھی وہ ایک جذباتی آدمی تھا۔ اندلس کے باقی حکمرانوں کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر اس نے امیر یوسف کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ یہ حکمران اُس کے رازدار بن کر اُس کی باتیں سن لیتے اور پھر امیر یوسف کے پاس جا کر اُس کے کان بھرتے۔ المریہ کے حکمران معتصم نے معتمد اور امیر یوسف کے درمیان منافرت کی خلیج حائل کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

(۵)

امیر یوسف نے تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ میں زندگی کے آداب سیکھے تھے۔ اندلس کے امراء کی یہ ریاکاری اور منافقت اُس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اشبیلیہ میں اُس کا قیام ماہِ رمضان کے باقی دن گزارنے کے لئے تھا۔ لیکن عید سے چھ دن قبل اُسے اپنے بڑے بیٹے کی وفات کی اطلاع ملی جسے وہ سبتہ میں بیمار چھوڑ آیا تھا اور اس خبر سے تھوڑی دیر بعد اہلِ اشبیلیہ یہ سن رہے تھے کہ امیر یوسف آج ہی واپس جا رہا ہے۔

سفر کی تیاری کے بعد امیر یوسف نے سعد کو اپنے خیمے میں بلایا اور کہا۔ "سعد! اب تم اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ اپنے گھر جاؤ!"

سعد نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ "میرا گھر غرناطہ میں نہیں قرطبہ میں ہے اور اُسے آباد کرنے کے لئے مجھے کسی اور دن کا انتظار کرنا پڑے گا"۔

امیر یوسف نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "میرے دوست! تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ قرطبہ میں تمہارا گھر ضرور آباد ہو گا۔ میں پھر آؤں گا اور پھر میں اپنی شرائط کے ساتھ آؤں گا۔ تمہارے والد کی آواز ہمیشہ میرے کانوں میں گونجتی رہے گی۔"

سعد نے پُرامید ہو کر کہا "مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور آئیں گے اور یہ یقین صرف میرے لئے ہی نہیں بلکہ اندلس کے لاکھوں انسانوں کے لئے زندگی کا آخری سہارا ہے"۔

سعد کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد امیر یوسف اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ اہلِ اشبیلیہ الوداع کہنے کے لئے مستقر میں جمع ہو رہے تھے۔ ملوک الطوائف کی ٹولی ایک طرف کھڑی تھی اور اُن سے ایک طرف ہٹ کر اندلس کے علماء کا گروہ کھڑا تھا۔ عوام کے ہجوم کو سپاہیوں نے تھوڑی دور روک رکھا تھا۔ امیر یوسف سب سے پہلے علماء کی طرف متوجہ ہوا۔ اور آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے اُن کے ساتھ مصافحہ کرنے لگا۔ پھر وہ تیزی کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا عوام کے ہجوم میں گھسا۔ بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی نگاہیں یہ بتا رہی تھیں کہ وہ سب اپنے محسن کے بیٹے کی وفات کے غم میں شریک تھے۔

سیر بن ابوبکر ایک طرف کھڑا سعد کے بھائیوں اور اس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اچانک اُس کے دل میں کوئی خیال آیا اور وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اندلس کے حکمرانوں کے گروہ کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا، تو غرناطہ کا حکمران عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔

سیر بن ابوبکر نے سعد کے قریب پہنچ کر اُس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور غرناطہ کے حکمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں آپ کو ایک ضروری بات بتانا چاہتا ہوں۔ یہ میرے دوست ہیں بسر دست اُن کا گھر غرناطہ میں ہے۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی ان کے متعلق یا اُن کے عزیزوں اور دوستوں کے متعلق آپ کے دل میں کوئی برُا ارادہ پیدا ہو تو آپ اتنا ضرور سوچ لیں کہ میں انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں"۔

ابو عبداللہ نے کہا "اگر یہ آپ کے دوست ہیں تو مجھے بھی اپنا بہترین دوست پائیں گے"۔

سیر بن ابی بکر نے کہا۔ "اندلس میں دوست کا لفظ بہت بدنام ہو چکا ہے۔ میں انہیں صرف آپ کے شر سے محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں"۔

عبداللہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

امیر یوسف عوام سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اندلس کے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کے ساتھ کچھ رسمی باتیں کرنے کے بعد اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

جس وقت اشبیلیہ کے عوام آہوں اور آنسوؤں کے ساتھ اندلس کے محسن کو خدا حافظ کہہ رہے تھے، ملکہ زمیکیا اپنے محل میں جشن کی تیاریاں کر رہی تھی۔

(۶)

دوپہر کے وقت سکینہ اپنے مکان کے ایک کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ گزشتہ چند دن سے اس کی طبیعت ناساز تھی۔ ظاہرہ اس کے سرہانے بیٹھی اُس کا سر دبا رہی تھی اور میمونہ بستر کے قریب کرسی پر بیٹھی اسے ایک کتاب پڑھ کر سنا رہی تھی۔

مکان کے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور تھوڑی دیر بعد خادمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا "وہ آگئے ہیں۔ مبارک ہو!"

سکینہ کا مُرجھایا ہوا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور وہ بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

ظاہرہ نے کہا "امی جان آپ لیٹے رہیں"!

"میں بالکل ٹھیک ہوں"۔ اس نے جواب دیا۔

عبدالمنعم اپنے بیٹوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ظاہرہ اور میمونہ اُسے سلام کہہ کر ایک طرف ہٹ گئیں اور وہ کرسیاں گھسیٹ کر سکینہ کے گرد بیٹھ گئے۔ سکینہ برسوں کے بعد اپنے گھر کی پوری رونق دیکھ رہی تھی۔

عبدالمنعم نے سوال کیا "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

میں بالکل ٹھیک ہوں۔

سعد نے کہا۔ "نہیں امی جان! آپ کی صحت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ میں طبیب کو بلاتا ہوں۔"

"نہیں بیٹا! اب مجھے کسی طبیب کی ضرورت نہیں۔ تمہارے گھوڑوں کی ٹاپ سنتے ہی میرا بخار اُتر گیا تھا، اور ہاں ادریس کہاں ہے؟"

سعد نے کہا۔ "ادریس سیدھا خالہ جان کے پاس گیا ہے۔ ابھی آ جائے گا۔"

سکینہ نے طاہرہ اور میمونہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تم کونے میں کیوں جا کھڑی ہوئیں۔ یہاں آؤ!"

میمونہ اور طاہرہ لجاتی اور شرماتی ہوئی آگے بڑھیں اور سکینہ کے بستر سے دو تین قدم آگے ہٹ کر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

سکینہ نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور کہا آپ کو فتح مبارک ہو۔ اب میں صرف یہ سننا چاہتی ہوں کہ ہم قرطبہ کب جا رہے ہیں؟

عبدالمنعم نے قدرے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ "ابھی قرطبہ جانے کا وقت نہیں آیا۔"

سکینہ نے پریشان ہو کر کہا۔ "آپ کہتے ہیں کہ اگر جنگ جلدی ختم ہو گئی تو ہم عید قرطبہ جا کر منائیں گے۔"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "ہم قرطبہ ضرور جائیں گے۔ لیکن ابھی نہیں۔"

رات کے وقت میمونہ کو اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تو اس کا پہلا سوال یہ تھا، "اباجان نے قرطبہ جانے کا ارادہ کیوں تبدیل کر دیا ہے؟"

سعد نے جواب دیا۔ "اباجان نے ارادہ تبدیل نہیں کیا ملتوی کیا ہے اور اس التوا کی وجہ یہ ہے کہ قرطبہ کا ماحول ابھی ہمارے لئے سازگار نہیں۔"

میمونہ نے کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ابھی تک ہماری زندگی کی اصلی صبح نمودار نہیں ہوئی؟"

"نہیں میمونہ! صبح نمودار ہو چکی ہے لیکن ابھی تک آسمان پر تاریک بادلوں کا جمگھٹا ہے۔ یہ بادل بہت جلد چھٹ جائیں گے اور ہم اپنے مقدر کے آفتاب کو پوری آب و تاب کے ساتھ دیکھ سکیں گے۔ ہم نے وقت کی مہیب آندھی کا رُخ بدل دیا ہے لیکن ابھی چند بگولے ہیں کچھ عرصہ پریشان کرتے رہیں گے۔"

میمونہ خاموشی سے اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر مسرت کی مسکراہٹیں آہستہ آہستہ رخصت ہو رہی تھیں۔ سعد نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے میمونہ اب مجھے افریقہ نہیں جانا پڑے گا۔ اندلس کے آسمان سے یہ بادل بہت جلد چھٹ جائیں گے۔"

میمونہ خاموش رہی۔ سعد نے پھر کہا۔ "تم کیا سوچ رہی ہو میمونہ؟"

اس نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ "میں آپ کی امی جان کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ جب اہل قرطبہ نے ماموں کی افواج کو شکست دی تھی تو وہ یہ سمجھتی تھیں کہ طوفان گزر چکا ہے اور آلام و مصائب کا دورہ ختم ہو چکا ہے لیکن اُس کے بعد ان کی زندگی کی کتنی صبحیں تھیں جو راتوں سے زیادہ بھیانک تھیں۔ دن مہینوں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہو گئے اور اب بھی انہیں یقین نہیں آتا کہ یہ بھیانک رات گزر چکی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ایک لق و دق صحرا کے مسافر کی طرح صرف سراب دیکھتے ہیں۔"

سعد نے کہا۔ "میمونہ! ہمارے والدین نے اپنی زندگی کی راحتیں اس لئے قربان کیں کہ اندلس ہمارے لئے مسرتوں کا گہوارہ بن سکے۔ اور اپنی آنے والی نسلوں کو ایک بہتر زندگی کا پیغام دینے کے لئے ہمیں بھی اپنے حصے کی کئی راحتیں قربان کرنی پڑیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا حال ہمارے ماضی سے بہتر ہے اور ہمارا مستقبل ہمارے حال سے بہتر ہو گا۔"

"جب آپ مجھ سے دور تھے تو میں ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدیں دیکھ سکتی تھی، اور جب آپ میرے سامنے ہیں تو یہ سرحدیں مٹ چکی ہیں۔ میں اس دنیا میں ہوں جہاں زندگی وقت

کی زنجیروں سے آزاد ہے۔ جو پیش آچکا ہے مجھے اس کے متعلق شکایت نہیں اور جو پیش آنے والا ہے مجھے اُس کا کوئی خوف نہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں، آپ کا بازو تھام کر میں زندگی کے بڑے سے بڑے طوفان کی ہنسی اُڑا سکتی ہوں۔"

سعد مسکرایا۔ "تم ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہو میمونہ! ہم ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوئے افریقہ کے بے آب و گیاہ صحراؤں میں تم میرے ساتھ تھیں۔ میں تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ میں بھی تمہاری آواز سن سکتا تھا۔ زلاقہ کے میدان میں کسی کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا لیکن تم وہاں بھی میرے ساتھ تھیں۔ تم ہر جگہ میرے ساتھ تھیں۔ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گی، وقت اور بُعد ہمارے درمیان حائل نہیں ہو سکے گا!"

مکان کے ایک اور کمرے میں طاہرہ اور احمد محویت کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ طاہرہ کبھی کبھی اپنے شوہر سے زلاقہ کی جنگ کے متعلق کوئی سوال پوچھتی اور وہ مختصر سا جواب دینے کے بعد پھر خاموش ہو جاتا۔ بالآخر طاہرہ نے کہا۔ "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

احمد نے جواب دیا۔ "تمہارے سامنے بیٹھ کر میں ہمیشہ یہی سوچا کرتا ہوں کہ ......!"

طاہرہ نے جلدی سے اُس کا فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا کہ "طلیطلہ کی ملاقات سے پہلے بھی آپ کے ذہن میں میری تصویر موجود تھی؟"

احمد نے کہا۔ "اسے مذاق نہ سمجھو طاہرہ! تمہیں دیکھ کر میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ ہماری روحیں روزِ اوّل سے ایک دوسرے کے ساتھ مانوس تھیں اور اس زندگی میں ہم ایک دوسرے کی تلاش میں بھٹک رہے تھے ــــ اگر زندگی کا ایک حادثہ ہمیں ایک دوسرے کے قریب نہ لے آتا تو بھی تمہارا مبہم سا تصوّر مجھے ہمیشہ بے چین رکھتا۔"

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ "آپ شاعری کر رہے ہیں!"

"یہ شاعری نہیں طاہرہ! کبھی کبھی تمہارے مُنہ سے اچانک کوئی بات نکلتی ہے تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے کان اسے پہلے ہی سن چکے ہیں۔"

طاہرہ نے اپنے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز تبسم لاتے ہوئے کہا، "خدا نے آپ کو محبت کرنے والا دل عطا کیا ہے۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتی تو اُس کے ساتھ بھی آپ اسی قسم کی باتیں کیا کرتے؟"

احمد نے اپنے چہرے پر مصنوعی غصہ لاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو طاہرہ! تم میری محبت کی توہین کر رہی ہو!"

طاہرہ نے اپنے ہاتھ سے اُس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔ "آپ خفا ہو گئے۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ کبھی کبھی میں بھی آپ کی طرح سوچا کرتی ہوں ہم ستاروں کی حسین دنیا میں آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے۔ پھر ہم کھیلتے کھیلتے اُس دنیا سے نکل آئے۔ میں آپ کی نگاہوں سے چھپ کر طلیطلہ پہنچ گئی اور آپ مجھے برسوں قرطبہ اور غرناطہ میں تلاش کرنے کے بعد وہاں پہنچ گئے۔ اب ہم آنکھ مچولی نہیں کھیلیں گے۔ میں بازی ہار چکی ہوں۔"

"میری زندگی، میری روح!" احمد نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس ہار کا افسوس تو نہیں؟"

"میرے آقا! یہ ہار میری زندگی کی سب سے بڑی فتح ہے۔"

(۷)

عید سے ایک ہفتہ بعد حسن کی خالہ اُن کے گھر آئی اور اُس نے اپنی بہن سے کہا۔ "سکینہ، اب حسن کی شادی کا انتظام کرو!"

"آپا جان! میں کئی دن سے سوچ رہی ہوں۔ پڑوس میں ایک اچھے خاندان کی دو لڑکیاں ہیں۔ آپ کسی دن میمونہ اور طاہرہ کو ساتھ لے کر دیکھ آئیں!"

"کسی دن کیوں۔ ہم آج ہی جائیں گے!"

"آپا جان! اتنی جلدی نہیں۔ میں نے ابھی تک حسن سے نہیں پوچھا۔"

"حسن! حسن!!" خالہ نے بلند آواز میں کہا۔ "کہاں گیا وہ؟"

وہ اپنے ابا اور بھائیوں کے ساتھ قاضی ابوجعفر کے پاس گیا ہے۔"

خالہ نے جل کر کہا۔" اس بوڑھے سے خدا سمجھے، اب کیا چاہتا ہے وہ؟"

میمونہ نے اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔" کون خالہ جان؟"

"ابوجعفر اور کون؟"

تھوڑی دیر بعد عبدالمنعم اور اس کے بیٹے گھر آئے تو خالہ نے خادمہ کو بھیج کر حسن کو اندر بلالیا۔

خالہ نے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا۔" حسن ہمارا خیال ہے کہ اسی مہینے تمہاری شادی کر دی جائے کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

حسن کی خاموشی پر وہ سکینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔" سعادت مند بیٹے ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا کرتے۔ میمونہ بیٹی! تم تیاری کرو۔ ہم ابھی لڑکی کو دیکھ کر آتی ہیں۔ وہ کون سا گھر ہے سکینہ؟"

حسن نے میمونہ اور طاہرہ کے ہونٹوں پر تبسم دیکھ کر کہا۔" خالہ جان! آپ میری فکر نہ کریں۔ میری شادی ہو چکی ہے۔"

"کیا کہا؟" خالہ بدحواس ہو کر چلائی۔

" خالہ جان! میں نے کہا ہے کہ میری شادی ہو چکی ہے!"

"کہاں، کب؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی!"

" یہ تو بہت دیر کی بات ہے خالہ جان۔ آپ کو ابھی تک معلوم نہیں ہوا؟"

خالہ نے قدرے مغموم ہو کر کہا۔" کیوں سکینہ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ آخر اس میں چھپانے والی کون سی بات ہے۔ میں عبدالمنعم کو کہتی ہوں کہ آج ہی بہو کو گھر لانے کی تیاری کرے۔"

سکینہ، میمونہ اور طاہرہ پریشانی کی حالت میں ایک دوسری کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ خالہ نے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔" بیٹا حسن مجھے بتاؤ ان کا گھر کہاں ہے۔ کیسے نالائق ہو تم۔ گھر آکر کسی کے ساتھ ذکر بھی نہیں کیا۔ وہ لوگ تمہارے متعلق کیا خیال کریں گے۔ وہ لڑکی کیسی ہے

کیا نام ہے اس کا؟"

حسن نے کہا۔" خالہ جان وہ بے حد حسین ہے۔ اندلس میں اس سے زیادہ حسین کوئی نہیں۔ اگر آپ ابھی دیکھنا چاہیں تو میں دکھا سکتا ہوں!"

حسن یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے کہا۔" یہ دیکھئے خالہ جان! یہ میری رفیقہ حیات ہے۔"

خالہ نے کہا۔" یہ سب ابوجعفر کی صحبت کا اثر ہے۔ خدا اس کا ستیاناس کرے!"

حسن ہنستا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ خالہ نے قدرے توقف کے بعد آواز دی۔" حسن! حسن!! ادھر آؤ!"

حسن دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔" خالہ جان! آپ کچھ اور کہنا چاہتی ہیں؟"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں؟"

حسن نے سنجیدہ ہو کر کہا۔" میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے چکا ہوں خالہ جان! ابھی آپ یہ مسئلہ نہ چھیڑیں۔"

حصنُ اللّیط

امیر یوسف بن تاشفین کی واپسی کے بعد اندلس میں اقتدار کی جنگ ایک نئی شدت کے ساتھ شروع ہوئی اور اہل اندلس کے آلام و مصائب میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا۔ بیرونی خطرات سے نجات حاصل کرتے ہی ملوک الطوائف کی تمام تر توجہ اُن لوگوں کی طرف مبذول ہو رہی تھی جو اندلس میں شرعی حکومت کا نفاذ چاہتے تھے۔ اسلام کا نعرہ لگانے والوں کو سختی کے ساتھ دبانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ حکومت کے جاسوسوں کی سرگرمیوں کے مرکز وہ مساجد اور درسگاہیں تھیں جہاں سے اسلامی حکومت کے حق میں آواز اُٹھ رہی تھی۔ غیر شرعی ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے والوں کی جائدادیں ضبط کی جا رہی تھیں۔

حکمران اپنی اپنی سلطنتوں میں ایسے مبلغوں کی جماعت تیار کر رہے تھے جو ان کے اشارے پر علمائے حق کے خلاف فتوے دینے کے لئے مستعد رہتے تھے لیکن یہ حریت پسند اُمید کی روشنی دیکھ چکے تھے، اب وہ اقتدار پرستوں کے جبر و استبداد سے مرعوب ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ امراء کے تشدد کے ساتھ اُن کا جوش و خروش بڑھتا گیا۔

دوسری طرف زلاقہ کے میدان میں عبرتناک شکست کھانے کے بعد عیسائی یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہوا کا رُخ بدل چکا ہے۔ اب اگر مسلمان آگے بڑھے تو اندلس کے آخری گوشے تک انہیں کوئی طاقت نہیں روک سکے گی۔ لیکن امیر یوسف کی واپسی کے بعد اندلس کی اندرونی کشمکش کی اطلاعات سُن کر اُن کے حوصلے پھر ایک بار بلند ہونے لگے۔ الفانسو نے اشبیلیہ، بطلیوس اور جنوب مغرب کی دوسری سلطنتوں کے ساتھ دوبارہ ٹکر لینے کی بجائے اپنی قوت کو جنوب مشرق

کے محاذ پر جمع کرنا شروع کر دیا۔

حصن اللّیط پر ابھی تک الفانسو کے سپہ سالار الوار فانیز کا قبضہ تھا۔ یہ قلعہ لورقہ اور مرسیہ کے درمیان ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور اپنے محلِ وقوع کے باعث اس قدر مضبوط اور مستحکم تھا کہ یہاں مٹھی بھر سپاہی ایک بڑی سے بڑی فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بارہ تیرہ ہزار سپاہی یہاں مستقل طور پر قیام کر سکتے تھے، الفانسو اور اس کے حلیف بادشاہوں نے نصرانی فوج کو از سرِ نو منظم کیا اور اپنے بہترین دستے حصن اللّیط میں منتقل کر دیئے۔

حصن اللّیط کی فوج نے زلاقہ کی شکست کا انتقام لینے کے لئے قرب و جوار میں مرسیہ، شنقورہ، لورقہ اور المریہ کے علاقوں میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا طوفان بپا کر دیا۔ چند مہینوں میں اس قلعہ کے ارد گرد مسلمانوں کی بستیاں اور شہر کھنڈروں میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔

بلنسیہ کے مسلمان جنہوں نے مدت کے بعد اہل قسطلہ کے مظالم سے نجات حاصل کی تھی اب ایک نئی مصیبت کا سامنا کر رہے تھے۔ قسطلہ کا مشہور نائٹ سِڈ قنبیطور[1] جو کبھی مسلمانوں سے معاوضہ لے کر عیسائیوں کے ساتھ اور عیسائیوں سے معاوضہ لے کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑنے میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اب بلنسیہ کو اپنی شکارگاہ بنا چکا تھا۔ زلاقہ کی شکست کے بعد جب قسطلہ کی افواج بلنسیہ سے نکل گئیں تو عوام نے یحییٰ القادر کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یحییٰ نے الفانسو کی اعانت سے محروم ہونے کے بعد قنبیطور کو اپنا سرپرست بنا لیا اور قنبیطور نے پیشہ ور ڈاکوؤں اور لٹیروں کی فوج کے ساتھ قسطلہ کی فوج کی جگہ لے لی۔ وہ یحییٰ سے چھ ہزار

---

[1] ڈان راڈیگو۔ کمپیا ڈر یا قنبیطور اس کا لقب تھا۔ قسطلہ کی زبان میں اس کے معنی "نبرد آزما" "مبارزہ جو" ہیں۔ سِڈ (Cid) عربی لفظ السّید کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس طرح الفانسو نے اپنے نام کے ساتھ "حامی دینِ مسیح و اسلام" کے الفاظ پسند کئے تھے۔ اُسی طرح قنبیطور نے بھی اپنے لئے سیّد کا لفظ منتخب کیا تھا جو بگڑتے بگڑتے صرف (Cid) سِڈ رہ گیا۔

اشرفی روزانہ وصول کرتا تھا اور اس کی فوج کو بلنسیہ میں لوٹ مار اور قتل و غارت کی پوری آزادی تھی،
غرض بلنسیہ میں تنبیطور اور حصن اللیط میں قسطلی جرنیل کی سرگرمیوں کے باعث جنوب مشرقی اندلس کے مسلمان بُری طرح پس رہے تھے۔ مرسیہ، المریہ اور دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے وفد ملوک الطوائف کے پاس پہنچے لیکن اُن میں سے اکثر ایسے تھے جو جنگ کی بجائے الفانسو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی فکر کر رہے تھے۔

اچانک معتمد اشبیلیہ سے اپنی فوج لے کر نکلا اور جنوب مشرقی اندلس کے تباہ حال باشندے یہ محسوس کرنے لگے کہ خدا نے اُن کی فریاد سُن لی ہے لیکن قرطبہ کی سرحد عبور کرنے کے بعد اشبیلیہ کی فوج نے حصن اللیط کی طرف بڑھنے کی بجائے اپنا رُخ لورقہ کی طرف بدل دیا۔ اب اس کے عزائم کے متعلق کسی کو غلط فہمی نہ تھی۔ معتمد اس سے قبل کئی بار لورقہ اور مرسیہ پر حق جتا چکا تھا۔ اب وہ یہ سمجھتا تھا کہ اپنے حکمرانوں سے مایوس اور دشمن کے حملوں سے پریشان لوگ اُسے اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کی راہ میں آنکھیں بچھائیں گے لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ لورقہ کے راستے میں اچانک اس کی فوج کا حصن اللیط کے چند دستوں کے ساتھ تصادم ہو گیا اور معتمد نے شکست کھا کر مرسیہ کا رُخ کیا۔ ابنِ رشیق عیسائیوں کے ہاتھوں پٹی ہوئی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے جنگ کے لئے شہر سے باہر نکل آیا اور معتمد نے لڑائی کے بغیر واپس لوٹ آنا اپنے لئے بہتر سمجھا۔
معتمد کی شکست کے بعد حصن اللیط کے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے قرطبہ اور غرناطہ کی سرحدوں تک لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ ان المناک حالات میں اہل اندلس کی نگاہیں پھر افریقہ کی طرف اُٹھ رہی تھی۔ لیکن افریقہ کے اندرونی حالات نے امیر یوسف کو اپنا وطن چھوڑ کر اندلس آنے کی اجازت نہ دی۔ اندلس کے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ بالآخر جنوب مشرقی اندلس کی ریاستوں کے اکابر کا ایک گروہ مراکش پہنچا اور انہوں نے امیر یوسف کے سامنے فریاد کی۔
ان لوگوں کی منت و زاری سے متاثر ہو کر امیر یوسف نے انہیں تسلی دی اور وعدہ کیا کہ عنقریب سمندر عبور کر کے اُن کی مدد کے لئے پہنچ جائیں گے۔

لورقہ کے قریب عیسائیوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد معتمد کی آنکھیں بھی کھل چکی تھیں۔ اندلس کے عوام سے زیادہ اپنی بے بسی اور مجبوری کے احساس سے وہ بذاتِ خود امیر یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر یوسف اس کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ چند دن امیر یوسف کے پاس قیام کرنے کے بعد معتمد واپس لوٹا تو اندلس کے پریشان حال باشندے یہ خبر سن رہے تھے کہ امیر یوسف جلد آ رہے ہیں۔

(۲)

امیر یوسف بن تاشفین نے حصن اللیط کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ قلعے کے اندر عیسائیوں کی تیرہ ہزار فوج کیل کانٹے سے لیس تھی۔ چند معمولی حملوں کے بعد امیر یوسف نے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانے کے بعد ایک دن علی الصباح فیصلہ کن حملہ کیا۔ ملوک الطوائف کی باقاعدہ افواج اور اندلس کے رضاکاروں نے قلعے کی مشرقی اور مغربی اور شمالی سمتوں سے پیش قدمی کی اور مرابطین کا لشکر جنوب اور مغرب سے آگے بڑھنے لگا۔

دشمن کے تیر اندازوں نے قلعہ سے باہر بلند پہاڑ کے چاروں طرف جگہ جگہ مورچے بنا رکھے تھے۔ مرابطین کی فوج ایک سیلاب کے ریلے کی طرح انہیں روندتی اور دھکیلتی ہوئی قلعے کی دیواروں تک جا پہنچی۔ لیکن اندلس کے حکمرانوں کا لشکر دشوار گزار پہاڑ کا نصف راستہ طے کرنے کے بعد دشمن کی تیروں کی بارش میں الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ رضاکاروں کے دستوں نے ہمت سے کام لیا اور وہ قدم قدم پر شدید نقصان اٹھانے کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے لیکن قلعے کی فصیل سے تیروں کی بوچھاڑ میں انہیں پاؤں جمانے کا موقع نہ ملا۔ اس کے ساتھ ہی قلعے سے باہر نصرانی تیر اندازوں کے بعض دستے ملوک الطوائف کی افواج کو پہاڑ سے نیچے دھکیلنے کے بعد رضاکاروں کی مختصر سی جماعت پر ٹوٹ پڑے اور انہیں مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کے محافظ مشرق اور شمال کی اطراف محفوظ سمجھ کر اپنی بیشتر قوت جنوب اور مغرب کی طرف سمیٹ چکے تھے۔
مرابطین نے چند بار سیڑھیوں اور کمندوں کی مدد سے قلعے کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن

عیسائی اوپر سے تیر برسانے کے علاوہ اُن پر کھولتا ہُوا تیل پھینک رہے تھے۔ اس نازک مرحلے پر امیر یوسف کو اپنے حلیفوں کی پسپائی کی اطلاع ملی اور اس نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔

شام تک ملوک الطوائف یکے بعد دیگرے اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے امیر یوسف کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ معتمد نے تخلیے میں ملاقات کی تو اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میری فوج سب سے آگے تھی لیکن بطلیوس، غرناطہ، المریہ اور مرسیہ کی افواج نے بزدلی سے کام لیا اور دشمن کو دیکھتے ہی بھاگ نکلیں اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میرے سپاہیوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے ——— بطلیوس کے حکمران کو امیر یوسف کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا تو اس نے اس ناکامی کی تمام ذمہ داری اشبیلیہ والوں کے سر تھوپ دی۔ اسی طرح قریباً ہر حکمران نے اپنے حصے کی سیاہی دوسرے حکمرانوں کے منہ پر تھوپنے کی کوشش کی۔ امیر یوسف نے خاموشی سے سب کی باتیں سُنیں اور ہر ایک کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ آپ کل ظہر کی نماز کے بعد میرے خیمے میں تشریف لے آئیں اب قریباً ہر حکمران یہ سمجھ رہا تھا کہ امیر یوسف کے ساتھ دوہری ملاقات کا شرف صرف اُسی کو حاصل ہونے والا ہے۔

لیکن اگلے دن یہ سب امیر یوسف کے ملاقات کے خیمے میں ایک پریشان کن صورتِ حال کا سامنا کر رہے تھے۔ ہر حکمران اپنے دل میں یہ خیال لے کر امیر یوسف کے خیمے میں داخل ہوتا کہ آج اُسے دوسروں کے متعلق جی بھر کر شکایات کرنے کا موقع ملے گا اور وہ اپنے آپ کو اندلس کی حکومت کا صحیح حق دار ثابت کر سکے گا لیکن اپنے رقیبوں کو پہلے ہی خیمے کے اندر دیکھ کر اس کی مسرت حیرانی اور اضطراب میں تبدیل ہو جاتی۔ تھوڑی دیر میں ملوک الطوائف کے علاوہ اندلس کے رضاکاروں کے چیدہ چیدہ سالار بھی وہاں موجود تھے۔ جواہرات سے مزین کرسیوں پر بیٹھنے والے حکمران لکڑی کی معمولی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن کسی کو اس بات کا احساس بھی نہ تھا۔ اُن سب کی نگاہیں خیمے کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔

(۳)

امیر یوسف اپنی قیام گاہ سے نکل کر ملاقات کے خیمے میں داخل ہُوا۔ اس کی راہنمائی کے لئے کوئی نقیب نہ تھا۔ اُس کے راستے میں اطلس اور کمخواب کی چادریں اور بیش قیمت قالین نہیں بچھائے گئے تھے لیکن دیکھنے والے یہ محسوس کر رہے تھے کہ پہاڑوں کی عظمت، دریاؤں کی سطوت، صحراؤں کی وسعت اور سمندروں کی ہیبت ایک انسان کے وجود میں جمع ہو چکی ہے۔ رحم و محبت کا یہ پیکرِ مجسم جس نے جزیرۃ الخضرا میں ایک دیوانی بڑھیا کو دیکھنے کے بعد آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ کہا تھا کہ "میں تمہارا بیٹا ہوں"۔ آج اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ اُن تاجداروں کے سامنے کھڑا تھا جن کے ساتھ آنکھ ملا کر بات کرنا گستاخی سمجھی جاتی تھی۔ اندلس کے بادشاہ اس کی تعظیم کے لئے اُٹھے لیکن اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر پھر بیٹھ گئے۔ اُس نے ملوک الطوائف کی طرف دیکھا لیکن کسی کو اس کے ساتھ آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اُس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور سننے والے یہ محسوس کرنے لگے کہ کسی بحرِ ذخار کی پرسکون سطح پر تموج پیدا ہو رہا ہے۔ وہ اشبیلیہ کے حکمران سے مخاطب ہو کر بولا "سلطان معتمد! آپ کو بطلیوس کے حکمران سے کوئی شکایت ہے؟"

معتمد نے اُٹھ کر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں جواب دیا "ہم ایک ہی مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔"

امیر یوسف نے بطلیوس کے حکمران کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا ——— "اور آپ ان کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں"۔ اس نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

امیر یوسف نے غرناطہ کے حکمران سے سوال کیا "امیر عبداللہ! آپ آج کے واقعات کی ذمہ داری اپنے ساتھیوں میں سے کسی پر عائد کرنا چاہتے ہیں؟"

امیر عبداللہ گھبرا کر اُٹھا۔ لیکن اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

یوسف بن تاشفین نے باقی حکمرانوں کی طرف دیکھا اور کہا اگر آپ میں سے کوئی کسی کی

شکایت کرنا چاہتا ہو تو میں سننے کے لئے تیار ہوں!"

ملوک الطوائف نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور گردنیں جھکا لیں۔

امیر یوسف نے قدرے توقف کے بعد کہا۔"آپ ایک دوسرے کے سامنے زبان کھولتے ہوئے ڈرتے ہیں لیکن اگر آپ کے دلوں میں اسی قدر خدا کا خوف ہوتا تو میں آج اندلس کی یہ حالت نہ دیکھتا۔ آپ کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے لیکن ظاہری حیا اور شرافت نے آپ کے ہونٹوں پر مہریں لگا دی ہیں، کاش خدا کے سامنے بھی آپ اسی قدر حیا اور شرافت کا مظاہرہ کرتے۔۔۔۔ جب آپ کی فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ رہی تھیں تو میں وہاں موجود نہ تھا۔۔۔۔۔ لیکن خدا آپ کو دیکھ رہا تھا۔ اگر خدا کے ساتھ آپ کا معاملہ ٹھیک تھا تو آپ میں سے کسی کو میرے پاس آ کر اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔۔۔۔۔ لیکن آپ نے ایک دوسرے کے منہ پر سیاہی تھوپنے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ میں سے ہر ایک کا چہرہ داغدار ہے اور اس محفل میں آپ کی صورتیں دیکھ کر میرے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ آپ میں سے فرشتہ کون ہے؟"

امیر یوسف یہ کہہ کر آگے بڑھا اور پچھلی قطار میں غرناطہ کے رضاکاروں کے عمر رسیدہ سالار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔۔۔"عبدالمنعم! آپ اسی محاذ پر تھے، آپ ان معززین کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ان میں سے فرشتہ کون ہے؟"

عبدالمنعم نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔"حملے کے وقت ہماری نگاہیں پہاڑ کی چوٹی کی طرف تھیں۔ قلعے کی فصیل کے قریب پہنچ کر ہم نے مڑ کر دیکھا تو یہ معززین الٹے پاؤں بھاگ کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

امیر یوسف نے کہا۔"اور پہاڑ کے دامن میں دشمن کے تیر انداز اپنے مورچوں سے نکل کر ان کا تعاقب کر رہے ہوں گے؟"

"نہیں۔ وہ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر ہمارے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

معتمد نے اٹھ کر کہا۔"یہ غلط ہے، میری فوج کو دشمن کی شدید ترین مزاحمت کے باعث پیچھے ہٹنا پڑا۔"

غرناطہ کے حکمران نے احتجاج کیا۔"میری فوج غرناطہ کے رضاکاروں کے دائیں ہاتھ تھی اور قلعے کی دیوار تک عبدالمنعم کے پہنچ جانے کی وجہ بھی یہ تھی کہ میری فوج نے راستے میں تیر اندازوں کے مورچوں پر حملہ کر کے انہیں آگے بڑھنے کا موقع دیا تھا۔"

معتصم نے اٹھ کر کہا۔"میری فوج اس وقت پیچھے ہٹی تھی جب وہ دوسروں کی پسپائی کے باعث مکمل تباہی کا سامنا کر رہی تھی۔ حسن بن عبدالمنعم، المریہ اور مرسیہ کے رضاکاروں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں؟"

حسن کے زخمی بازوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ ایک کونے سے اٹھا اور بولا۔"میں اس بات کی گواہی دینے کے لئے تیار ہوں، کہ المریہ کی باقاعدہ فوج بہادری کے ساتھ لڑ رہی تھی لیکن اگر امیر معتصم دوسروں کی دیکھا دیکھی انہیں پسپائی کا حکم نہ دیتے تو قلعے کی دیوار کے قریب پہنچ کر ہمیں اس قدر نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ المریہ کے سپاہیوں کا استقلال دیکھ کر دوسری افواج کی غیرت جوش مارتی اور وہ واپس لوٹ آتیں۔ میں امیر معتصم کی نیت پر حملہ نہیں کرتا لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے غلطی نہیں ہوئی۔"

بطلیوس، مالقہ، مرسیہ اور دوسری ریاستوں کے حکمران ایک ساتھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے لیکن امیر یوسف نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ سب دم بخود ہو کر بیٹھ گئے۔

"میں اس موضوع پر مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی زبانیں آپ کی تلواروں کی نسبت کہیں زیادہ تیز ہیں۔ زلاقہ کی فتح کے بعد میں اپنے دل میں یہ تلخ احساس لے کر واپس گیا تھا کہ میں جن لوگوں کے ہاتھ میں اندلس کے مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ کر جا رہا ہوں، وہ نااہل ہیں لیکن آج آپ نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ آپ صرف نااہل ہی نہیں بدنیت

اور بزدل بھی ہیں۔"

امیر معتمد احتجاج کے لئے اُٹھا لیکن امیر یوسف نے اُسے بیٹھنے کے لئے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے کان ایسے الفاظ سے آشنا نہیں۔ تم بدترین خصلتوں کے لئے بہترین نام پسند کرتے ہو۔ تمہارے شاعروں اور خوشامدیوں نے تمہاری ذہنیت مسخ کر دی ہے۔ لیکن اگر تم نااہل نہ ہوتے تو اسلام کے دشمن اندلس کو فتح کرنے کے خواب نہ دیکھتے۔ اگر تم لوگ بدنیت نہ ہوتے تو اسلام کی راہ سے ہٹ کر گمراہی کی تاریک راہوں میں نہ بھٹکتے۔ تم جانتے ہو کہ اسلام وہ آخری حصار ہے جس کے اندر جمع ہو کر تم کفر کی طغیانیوں سے بچ سکتے ہو۔ تم نے زلاقہ کی فتح کے بعد مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اسلام کی حدود کے پابند رہو گے اور ہر اس قانون کی منسوخ کرو گے جو غیر اسلامی ہے۔ لیکن اب تک تم نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اندلس میں غیر شرعی قوانین کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کا گلا گھونٹا جاتا ہے اور غیر اسلامی ٹیکسوں میں اور بھی اضافہ کر دیا گیا ہے اور اس کا نتیجہ تم آج دیکھ رہے ہو۔ زلاقہ کے میدان میں نصرانی فوج کی تباہی دیکھنے کے بعد یہ بات تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ الفانسو دوبارہ مسلمانوں کی طرف ہاتھ اٹھانے کی ہمت کرے گا۔ لیکن آج ہم حصن الّیط میں اس کی ایک نئی فوج دیکھ رہے ہیں اور تمہارے سپاہیوں میں وہ جوش و خروش بھی نہیں رہا جو میں نے زلاقہ کے میدان میں دیکھا تھا۔ اس وقت اندلس کے عوام تمہارے ساتھ تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے لیکن آج وہ تم سے کوسوں دور جا چکے ہیں۔ آج وہ یہ سمجھ چکے ہیں کہ الفانسو کی اسلام دشمنی اور تمہاری اسلام دوستی میں کوئی فرق نہیں۔ ایک ماہ قبل یہاں اندلس کے طول و عرض سے قریباً

آٹھ ہزار رضاکار جمع ہو گئے تھے۔ اب اُن کی تعداد اڑھائی ہزار بھی نہیں رہی وہ جہاد کی نیت سے آئے تھے لیکن تمہارے طرزِ عمل نے اُن پر ثابت کر دیا کہ زلاقہ کی طرح حصن الّیط کی فتح کے اثرات بھی تمہارے مرمریں ایوانوں تک ہی محدود رہیں گے۔ سان کے جھونپڑوں کی تاریکی بدستور اسی طرح رہے گی۔ تم جس درخت کا پھل کھاتے ہو اُسی کی جڑیں کاٹنے کی فکر میں ہو جس مکان میں رہتے ہو اسی کی بنیادیں کھود رہے ہو۔ پھر میں کیوں نہ کہوں کہ تم بدنیت ہو اور اگر تم بزدل نہ ہوتے تو آج حصن الّیط کی قسمت کا فیصلہ شہیدوں کے اس مقدس خون سے لکھا جاتا جو اس قلعے کی دیوار کے نیچے بہایا گیا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم اس قدر اچانک بھاگ نکلو گے تو میں اپنی فوج کو صرف جنوب اور مشرق کی سمت جمع کرنے کی بجائے چاروں اطراف پھیلا دیتا۔ حصن الّیط کو فتح کرنے کے لئے مجھے پیٹھ پر تیر کھانے والے بھگوڑوں کی رفاقت نہیں چاہیئے۔ مجھے مجاہدوں کی ضرورت ہے جو سینے پر تیر کھا کر مسکرا سکتے ہیں۔۔۔۔! میں حصن الّیط کو ہر قیمت پر فتح کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ میں نے خدا کی راہ میں جو قدم اُٹھایا ہے وہ واپس نہیں لوں گا اور میں نے تمہیں اس لئے یہاں جمع ہونے کی دعوت نہیں دی تھی کہ تمہیں وعظ سناؤں اور پھر تم سے درخواست کروں۔ کہ تم آئندہ نیک نیتی کے ساتھ میرا ساتھ دو۔ بلکہ میں تمہیں غیر مبہم الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر تمہارے دلوں پر خدا کی بجائے الفانسو کا خوف سوار ہے تو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا۔ مجھے ان لوگوں کی رفاقت گوارا نہیں جن کی پیٹھ منزل کی طرف ہو۔"

بطلیوس کے حکمران نے اُٹھ کر کہا۔ "اگر ماضی کے متعلق ہماری سے ندامت کا اظہار کافی ہو تو ہم مستقبل کے متعلق آپ کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔"

معتمد نے اس کی تائید میں کہا۔ "ہم اپنی سابقہ کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں لیکن آج کے

بعد آپ ہمیں بدنیتی یا بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکیں گے۔"

معتصم بولا۔ "ہمیں افریقہ کے بہادروں کی برابری کا دعویٰ نہیں لیکن میں آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ آپ کو دوبارہ ایسی باتیں نہیں کہنی پڑیں گی۔"

باقی حکمرانوں نے بھی امیر یوسف کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "تمہیں تجدید عہد سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے۔ وہ دن دور نہیں جب تمہارے وعدوں کو عمل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ میں بزدلوں اور ناپاجیوں کو معاف کر سکتا ہوں۔ بد عہدی کرنے والے کے لئے میرے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ تم عجلت سے کام نہ لو۔ میں کل غروب آفتاب تک تمہیں سوچنے کی مہلت دیتا ہوں۔ کل عشاء کی نماز کے بعد ہم پھر اسی جگہ جمع ہوں گے اور کل میں ان کرسیوں پر صرف ان کو دیکھنا چاہتا ہوں جو ہمارے ساتھ آگ سے کھیلنے اور خون میں نہانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

مجلس برخاست ہونے کے بعد اندلس کے حکمران خیمے سے باہر نکلے تو دروازے پر انہیں قاضی ابوجعفر اور قاضی ابوالولید مراکش کے ایک فقیہہ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

مالقہ کے حاکم نے معتمد کے کان میں کہا۔ "آج امیر المرابطین کی زبان سے ابوجعفر کی روح بول رہی تھی۔"

معتمد نے غرناطہ کے حکمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ یہ ایک ہفتے سے یہاں آیا ہوا ہے۔ اگر آپ اس کا کوئی علاج کر سکتے تو آج ہم اس طرح ذلیل و رسوا نہ ہوتے ——!"

عبداللہ نے کہا۔ "ابوجعفر کے متعلق آپ کو دوبارہ شکایت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں صرف اس بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ یہ غرناطہ کب جاتا ہے۔"

مالقہ کے حاکم نے کہا۔ "آہستہ بات کیجئے۔ معتصم کے کان بہت تیز ہیں۔"

معتمد اور عبداللہ نے مڑ کر دیکھا اور معتصم کو اپنے پیچھے ابن رشیق کے ساتھ ہم کلام دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

(۴)

حصن اللیط کے شمال مغرب میں دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ سعد تین ماہ سے اس قلعے کی حفاظت پر متعین تھا۔ امیر یوسف نے اس کی کمان میں ایک ہزار سوار دے رکھے تھے۔ جن میں سے قریباً اڑھائی سو اس قلعے میں رہتے تھے اور باقی طلیطلہ اور قسطلہ کی طرف سے دشمن کی آمد و رفت کے راستوں پر پہرہ دینے کے لئے دریا کے کنارے کے ساتھ دور تک چھوٹی چھوٹی چوکیوں پر پھیلا دیئے گئے تھے۔ حصن اللیط کے محاذ سے اس قلعہ میں منتقل ہونے کے چند ہفتے بعد سعد نے میمونہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ یہ میمونہ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی اور گرد و پیش کے خطرات کے باوجود اس قلعے کے ایک کونے میں ایک معمولی مکان اس کے لئے جنت سے کم نہ تھا۔ الماس جو غرناطہ سے میمونہ اور اس کی خادمہ کے ساتھ آیا تھا۔ اس مکان کی نچلی منزل کے ایک کمرے میں رہتا تھا۔

ایک رات میمونہ کمرے میں بیٹھی اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔ سعد کو دن کے تیسرے پہر یہ اطلاع ملی تھی کہ دشمن کے چند دستے اس قلعے سے پندرہ کوس کے فاصلے پر دریا کی دوسری طرف دیکھے گئے تھے اور وہ اسی وقت قریباً ایک سو سواروں کے ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔ آدھی رات کے قریب میمونہ کو قلعے کے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی، اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں کہہ رہی تھی۔ "اب وہ قلعے کے اندر داخل ہو رہے ہوں گے۔ اب وہ اپنے گھوڑوں سے اتر رہے ہوں گے۔ اب وہ سیڑھیوں کا رخ کر رہے ہیں، اور اب وہ اوپر چڑھ رہے ہیں۔ ایک، دو، تین، چار —— وہ لکڑی کے زینے پر کسی کے پاؤں کی آہٹ کے ساتھ ساتھ گنتی گن رہی تھی۔ بائیس تک پہنچ کر وہ رک گئی۔ اب پاؤں کی آہٹ برآمدے میں پہنچ چکی تھی۔

"میمونہ! میمونہ!!" سعد کی آواز آئی اور میمونہ نے آنکھیں کھولے بغیر کرسی سے اٹھ کر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ سعد نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "میمونہ میں آ گیا ہوں۔ اب آنکھیں کھول دو۔" اور وہ ہنستی ہوئی آگے بڑھ کر اپنے شوہر کے ساتھ لپٹ گئی۔

سعد نے اس کے خوبصورت بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم اتنی دیر میرا انتظار کیا کرو

اب مجھے زیادہ وقت قلعے سے باہر رہنا پڑے گا۔ اب اس علاقے کے حالات تسلی بخش نہیں رہے۔ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ تمہیں گھر بھیج دوں!

میمونہ نے کہا۔ "مستقبل کے متعلق پریشان نہ کیجئے۔ میں آج کے واقعات سننا چاہتی ہوں!"

"وہ اطلاع درست تھی۔ دشمن کے سپاہی خچروں پر رسد کا سامان لا رہے تھے۔ ہم نے غروب آفتاب کے بعد انہیں اطمینان کے ساتھ دریا عبور کرنے کا موقع دیا اور اس کے بعد اچانک ایک پہاڑی کی اوٹ سے نکل کر انہیں گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کے پچاس سپاہی مارے گئے اور چند بھاگ گئے۔۔۔ سامان سے لدے ہوئے دو سو خچر ہم نے اپنے قبضے میں لے لئے ہیں۔"

میمونہ نے کہا۔ "میں کھانا لاتی ہوں۔"

سعد نے دوسرے کمرے میں جا کر ہاتھ دھوئے اور واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ میمونہ نے کھانا لاکر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ زرہ نہیں اتاریں گے؟"

"نہیں مجھے ابھی باہر جانا ہے۔"

میمونہ کوئی اور سوال کئے بغیر اپنے شوہر کے سامنے بیٹھ گئی۔ سعد جلد جلدی کھانا ختم کرنے کے بعد اٹھا اور بولا۔ "میمونہ! میں پرسوں تک واپس آجاؤں گا۔"

"آپ کہیں دور جا رہے ہیں؟" میمونہ نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

"میں امیر یوسف کے پاس جا رہا ہوں۔ چند باتیں ایسی ہیں جن کے لئے میرا ذاتی طور پر وہاں جانا ضروری ہے۔"

میمونہ نے کہا۔ "جانے سے پہلے آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ ابا جان کے ساتھ مجھے گھر بھیجنے کے متعلق مشورہ نہیں کریں گے!"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ انتہائی خطرے کے بغیر تمہیں گھر نہیں بھیجوں گا۔" سعد یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

(۵)

سعد بن عبدالمنعم امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے کھڑا تھا اور ان کے درمیان ایک کشادہ

میز کے اوپر ایک نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ سیر بن ابوبکر اور ایک اور بربر جرنیل سعد کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ سعد نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "قلعے سے مغرب کی طرف یہ ہماری آخری چوکی ہے۔ اس سے آگے قرطبہ کی سرحد تک باقی علاقے کی دیکھ بھال اشبیلیہ کے سپاہیوں کے ذمے ہے۔ میں نے احتیاطاً اس علاقے میں چند جاسوس بھیج دیئے تھے تاکہ اگر اشبیلیہ کے سپاہیوں کے تساہل کے باعث دشمن کی فوج کا کوئی دستہ اس علاقے سے گزر بھی جائے تو مجھے معلوم ہو جائے اور میں یہاں بر وقت اطلاع بھیج سکوں۔ پانچ دن قبل مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ دشمن کے تین سو سوار اس علاقے سے گزر گئے ہیں اور اس سے اگلے دن مجھے یہ اطلاع ملی کہ دشمن کے چند دستوں نے مشرق کی طرف ہماری آخری چوکی سے دس میل دور اس مقام سے دریا عبور کر لیا ہے۔ اس علاقے میں مرسیہ اور المریہ کے سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ میرے لئے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ دونوں طرف سے دشمن کے دستے کسی مزاحمت کا سامنا کئے بغیر گزر گئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان مقامات کی چوکیوں کے پہرے داروں نے غفلت برتی ہے اور رات کے وقت انہیں یہ پتہ بھی نہیں چلا کہ دشمن نے کس وقت دریا عبور کیا ہے۔ دوسری یہ کہ انہوں نے دشمن کے سپاہیوں کو دیکھ کر لڑنے کی بجائے آنکھیں بند کر لینا اپنے لئے بہتر سمجھا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ در پردہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔"

سیر بن ابوبکر نے کہا۔ "اگر یہ درست ہے کہ دشمن کے دستوں نے دریا عبور کیا ہے تو یہ بھی درست ہوگا کہ دریا عبور کرنے کے بعد ان کی منزل مقصود حصن اللیط کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ہم نے آپ کی اطلاعات پہنچتے ہی ملوک الطوائف کی افواج کو باخبر کر دیا تھا کہ وہ شمال کی طرف سے قلعہ کی طرف جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھیں اور اب تک ہمیں کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی کہ دشمن کے دستے قلعے میں داخل ہو گئے ہیں۔"

سعد نے کہا۔ "اگر وہ کسی راستے سے قلعے میں داخل ہو گئے ہیں تو آپ کو اطلاع نہ ملنے کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ کسی حکمران کی فوج نے جان بوجھ کر انہیں نکل جانے کا راستہ دیا ہے

اور اگر وہ ابھی تک قلعے میں نہیں پہنچے تو کہیں پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ بہرحال میرے جاسوسوں کی یہ اطلاع غلط نہیں کہ انہوں نے ان دو مقامات کے پہرے داروں کی کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر دریا عبور کر لیا ہے۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "تم اپنی بات ختم کر چکے ہو یا کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟"

سعد نے جواب دیا۔ "میں اپنی بات ختم کر چکا ہوں۔"

"تو تم فوراً واپس چلے جاؤ! میں مزید پانچ سو سوار تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ یہ مرسیہ، المریہ اور اشبیلیہ کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر دور افتادہ چوکیوں کی حفاظت کریں گے۔ اس کے علاوہ میں آس پاس کے پہاڑوں میں دشمن کا کھوج لگانے کے لئے بھی چند دستے بھیج رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ محاصرے کی طوالت کے باعث ملوک الطوائف کے لشکر میں بددلی پیدا ہو چکی ہے لیکن ابھی تک میں ان کے متعلق یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں کہ ان میں سے کوئی دشمن کے ساتھ ساز باز کر سکتا ہے۔ تم اپنے محاذ پر چوکس رہو۔ ہم بہت جلد قلعے پر فیصلہ کن حملہ کرنے والے ہیں۔ تمہیں دو دن پہلے اطلاع مل جائے گی۔ حملے کے دن مجھے ہر بیرونی چوکی سے اپنے سپاہیوں کو یہاں بلانا پڑے گا۔ تمہیں بھی اپنے بیشتر سپاہی یہاں بھیجنے پڑیں گے۔ لیکن تم وہیں رہو گے۔ وہ قلعہ بہت اہم ہے اور اس کی حفاظت کے لئے میں تم سے زیادہ کسی اور موزوں نہیں سمجھتا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

(۶)

طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر بعد ایک پہرہ سالار امیر یوسف بن تاشفین کے خیمے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "یا امیر! قاضی ابوجعفر باہر کھڑے ہیں۔"

"وہ کب تشریف لائے ہیں؟"

"ابھی۔"

"بہت اچھا۔ انہیں یہاں لے آؤ!"

افسر باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد قاضی ابوجعفر خیمے کے اندر داخل ہوا۔ امیر یوسف نے

آگے بڑھ کر اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اتنی دیر کہاں غائب رہے؟"

قاضی ابوجعفر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں ملکِ عدم کے دروازے پر دستک دے کر واپس آ رہا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

"مجھے غرناطہ پہنچتے ہی قید کر لیا گیا تھا۔"

"لیکن مجھے آپ کی قید کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ عبدالمنعم نے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔"

قاضی ابوجعفر نے کہا۔ "عبدالمنعم کی زندگی کے کئی سال قید خانوں میں گزرے ہیں لیکن اس کے بال بچوں کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ یہاں کے حکمران اس بات کی پوری احتیاط کر لیتے ہیں کہ ان کے قیدیوں کی آواز قید خانے سے باہر کسی کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

میں قرطبہ میں علماء کے ایک اجتماع سے فارغ ہو کر غرناطہ پہنچا۔ وہاں میرا دو دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن پہلی رات جب میں پڑوس کی مسجد میں عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر گھر جا رہا تھا تو مجھے راستہ میں گرفتار کر لیا گیا۔"

"آپ کو عبداللہ کے حکم سے گرفتار کیا گیا تھا؟"

"ہاں! وہ میرے قتل کا حکم دے چکا تھا لیکن میں اس کی ماں کی مداخلت کے باعث بچ گیا ہوں۔"

"آپ کتنے دن قید میں رہے ہیں؟"

"قریباً ڈیڑھ مہینہ۔"

"اور اس کے بعد آپ کہاں تھے؟ میرا خیال ہے کہ آپ کو یہاں سے غائب ہوئے قریباً دو مہینے ہو چکے ہیں۔"

"میں اشبیلیہ، بطلیوس، قرطبہ اور چند اور شہروں میں چکر لگانے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں ان شہروں کے چیدہ چیدہ علماء سے مل چکا ہوں۔ ان سب نے میری اس بات

کی تائید کی ہے کہ موجودہ حالات میں اندلس کو ملوک الطوائف سے نجات دلانا آپ کا فرض ہے۔" یہ کہتے ہوئے قاضی ابوجعفر نے اپنی قبا کی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور امیر یوسف کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھئے یہ ان ساٹھ علماء کا فتویٰ ہے جن کے علم و بصیرت اور زہد و تقویٰ کے متعلق اندلس کے باقی علماء کے فتوے بھی آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ اندلس کے چند فقہا ان فتووں سمیت عالم اسلام کے جلیل القدر علماء کی رائے معلوم کرنے کے لئے مراکش، مصر، شام اور عرب جا چکے ہیں ہم نے قرطبہ کے اجتماع کے بعد انہیں روانہ کر دیا تھا۔ مراکش کے علماء کے متعلق ہمیں یہ اطلاع مل چکی ہے کہ انہوں نے ہمارے فتوے سے اتفاق کیا ہے۔"

امیر یوسف نے کاغذ ابوجعفر کو واپس دیتے ہوئے کہا۔ "آپ نے بے فائدہ اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ میں پہلے بھی آپ کو یہ بتا چکا ہوں کہ میں اندلس میں ملک گیری کی ہوس لے کر نہیں آیا میں بارہا یہ اعلان کر چکا ہوں کہ اندلس کو عیسائیوں کے خطرے سے نجات دلاتے ہی واپس چلا جاؤں گا.... میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ ملوک الطوائف میں ہزاروں خامیاں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کے فتوؤں کا سہارا لے کر اپنے وعدوں سے منحرف ہو جاؤں۔ حصن اللیط فتح کرنے کے بعد اندلس میں میرے قیام کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد ملوک الطوائف کی اصلاح کرنا یا اگر وہ ناقابل اصلاح ہوں، تو انہیں اختیارات سے محروم کر دینا آپ کا کام ہوگا۔"

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

قاضی ابوجعفر نے کہا۔ "ہم نے ناقابلِ تردید حقائق کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ اندلس کے حکمران عملاً اسلام سے منحرف ہیں۔ وہ غیر اسلامی قوانین کو منسوخ نہیں کرنا چاہتے۔ انہوں نے اپنی عیاشیوں کا سامان مہیا کرنے کے لئے خلقِ خدا پر ایسے ٹیکس عائد کر رکھے ہیں جن کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اخلاقی لحاظ سے وہ اس قابل بھی نہیں کہ انہیں انسان کہا جا سکے۔ جب دشمن کی تلوار ان کے سر پر لٹک رہی تھی تو انہوں نے اندلس کے عوام اور علماء اور افریقہ کے مجاہدوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے یہ نعرہ لگایا تھا کہ اسلام خطرے میں ہے لیکن زلاقہ کی فتح کے بعد جب انہوں نے محسوس کیا کہ خطرہ ٹل چکا ہے تو

انہوں نے اندلس کے طول و عرض میں شرعی حکومت کا نعرہ بلند کرنے والوں کے لئے اپنے قید خانوں کے دروازے کھول دیئے۔ زلاقہ کی جنگ ایک عظیم الشان مقصد کے لئے لڑی گئی تھی لیکن ان لوگوں نے زلاقہ کے شہیدوں کی قبروں کے اوپر بیٹھ کر شراب پی ہے۔ پھر جب حصن اللیط سے تباہی و بربادی کا ایک نیا طوفان اٹھا تو یہ دوبارہ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس لئے نہیں کہ یہ اپنے گناہوں سے تائب ہو گئے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کی بداعمالیوں کے باعث اندلس کے عوام کی آنکھیں کھل گئی تھیں آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ یہ لوگ اگر آپ کو دوبارہ اندلس آنے کی اجازت نہ دیتے تو چند ہفتوں کے اندر اندر اندلس کے ہر شہر اور ہر گاؤں سے لوگوں کے وفد آپ کے پاس پہنچنے والے تھے۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ آپ عوام کی دعوت رد نہیں کریں گے لیکن عوام کی دعوت پر آپ کا اندلس آنا یہ اپنے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے معتمد کو آپ کے پاس بھیج دیا۔ اب آپ سے زیادہ کسی کو اس حقیقت کا علم نہیں کہ ابھی تک حصن اللیط فتح نہ ہونے کی وجہ ان کی بدنیتی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر ان لوگوں پر ہمارے باقی تمام الزامات غلط ثابت ہوں تو بھی انہیں بدترین سزا کا مستحق قرار دینے کے لئے یہی کافی ہے کہ انہوں نے جنگ کے میدان میں بدنیتی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "آپ اس دن کے واقعات سے بہت زیادہ متأثر ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں ان کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آیا تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہیں کریں گے۔ اس کے بعد میں مصلحتاً محاصرے کو طول دے رہا تھا۔ اب ہم بہت جلد فیصلہ کن حملہ کرنے والے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان لوگوں نے بدعہدی کی تو میں انہیں معاف نہیں کروں گا لیکن اس وقت تک آپ اپنے دل سے یہ خیال نکال دیں کہ میرے دل میں اندلس پر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔"

ابوجعفر نے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ اشبیلیہ اور غرناطہ کے حکمران واپس جا چکے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ دوسرے بھی آہستہ آہستہ ان کی تقلید کریں گے۔ اگر اللہ کو ہماری نجات منظور ہے تو

وہ آپ کے ضمیر کی تسکین کا سامان بھی مہیا کر دے گا۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "وہ مجھ سے اجازت لے کر گئے ہیں اور ان کی افواج یہیں ہیں۔ اس لئے آپ اُن کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے میں جلدبازی سے کام نہ لیں۔"

قاضی ابوجعفر نے کہا۔ "ہم نے صرف ایک غلطی کی تھی اور وہ یہ کہ برسوں کے تلخ تجربات کے بعد ہم نے ملوک الطوائف کے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ محض اُن کے خوش کُن نعروں سے متاثر ہو کر بدل دی۔ ورنہ جب آپ یہ اعلان کر رہے تھے کہ آپ دشمن سے نپٹنے کے بعد اندلس کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو احتجاج کرنا چاہیئے تھا۔ اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اُن کے متعلق محتاط ضرور رہیں۔ اب میں واپس جا رہا ہوں اور اس یقین کے ساتھ جا رہا ہوں کہ جب ہم دوبارہ ملیں گے تو اندلس کے مستقبل کے متعلق ہماری رائے ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہوگی۔"

امیر یوسف نے اُٹھ کر ابوجعفر کے ساتھ معانقہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ جب آپ مجھے دوبارہ ملیں گے تو ملوک الطوائف راہ راست پر آ چکے ہوں۔"

ابوجعفر نے جواب دیا۔ "میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور ناممکنات کے لئے دعائیں مانگنے کی ہمت مجھ میں باقی نہیں رہی۔"

ملوکُ الطوائف کی بدعہدی

اور

مُجاہدوں کی فتح

امیر یوسف کا حکم ملنے پر سعد بن عبدالمنعم ایک ہزار سپاہیوں کو حصن اللیط پر فیصلہ کن حملے میں حصہ لینے کے لئے روانہ کر چکا تھا۔ باقی پانچ سو سپاہیوں میں سے قریباً چالیس قلعے کی حفاظت پر متعین تھے اور دوسروں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں دریا کے کنارے چوکیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک طویل علاقے کی دیکھ بھال کے لئے اس مختصر سی تعداد کو ناکافی سمجھتے ہوئے سعد نے دور افتادہ مقامات کی نگرانی مقامی لوگوں کو سونپ رکھی تھی اور ان لوگوں کو مستعد رکھنے کے لئے اسے روزانہ کئی کئی کوس سفر کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن سعد قلعے کے مشرق کی طرف کئی کوس دور چند بستیوں میں گشت لگانے اور مقامی چرواہوں اور کسانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنے کے بعد آدھی رات کے قریب اپنی قیام گاہ میں پہنچا۔ میمونہ حسب معمول اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

سعد دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث کھانا کھانے کے بعد اپنے بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔ ایک ساعت کے بعد میمونہ نے اسے جھنجھوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا۔ اور کہا "اُٹھئے! الماس بلبل آوازیں دے رہا ہے!"

سعد فوراً بستر سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ الماس برآمدے میں کھڑا تھا۔

"کیا ہے چچا الماس؟" سعد نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے نائب سالار کے اصرار پر آپ کی نیند خراب کی ہے۔ کسی بستی کے رضاکار دو آدمیوں کو پکڑ کر لائے ہیں۔ یہ لوگ دریا عبور کر کے حصن اللبیط کی طرف جا رہے تھے، بستی والوں نے انہیں روکا تو انھوں نے یہ بیان دیا کہ وہ امیر یوسف کے پاس اہلِ بلنسیہ کی فریاد لے کر جا رہے ہیں۔ پہرے داروں نے ان سے کہا کہ ہمیں رات کے وقت دریا عبور کرنے والے ہر آدمی کو روکنے کا حکم ہے۔ اس لئے تم بستی کے سردار کے پاس چلو۔ انہوں نے کہا کہ ہم خود بھی رات گزارنے کے لئے کسی میزبان کے متلاشی ہیں۔ پہرے دار ان کی باتوں سے مطمئن ہو کر انہیں بستی کی طرف لے گئے۔ یہ لوگ تعداد میں گیارہ تھے۔ پہرے داروں نے یہ غلطی کی کہ انہیں مسلمان سمجھ کر نہ تو گھوڑوں سے اتارا اور نہ ان کے ہتھیار ہی چھینے۔ راستے میں وہ بلنسیہ والوں پر قنبیطور کے مظالم بیان کرتے رہے اور پہرے داروں کے رہے سہے شکوک بھی رفع ہو گئے۔ بستی سے تھوڑی دور جب چند پہرے دار مطمئن ہو کر اپنی چوکی کی طرف واپس چلے گئے۔ تو ان لوگوں نے اچانک پہرے داروں پر حملہ کر دیا اور آن کی آن میں چند آدمیوں کو زخمی کر کے بھاگ نکلے پہرے داروں کی چیخ پکار سن کر بستی کے لوگوں نے ان کا تعاقب کیا اور تین آدمیوں کو گھیر کر پکڑ لیا۔ ان کا ایک ساتھی مارا گیا ہے۔ ایک زخمی ہے جسے پہرے دار سردار کے گھر چھوڑ آئے اور دو کو یہاں لے آئے ہیں۔ ایک ان میں سے کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا اور دوسرا صرف یہ کہتا ہے کہ میں صرف تمہارے سالارِ اعلیٰ سے بات کروں گا۔ لباس سے دونوں اونچے طبقے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

سعد نے پوچھا: "قیدیوں کی تلاشی لی گئی ہے؟"

"ہاں! لیکن کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی ہے جس سے ان لوگوں کا کوئی جرم ثابت ہو سکے۔"

"آؤ میرے ساتھ!"

سعد جلدی جلدی نیچے اتر کر قلعے کے دوسرے کونے میں پہنچا۔ قلعہ کے پہرے دار اور چند

دیہاتی دو آدمیوں کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ وہ سعد کو دیکھ ایک طرف ہٹ گئے۔

ایک بربر افسر نے کہا: "مجھے معلوم تھا کہ آپ بے حد تھکے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ ایسا تھا کہ میں نے آپ کو تکلیف دینا ضروری سمجھا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔"

ایک دیہاتی نے آگے بڑھ کر سعد کو واقعہ کی تفصیلات سنانے کی کوشش کی لیکن اس نے بات کاٹ کر کہا: "میں سن چکا ہوں۔ آپ لوگ اپنا فرض پورا کر چکے۔ اب آپ صبح تک ہمارے مہمان ہیں۔"

سعد قیدیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک سپاہی مشعل اٹھائے اس کے دائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ سعد نے کہا کہ "تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

ایک قیدی نے اپنی گردن اوپر اٹھائی اور بولا: "ہم بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ ہم دشمن کے جاسوس نہیں۔ اگر آپ ہمارے متعلق سلطان معتمد کی گواہی کافی سمجھتے ہیں تو ہمیں ان کے پاس بھیج دیجئے۔"

"بڑی گواہی پیش کر رہے ہو۔ لیکن اس سے پہلے تمہیں بلنسیہ کے ساتھ سلطانِ معتمد کا تعلق ثابت کرنا پڑے گا۔"

قیدی نے پریشان ہو کر کہا: "میں سلطان معتمد کے حکم سے بلنسیہ میں سِڈ قنبیطور کی تیاریوں کا حال معلوم کرنے گیا تھا۔"

"گیارہ آدمیوں کے ساتھ؟"

"نہیں وہ بلنسیہ سے میرے ساتھ آئے تھے اور امیر یوسف کے پاس ایک وفد لے کر جا رہے تھے۔ دریا عبور کرنے کے بعد بستی کے رضاکاروں کے متعلق ہمیں یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ ڈاکو ہیں اور ہمیں لوٹنا چاہتے ہیں۔"

"ڈاکوؤں سے ڈرنے والے رات کے وقت سفر نہیں کیا کرتے۔"

میں آپ کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آپ کو میرے متعلق کوئی شک ہے تو مجھے سلطان معتمد کے پاس بھیج دیجئے!"

سلطان معتمد ان دنوں بہت مصروف ہیں" یہ کہہ کر سعد نے سپاہی کے ہاتھ سے مشعل لے لی اور آگے بڑھ کر قیدی کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔ ایک ثانیہ کے بعد اس کا آہنی ہاتھ قیدی کی شاہ رگ پر تھا۔

"میری طرف دیکھو!" سعد نے اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے پہچانتے ہو؟"

قیدی مبہوت سا ہو کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ زرد اور زبان گنگ ہو چکی تھی۔

سعد نے کہا "زیاد! تم ہمیشہ بزدل تھے۔ بولو میرا وقت ضائع نہ کرو! نہیں بولو گے تم؟"

سعد نے زور سے اس کا گلا دبایا اور زیاد کی آنکھیں باہر آگئیں۔ سعد نے دوبارہ اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کرنے کے بعد کہا "معلوم ہوتا ہے اب تم پختہ ہو گئے ہو لیکن عقل انسانی تمہارے جیسے آدمی کے دل اور زبان کا رشتہ جوڑنے کے لئے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کر چکی ہے۔ اس قلعے کے ایک کمرے میں ایک ایسا آلہ ہے جسے دیکھتے ہی تم چیخنے لگو گے اور یہ بھی غالباً کسی تمہارے جیسے ذہین آدمی کی ایجاد ہے۔ جب ہم نے اس قلعے پر قبضہ کیا تھا تو اسے ایک بیکار شے سمجھ کر جلانے لگے تھے لیکن بعد میں ہمیں یہ خیال آیا کہ شاید اس کے موجد کی نسل میں سے کوئی یہاں تشریف لے آئے۔ اب تم آگئے ہو۔ تم نے کئی بے گناہوں کو شکنجوں میں کس کر دیکھا ہوگا اور میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ جرائم پیشہ لوگوں کا گونگا پن دور کرنے کے لئے یہ ایجاد کتنی کامیاب ثابت ہوئی ہے"

سعد کے اشارے سے چند سپاہی دونوں قیدیوں کو پکڑ کر ایک کوٹھڑی کی طرف لے گئے۔ کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچ کر زیاد چلایا "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں اشبیلیہ کے حکمران کا ملازم ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میری آواز اس قلعے سے باہر نہ نکلے گی۔ اب تک میرا ایک ساتھی حصن الليط پہنچ چکا ہوگا سلطان معتمد میرے متعلق اطلاع ملنے کے بعد خاموش نہیں رہیں گے۔ میرے بدلے اس بستی کا ہر آدمی

موت کے گھاٹ اتارا جائے گا پھر جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ میرے قاتل آپ ہیں تو وہ آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے اور امیر یوسف کو اُن کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ میں بے گناہ تھا۔"

سعد نے اسے کوٹھڑی کے اندر دھکیلتے ہوئے سپاہیوں کو یہ حکم دیا کہ "اسے شکنجے میں کس دو!"

سپاہیوں نے زیاد کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر اسے فرش میں لگی ہوئی لوہے کی مضبوط میخوں کے ساتھ باندھا اور پھر پیٹھ کے بل شکنجے کے اوپر ڈالا اور لکڑی کے پہیئے کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ سعد سیدھا وار کرنے اور سیدھا وار سہنے کا عادی تھا۔ یہ کاروائی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ پریشانی اور اضطراب کی حالت میں کوٹھڑی کے دروازے پر کھڑا زیاد کی چیخ پکار سن رہا تھا۔ اس کا ضمیر بار بار یہ کہہ رہا تھا "اگر یہ بے گناہ ہوا تو!"

ایک سپاہی نے باہر نکل کر کہا "ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں"

"میں ابھی آتا ہوں" یہ کہہ کر سعد اپنے نائب کی طرف متوجہ ہوا "آپ چار بہترین گھوڑے تیار کریں! ممکن ہے کہ مجھے ابھی امیر کے پاس جانا پڑے" پھر ایک ثانیہ تذبذب کے بعد وہ کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا۔ زیاد اسے دیکھ کر اچانک خاموش ہو گیا۔

سعد نے سپاہیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ایک سپاہی نے چرخی گھمائی۔ پہیہ آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگا اور لکڑی کی خشک چولوں میں چرچراہٹ پیدا ہونے لگی۔

"مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو!" زیاد چلایا۔

سعد نے کہا "زیاد! تم ابھی لکڑی کی چرچراہٹ سن رہے ہو۔ تھوڑی دیر میں تمہاری ہڈیوں سے یہی آواز آئے گی۔ تمہارے لیے اب بھی وقت ہے۔ اگر چاہو تو اپنی جان بچا سکتے ہو ورنہ میں اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لوں گا اور مجھے تمہاری چیخیں متاثر نہیں کر سکیں گی!"

اس کے بعد سعد دوسرے قیدی کی طرف متوجہ ہوا "اب تم بھی تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔ تمہارے جرائم تمہارے چہروں پر لکھے ہوتے ہیں!"

قیدی کانپتی ہوئی آواز میں چلایا "میں بلنسیہ سے آیا ہوں۔ میں بے گناہ ہوں"

"یہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟"

زیاد نے درد سے کراہتے ہوئے کہا "مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں ــــ میں نے کچھ نہیں کیا ــــ میں ایک ادنیٰ ملازم ہوں۔ میں نے صرف اُن کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں!"

سعد کے اشارے سے سپاہیوں نے چرخی کو الٹا گھمایا اور شکنجہ ڈھیلا ہو گیا۔

سعد نے کہا "جلدی کرو۔ یہ تمہارے لئے آخری موقع ہے!"

"آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے؟" زیاد نے ملتجی ہو کر کہا۔

"میں تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کرتا"

"اگر میں آپ کو کسی ایسے خطرے سے آگاہ کروں جو آپ کے تصور میں بھی نہ ہو!"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا، کہ اس کا نائب بھاگتا ہوا کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک اجنبی تھا۔

نائب سالار نے کسی تمہید کے بغیر کہا "یہ اس بستی کے سردار ہیں۔ جو آدمی قتل ہوا تھا اس کی تلاشی لینے کے بعد انہوں نے ایک کاغذ برآمد کیا ہے"

سعد نے سوال کیا "کہاں ہے وہ کاغذ؟"

بستی کے سردار نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر سعد کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "جب بستی کے رضاکار قیدیوں کو لے کر آپ کی طرف روانہ ہو گئے تو میں نے ان کے زخمی ساتھی کی تلاشی لی۔ اس سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ مقتول کی تلاشی بھی لے لینی چاہیے۔ اس کی جیب سے یہ کاغذ برآمد ہوا۔ میں نے تحریر پڑھتے ہی آپ کے پاس پہنچنا ضروری سمجھا۔ پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ سیدھا امیر یوسف کی قیام گاہ کا رخ کروں گا لیکن بعد میں خیال آیا کہ وہاں تک شاید میری رسائی نہ ہو سکے۔

سعد کو سردار کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ مشعل کے قریب ہو کر انتہائی انہماک کے ساتھ کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر پڑھ رہا تھا اور ہر لحظہ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ یہ قسطلہ کے بادشاہ الفانسو ششم کے دستخط سے ایک اعلان تھا جس کی عبارت یہ تھی:

"ہم لیون، ارغوان، النوار، اشبیلیا اور جلیقیہ کے جلیل القدر امراء اور طلیطلہ کی حکومت کے سرپرست سند قنبیطور کی تائید کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر اندلس کے مسلمان بادشاہ ہمارے ساتھ دوستی اور رواداری کا عملی ثبوت دیں تو ہم آئندہ ان کی آزادی اور خود مختاری میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ افریقی حملہ آور اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے پردے میں اُن کی آزادی پر چھاپہ مارنا چاہتے ہیں اور اگر اندلس میں اُن کے پاؤں جم گئے تو مسلمان حکمرانوں کا اقتدار ختم کرنے کے بعد وہ ہماری آزادی پر چھاپہ مارنے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ آپس کی جنگ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے بیرونی حملہ آوروں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ہم حلفاً اعلان کرتے ہیں کہ اگر شاہانِ اندلس اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے متحد ہو جائیں تو ہم اور ہمارے تمام حلیف ان کی پوری پوری اعانت کریں گے۔ دوستانہ معاہدے کی شرائط طے کرنے کے لیے ہم سرحد کے کسی مقام پر شاہانِ اندلس کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حصن الید کے متعلق ہم نے ان کے نمائندوں کو زبانی اپنی تجاویز سے آگاہ کر دیا ہے"

سعد نے یہ تحریر پڑھنے کے بعد زیاد کی طرف دیکھا اور کہا "اب تم مجھے کسی ایسے خطرے سے آگاہ نہیں کر سکتے جو میرے تصور میں نہیں۔ لیکن اگر تم میرا وقت ضائع نہ کرو اور تمام سوالات کا صحیح جواب دیتے جاؤ تو میں تمہاری جان بچانے کا وعدہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ تم نے میرے ساتھ کوئی جھوٹی بات نہیں کی، تم یہاں قید میں رہو گے۔ اس کے بعد تمہارا معاملہ امیر یوسف بن تاشفین کے سپرد کر دیا جائے گا"

زیاد نے کہا "میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں!"

سعد نے کہا "وہ مقتول جس سے الفانسو کا مکتوب برآمد ہوا ہے کون تھا؟"

"وہ شہزادہ رشید کا مشیر خاص تھا!"

"تم الفانسو سے کہاں ملے تھے؟"

"ہماری ملاقات بلنسیہ کی مغربی سرحد کے ایک قلعے میں ہوئی تھی!"

"تمہارا یہ ساتھی کون ہے؟"

"یہ مالقہ کے حاکم کا نمائندہ ہے"

"تمہارے وفد کا رہنما کون تھا؟"

"شہزادہ رشید"

"وہ بچ کر نکل گیا ہے؟"

"ہاں!"

"اور وہ زخمی جسے بستی کے رفقا کار پیچھے چھوڑ آئے ہیں کون ہے؟"

"وہ غرناطہ کے حکمران کا نمائندہ تھا!"

"اس سازش میں کون کون شریک ہے؟"

"قریباً تمام حکمران اس سازش میں شریک تھے لیکن جس مجلس میں ہمیں الفانسو کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس میں صرف المریہ، مرسیہ، اور بطلیوس کے حکمران شریک نہیں ہوئے تھے۔ تاہم مجھے اس بات کا علم ہے کہ امیر یوسف کی ملامت سننے کے بعد وہ بھی بہت خفا تھے!"

"تم لوگ الفانسو کے پاس ملوک الطوائف کی طرف سے دوستی کا پیغام لے کر گئے تھے؟"

"ہاں!"

"حصن اللیط کے متعلق الفانسو نے کیا تجاویز پیش کی تھیں؟"

"اس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ جب مرابطین کا لشکر اندلس سے نکل جائے گا تو وہ

حصن اللیط سے اپنی فوج نکال لے گا۔ اس لئے اگر ملوک الطوائف یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان میں مرابطین کے ساتھ ٹکر لینے کی ہمت نہیں یا ایسا کرنے سے ان کی رعایا باغی ہو جائے گی تو فیصلہ کن حملے کے دن اپنی فوجیں لے کر نکل جائیں۔"

سعد نے اپنے نائب کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں ابھی جا رہا ہوں۔ انہوں نے جمعہ کے روز پچھلے پہر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب اگر میں اڑ کر جا سکوں تو بھی وہاں میرا بروقت پہنچنا ناممکن ہے۔ اب تک شہزادہ رشید ملوک الطوائف کو الفانسو کا پیغام سنا چکا ہو گا۔ میرے پہنچنے تک لڑائی اپنے فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکی ہو گی۔ اگر ملوک الطوائف نے غداری کی اور عین لڑائی کے دوران میں پیچھے ہٹ گئے تو ہمارے لشکر کو ایک خطرناک صورتِ حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دشمن اپنی ساری طاقت ہمارے مقابلے میں لا سکے گا اور اگر دشمن کے چند دستے شمال یا مشرق کی طرف سے باہر نکل کر ہمارے پڑاؤ پر حملہ کر دیں تو ہمیں عبرت ناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب تم تمام چوکیوں کے سپاہیوں کو یہ حکم بھیج دو کہ وہ حصن اللیط کی جنگ میں حصہ لینے کے لئے پہنچ جائیں۔ وہاں ہمیں زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اس وقت اپنے ساتھ صرف چار سوار لے کر جا رہا ہوں۔ کیونکہ قلعہ کے محافظوں کی تعداد پہلے ہی بہت کم ہے!"

نائب سالار نے کہا "آپ راستے میں ہوشیار رہیں۔ ممکن ہے جو لوگ بچ کر نکل گئے ہیں ان کے ساتھیوں کی تلاش میں ملوک الطوائف نے فوج بھیج دی ہو۔ اس تحریر کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے!"

سعد نے کہا "فرض کرو اگر راستے میں مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو ایک آدمی تحریر لے کر واپس تمہارے پاس پہنچ جائے گا اور پھر اسے امیر یوسف کے پاس پہنچانا تمہارا کام ہو گا۔ کاغذ کے اس پرزے پر اندلس کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔ قیدیوں کا خیال رکھو اور جب سپاہی یہاں سے روانہ ہوں تو انہیں بھی ان کے ساتھ بھیج دو!"

سعد باہر نکلا تو زیاد بلند آواز میں چلایا "میں ایک اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں!"

سعد نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔ "جلدی کہو!"

"الفانسو نے کہا تھا کہ اگر مجھے ملوک الطوائف کے غیر جانبدار رہنے کی اطلاع ملی تو میں چار دن کے اندر اندر پندرہ ہزار فوج لے کر حصن اللیط پہنچ جاؤں گا۔ اس کی فوج بلنسیہ کی جنوب مشرقی سرحد پر یہاں سے کوئی چالیس کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے!"

سعد نے باہر نکلتے ہوئے الماس سے کہا۔ "چچا الماس یہ قلعہ سخت خطرے کی زد میں آچکا ہے۔ اس لیے تم میمونہ کے ساتھ حصن اللیط پہنچ جاؤ۔ صبح جب بیرونی چوکیوں کے سپاہی روانہ ہوں تو تم بھی اُن کے ساتھ چلے آؤ!"

(۲)

تھوڑی دیر بعد سعد کے ساتھ تین سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے تنگ اور دشوار گزار پہاڑی راستے پر حصن اللیط کا رخ کر رہے تھے۔ جب رات کی تاریکی صبح کے دھندلکے میں تبدیل ہو رہی تھی، وہ قریباً ایک تہائی راستہ طے کر چکے تھے۔ جب وہ ایک گھاٹی عبور کرنے کے بعد ایک تنگ وادی میں اتر رہے تھے۔ سعد نے اچانک اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ہوشیار رہو! مجھے ندی کے پل پر پہرے دار نظر نہیں آتے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ دو آدمی ہر وقت یہاں موجود رہنے چاہئیں!"

سعد کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اب صبح ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے پہرے دار چوکی میں چلے گئے ہوں۔"

دوسرے ساتھی نے کہا۔ "ادھر دیکھئے۔ تین سوار جھاڑیوں کی آڑ سے نکل کر پل کی طرف بھاگ رہے ہیں۔"

سعد نے دوبارہ گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ لیکن جب وہ پل سے چند قدم دور تھا۔ تو تین آدمی جنہیں وہ راستے کی چوکی کے پہرے دار سمجھ رہا تھا۔ اچانک نیزے تان کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

سعد نے فوراً پوری قوت کے ساتھ باگ کھینچ کر گھوڑا روکا اور گرجدار آواز میں کہا۔ "اندھے ہو گئے ہو تم! مجھے بھی نہیں پہچانتے؟"

سعد کی پریشانی پر اس کے ساتھی نے گھوڑا آگے بڑھا کر آہستہ سے بربری زبان میں کہا۔ "یہ ہماری فوج کے آدمی نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ راستے کی چوکی پر اُن کا قبضہ ہو چکا ہو! آپ محتاط رہیں۔"

سعد نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم ہمارا راستہ نہیں روک سکتے؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا۔ "جب تک ہمارا سالار یہاں نہیں پہنچتا یہ راستہ بند رہے گا۔"

"اور تمہارا سالار کون ہے؟"

"ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک اسے لکڑی کے پُل پر خون کے نشانات دکھائی دیئے اور اس نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کاغذ نکالا اور دوسرے سوار کو دیتے ہوئے بربری زبان میں کہا۔ "تم واپس جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے راستے میں جال پھیلایا جا چکا ہے۔ قلعے میں پہنچتے ہی اسے سالار کے حوالے کر دو!"

راستہ روکنے والے سواروں میں سے ایک نے اپنا گھوڑا ذرا آگے کرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

"ہم ہر سوال کا جواب نہیں دیا کرتے۔" یہ کہتے ہوئے سعد نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ نیام سے تلوار نکالی، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پلک جھپکنے کی دیر میں پہرے دار کے نیزے کا آدھا حصہ کٹ کر زمین پر آرہا۔ تلوار کی دوسری ضرب کے ساتھ سعد نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اتنی دیر میں سعد کا ایک ساتھی جسے وہ واپس جانے کا حکم دے چکا تھا گھوڑے کی باگ موڑ کر ایڑ لگا چکا تھا اور باقی دو گھوڑے آگے بڑھا کر پہرے داروں پر حملہ کر چکے تھے۔ ابھی لڑائی ہو رہی تھی کہ پل کے قریب گھنی جھاڑیوں کی آڑ سے چند تیر آئے۔ ایک تیر سعد کی گردن کے ساتھ مس کرتا ہوا گزر گیا اور دوسرا اس کی پسلی میں اٹکا۔ سعد کے ساتھی نے ایک سوار کے سینے پر نیزہ مارا اور اسے گھوڑے کی پیٹھ سے

دھکیل کر ندی میں پھینک دیا۔ تیسرا سوار سعد کی تلوار سے زخمی ہو کر جھاڑیوں کی طرف نکل گیا لیکن اتنی دیر میں جھاڑیوں کی آڑ سے آنے والے تیر سعد کے ایک ساتھی کو زخمی کر چکے تھے۔ پل عبور کرتے ہوئے ایک تیر لگنے سے سعد کی ٹانگ بھی زخمی ہو چکی تھی۔

ندی عبور کرنے کے بعد سعد اور اس کے ساتھی پھر ایک اونچے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے سعد کی ٹانگ کا زخم زیادہ گہرا نہ تھا، اور اس نے بھاگتے ہوئے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے کسی تکلیف کے بغیر ٹانگ میں اٹکا ہوا تیر نکال لیا۔ لیکن پسلی کے گہرے زخم سے تیر نکالتے ہوئے ایک ثانیہ کے لئے اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ تاہم اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم نہ ہونے دی اور زخموں سے نکلے ہوئے تیر پھینکنے کی بجائے اپنے ترکش میں ٹھونس لئے۔

پیچیدہ راستے سے اس پہاڑ کے عقب میں پہنچنے کے بعد ان کے سامنے ایک طویل و عریض وادی تھی اور اسی وادی میں وہ چوکی تھی جہاں انہیں باقی راستہ طے کرنے کے لئے تازہ دم گھوڑے ملنے کی امید تھی لیکن قریباً ایک میل کے فاصلے پر سواروں کا ایک دستہ اس چوکی سے نکل کر پہاڑ کا رُخ کر رہا تھا۔ سعد نے مایوسی کی حالت میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہمیں یہ راستہ چھوڑ کر بائیں ہاتھ جنگل کا رُخ کرنا چاہیئے۔ اگر ہم ان کے گھیرے میں آنے سے پہلے جنگل تک نہ پہنچ سکے تو ہمارا بچ نکلنا بہت مشکل ہوگا!"

سعد کے ایک ساتھی نے چونکتا ہو کر کہا۔ "سنئے کوئی پیچھے آرہا ہے!"

سعد نے گھوڑا روکا اور اپنے پیچھے دو گھوڑوں کی ٹاپ سُن کر کہا۔ "یہ پل پر قبضہ کرنے والوں کے ساتھی ہیں۔ ان کا آگے نکل جانا ہمارے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ تم بائیں ہاتھ پہاڑ سے اُتر کر جنگل کا رُخ کرو۔ میں ان کا راستہ روکتا ہوں!"

سعد کے ساتھیوں نے کہا۔ "آپ زخمی ہیں۔ ہم آپ کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

سعد نے کہا۔ "یہ میرا حکم ہے۔ میں اسلئے پیچھے رہنا چاہتا ہوں کہ میں زخمی ہوں۔"

سعد کے ساتھیوں نے ایک خطرناک ڈھلوان کی طرف گھوڑوں کی باگیں موڑ لیں اور وہ پگڈنڈی

سے ایک طرف ہٹ کر ایک جھاڑی کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ جونہی دو سوار اس کی زد میں آئے اس نے تیر چلا دیا۔ تیر اگلے سوار کے سینے میں لگا۔ پیچھے آنے والے سوار نے جلدی سے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن سعد کا دوسرا تیر اس کی کمر میں لگا اور وہ بھاگتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا

سعد نے اپنے گھوڑے سے اتر کر تلوار کی نوک سے پگڈنڈی پر ایک نشان بنایا اور پاس ہی ایک درخت کی شاخ کاٹ کر زمین پر رکھ دی اور دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کوئی پچاس گز آگے جا کر اس نے ایک درخت کے تنے میں اپنا خنجر گاڑ دیا۔ اس کے بعد وہ چٹانوں اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا پہاڑ سے نیچے اُترنے لگا۔

ڈھلوان اس قدر خطرناک تھی کہ گھوڑے کا ایک غلط قدم اسے تحت الثریٰ تک پہنچا سکتا تھا۔ تھوڑی دور آگے یہ ڈھلوان کھڈ سے ملتی تھی جس کا تدریجی نشیب وادی کے درمیان ایک خشک برساتی نالے پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ سعد کے ساتھی کوئی تین سو گز اس سے آگے تھے۔ کھڈ کے اونچے کناروں نے انہیں پہاڑ کی طرف آنے والے سواروں کی نگاہوں سے بچا رکھا تھا۔ تاہم سعد کو یہ خدشہ تھا کہ وہ جونہی کھڈ سے باہر نکل کر سامنے والے پہاڑ کے دامن میں گھنے جنگل کا رُخ کریں گے، پہاڑ پر چڑھنے والے سوار یا ان کے وادی میں پھیلے ہوئے ساتھی انہیں دیکھ لیں گے۔

برساتی نالے سے باہر نکل کر سعد نے چاروں طرف دیکھا تو اس کا ایک ساتھی پوری رفتار کے ساتھ جنگل کا رُخ کر رہا تھا لیکن دوسرے کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے دائیں ہاتھ کوئی نصف میل کے فاصلے پر آٹھ سوار ان کا تعاقب کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔

سعد نے جلدی سے اپنا گھوڑا ایک ٹیلے کی آڑ میں کر لیا۔ جب سوار ٹیلے کے قریب پہنچے تو اس نے تیر چلائے اور آخری دو سواروں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ بھاگتے ہوئے گھوڑے پر سے اس نے دو تیر اور چلائے اور ایک اور تیر کو مار گرایا۔ اتنی دیر میں دو سواروں نے گھوڑوں کی باگیں موڑ کر سعد پر حملہ کر دیا۔ سعد نے ان میں سے ایک کو تیر مار کر زخمی کیا اور پھر جلدی سے گھوڑے کو ایک چکر دے کر دوسرے کے مقابلے میں تلوار نکال لی۔ جب

حملہ آور نے سامنے آکر نیزہ مارا تو سعد نے اچانک ایک طرف جھک کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تلوار کا سیدھا وار کیا۔ حملہ آور کا نیزہ سعد کی پسلی کو چھوتا ہوا آگے نکل گیا اور سعد کی تلوار اس کے پیٹ کے پار ہوگئی۔ اس سوار کا دوسرا ساتھی جو سعد کے تیر سے زخمی ہوا تھا، تھوڑی دور جاکر اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور کمان میں تیر چڑھا کر پتھروں اور جھاڑیوں کی آڑ میں رینگتا ہوا سعد کی طرف بڑھنے لگا۔

باقی تین سوار جو سعد کے ساتھیوں کے تعاقب میں کچھ دور جا چکے تھے واپس مڑے اور سعد نے اچانک نیام میں تلوار ڈال کر دوبارہ اپنی کمان سنبھال لی۔ سعد کا ایک ساتھی جنگل کے قریب پہنچ چکا تھا لیکن دوسرے نے جب اپنا تعاقب کرنے والوں کو مڑ کر سعد کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا تو اپنا ارادہ بدل دیا اور گھوڑے کی باگ موڑ لی۔ سعد پر حملہ کرنے والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے اس نے یکے بعد دیگرے تین تیر چلا دیئے۔ ایک سوار زخمی ہو کر دوبارہ اس کی طرف موڑا۔ لیکن بربر سوار کے ہاتھ میں تیر اور کمان خطرناک سمجھتے ہوئے وہ ایک طرف بھاگ نکلا۔ باقی دو سوار تیزی سے گھوڑے بھگاتے ہوئے سعد سے کوئی تیس قدم کے فاصلے پر پہنچے تو اس نے ایک تیر چھوڑ دیا۔ سعد کا یہ تیر بھی نشانے پر لگا۔ دوسرے سوار نے اچانک اپنا گھوڑا روکا لیکن جب اس نے بربر کو قریب آتے دیکھا تو ایک طرف بھاگ نکلا۔

سعد نے بربر کو آواز دی "صدیق تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

صدیق نے گھوڑا بھگا کر قریب آتے ہوئے کہا "نکل گیا ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ وہ پہنچ جائے گا۔ اِدھر دیکھیے، وہ آرہے ہیں!"

سعد نے پیچھے مڑ کر پہاڑ کی طرف دیکھا۔ قریباً چالیس پچاس سوار تیزی سے نیچے اتر کر ان کی طرف آرہے تھے۔ سعد نے جلدی سے گھوڑے کی باگ موڑ لی لیکن اچانک قریب ہی ایک پتھر کی آڑ سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور سعد کی کمر میں پیوست ہو گیا۔ بربر گھوڑا بھگا کر جھاڑی کی طرف بڑھا۔ تیر انداز نے پتھر کی آڑ سے ایک اور تیر چلایا۔ لیکن بربر نے اچانک سر جھکا کر اپنے

آپ کو بچا لیا۔ تیر انداز پتھر کی آڑ سے نکل کر ایک خالی گھوڑے کی طرف بھاگا لیکن بربر نے تیر مارا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

بربر دوبارہ سعد کے ساتھ جا ملا اور دونوں جنگل کا رُخ کرنے لگے۔ ان کے گھوڑے تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکے تھے اور ہر لحظہ تعاقب کرنے والے سواروں کی نئی ٹولی ان کے قریب پہنچ رہی تھی۔

(۴)

تھوڑی دیر بعد جب وہ جنگل میں داخل ہو رہے تھے، سعد کے گھوڑے نے گر کر دم توڑ دیا۔ بربری نے اپنا گھوڑا روکا اور نیچے کود کر سعد کی طرف بڑھا۔ سعد لڑکھڑاتا ہوا زمین سے اُٹھا اور اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر چلایا۔ "صدیق! تم غلطی نہ کرو۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ دیکھو وہ قریب آرہے ہیں۔ میں ویسے بھی زیادہ دیر تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا!"

صدیق نے کہا۔ "میرا گھوڑا ابھی جواب دے چکا ہے اور آگے چڑھائی ہے۔ اگر ہم سیدھے سامنے پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کریں تو سوار اپنے گھوڑوں سے اترے بغیر ہمارا پیچھا نہیں کر سکیں گے۔"

سعد اپنی رہی سہی ہمت کو بروئے کار لاتے ہوئے پہاڑ کے دامن کی تدریجی ڈھلوان کا رُخ کرنے کی بجائے دائیں ہاتھ مڑ کر براہِ راست ایک چٹان کے اوپر چڑھنے لگا۔

تعاقب کرنے والے سوار چٹان کے قریب پہنچتے ہی اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور چٹان کے اوپر چڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں سعد اور ان کے درمیان بمشکل دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ زخموں سے چُور ہونے کے باعث سعد کی رہی سہی قوت جواب دے چکی تھی۔ چٹان کی چوٹی سے کوئی بیس گز نیچے وہ نڈھال سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کا ایک ساتھی جو چند قدم آگے نکل چکا تھا واپس مڑا اور اس کا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے چلایا۔ "اس چٹان کی چوٹی پر ہم اپنا آخری مورچہ بنا سکتے ہیں۔ ہمارے ترکش ابھی تک تیروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپ ہمت نہ ہاریں!"

سعد اٹھا لیکن ایک ثانیہ کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

بربر نے کہا۔ "آپ چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کریں میں ان کا راستہ روکتا ہوں!"

سعد نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "صدیق! تم میرے لئے اپنی زندگی خطرے میں نہ ڈالو!"

"ہم دونوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھی اتنے آدمیوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔" یہ کہہ کر صدیق سعد کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اوپر چڑھنے لگا۔

صدیق کے ساتھ چھ سات قدم اٹھانے کے بعد سعد نے کہا۔ "مجھے چھوڑ دو۔ وہ قریب آ رہے ہیں۔ میں سہارے کے بغیر چل سکتا ہوں۔"

صدیق ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ چوٹی کے قریب آخری چند گز کا فاصلہ نہایت دشوار گزار تھا۔ سعد نے کمان گلے میں ڈال لی اور اپنے پاؤں اور ہاتھوں سے کام لیتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔ چوٹی پر پہنچ کر اس پر پھر ایک بار تھوڑی دیر کے لئے بیہوشی طاری ہو گئی اور وہ منہ کے بل لیٹا رہا۔ اتنی دیر میں چند آدمی صدیق کے قریب پہنچ چکے تھے۔ صدیق نے پتھر کی آڑ سے یکے بعد دیگرے چند تیر چلائے۔ تین آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ ایک چٹان کے نشیب سے لڑھکتا ہوا کئی گز نیچے چلا گیا۔ باقی دہشت زدہ ہو کر جھاڑیوں اور پتھروں کے پیچھے چھپ گئے۔

صدیق پتھر کی آڑ سے نکل کر تیزی کے ساتھ اوپر چڑھنے لگا۔ تعاقب کرنے والوں میں سے ایک آدمی بلند آواز میں چلایا۔ "اگر اب تم میں سے کوئی پیچھے ہٹا تو میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

چند آدمی تیر برساتے ہوئے دوبارہ چٹان پر چڑھنے لگے لیکن اتنی دیر میں صدیق چوٹی پر پہنچ چکا تھا۔

"آپ کیسے ہیں؟" صدیق نے سعد کے قریب ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ کر ایک تیر چلاتے ہوئے سوال کیا۔

سعد نے اپنی کمان گلے سے اتارتے ہوئے جواب دیا۔ "میں ٹھیک ہوں!"

آٹھ دس آدمی چیختے چلاتے چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سعد اور اس کے ساتھی نے یکے بعد دیگرے چند تیر چلائے اور ان میں سے پانچ کو ڈھیر کر دیا۔ باقی جس تیزی سے اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے اس کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگے۔

صدیق قدرے مطمئن ہو کر سعد کی طرف متوجہ ہوا۔ "اگر اجازت ہو تو میں آپ کے جسم سے یہ تیر نکال دوں؟"

"نہیں یہ بہت گہرا جا چکا ہے۔ میں اسے نکالنے کی کوشش کر چکا ہوں۔"

صدیق نے کہا۔ "منافق ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں۔ دیکھئے اب وہ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اگر ہم تھوڑی دیر ان کا مقابلہ کر سکیں تو شاید قلعے کے آدمی اس طرف آ نکلیں۔"

"میں ان کی رہنمائی کے لئے نشان چھوڑ آیا ہوں۔ تمہارے ترکش میں کتنے تیر ہیں؟"

"قریباً چالیس ہوں گے۔"

"اتنے ہی شاید میرے ترکش میں بھی ہیں۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ کوئی تیر رائیگاں نہ جائے۔"

عقب میں ایک کھڈ کے باعث یہ چٹان باقی پہاڑ سے کٹی ہوئی تھی۔ سعد نے اٹھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور دوبارہ اپنے ساتھی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں عقب سے کوئی خطرہ نہیں لیکن دائیں بائیں اور سامنے کی اطراف کا خیال رکھنا چاہیئے!"

سعد کمان میں تیر چڑھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ حملہ آور پتھروں اور جھاڑیوں میں رینگتے ہوئے اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کسی نے بلند آواز میں کہا۔ "اب لڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم مکمل طور پر ہمارے گھیرے میں آ چکے ہو۔ اگر ہتھیار ڈال دو تو شاید اب بھی تمہاری جانیں بچ جائیں!"

سعد نے اسی بلند آواز میں جواب دیا۔ "میرے ترکش میں قریباً چالیس تیر ہیں اور قریباً اتنے ہی میرے ساتھی کے ترکش میں ہیں اور ہم تمہیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا کوئی تیر رائیگاں نہیں جائے گا۔"

پہاڑی کا محاصرہ کرنے والوں کے سالار نے کہا۔ "آخر تم کب تک لڑو گے۔ تمہیں باہر سے کسی اعانت کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس چٹان پر بھوک اور پیاس بالآخر تمہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گی۔ ہم تمہیں آخری بار سوچنے کا موقع دیتے ہیں!"

سعد نے جواب دیا۔ "ہمیں سوچنے کا موقع دینے کی بجائے تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے خون کے چند قطرے اندلس کے ملت فروشوں کا یوم حساب قریب لے آئیں گے۔ اگر تمہیں شہزادہ رشید نے ہمارا راستہ روکنے کے لئے بھیجا ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ الفانسو کے ساتھ اندلس کی عزت اور آزادی کا سودا کر چکا ہے اور اب تک شاید امیر یوسف کو بھی اس بات کا علم ہو چکا ہو۔"

سالار نے پتھر کی آڑ سے نکل کر چند قدم آگے کھسکتے ہوئے کہا۔ "امیر یوسف اگر زندہ ہے تو اب تک وہ حصن اللیط کا محاصرہ اٹھا کر ایک منزل آگے جا چکا ہوگا۔" سعد نے جواب دینے کی بجائے تیر چلا دیا اور سالار اپنے بازو پر زخم کھا کر دوبارہ پتھر کی آڑ میں لیٹ گیا۔

چند لمحات کے لئے حملہ آوروں میں سے کسی نے جنبش نہ کی۔ سعد کے لئے یہ سکوت تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ کی نسبت کہیں زیادہ صبر آزما تھا۔ زخموں میں درد کی شدت کے باعث وہ کبھی کبھی اپنا سر ایک پتھر پر رکھ کر منہ کے بل لیٹ جاتا۔ پھر گردن اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتا جب آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تو وہ پھر اسی طرح لیٹ جاتا۔ صرف ایک امید اسے موت کے خلاف جنگ لڑنے پر آمادہ کر رہی تھی۔ اس کے ڈوبتے ہوئے دل کی نحیف دھڑکنیں کہہ رہی تھیں "قلعے کے محافظ ہماری مدد کے لئے ضرور آئیں گے۔ وہ اب زیادہ دور نہیں ہوں گے۔ اب تک انہوں نے راستے کی فلاں ندی اور فلاں پہاڑی عبور کر لی ہو گی۔ ابھی میری موت کا وقت نہیں آیا۔ مجھے زندہ رہنا چاہیئے۔ حصن اللیط پر اسلام کا پرچم دیکھنے کے لئے میمونہ کو فتح کا مژدہ سنانے کے لئے اور قرطبہ میں برسوں سے ایک اجڑا ہوا گھر آباد کرنے کے لئے مجھے زندہ رہنا چاہیئے۔ ابھی تک میری زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ ابھی تک میں نے اپنے سپنوں کی تعبیر نہیں دیکھی۔ لیکن اگر میرا آخری وقت آ ہی چکا ہے تو بھی جب تک میری رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہہ نہیں جاتا میں مقابلہ کروں گا۔" اس قسم کے خیالات کی رو میں نقاہت، درد اور پیاس کی شدت کا احساس تھوڑی دیر کے لئے دب کر رہ جاتا اور وہ از سرِ نو مستعد ہو کر بیٹھ جاتا۔

اچانک صدیق نے شمال کے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر دیکھئے وہ آ رہے ہیں!"

سعد کو تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ پہاڑ سے اتر کر وادی کا رُخ کرتا ہوا دکھائی دیا اور اس کی آنکھوں میں امید کی نئی روشنی جھلکنے لگی۔ اس نے کہا۔ "صدیق! قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ ہم ان بزدلوں کے ہاتھوں مارے جائیں۔ وہ ہمارے آدمی ہیں، ان کا رُخ بھی اسی طرف ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو دیکھ چکے ہیں۔"

دائیں طرف سے کسی پتھر کے نیچے لڑھکنے کی آہٹ سنائی دی۔ صدیق نے جلدی سے آگے بڑھ کر نیچے دیکھا اور چلایا۔ "ہوشیار! وہ اس طرف سے حملہ کرنا چاہتے ہیں!"

سعد نے گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے دائیں طرف نگاہ دوڑائی۔ چند آدمی پتھروں کی آڑ میں رینگتے ہوئے اوپر آ رہے تھے۔ سعد اور صدیق نے دو آدمیوں کو تیروں سے زخمی کیا اور باقی پتھروں کی آڑ میں لیٹ گئے۔

"آپ اس طرف کا خیال رکھیں۔ میں دوسری طرف دیکھتا ہوں!" صدیق یہ کہہ کر بائیں طرف ایک پتھر کی آڑ لے کر نیچے جھانکنے لگا۔ اس طرف سے بھی چند آدمی اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صدیق نے چند تیر چلا کر ان کی پیش قدمی بھی روک دی۔ اس کے بعد حملہ آور اچانک دائیں، بائیں اور سامنے کی اطراف سے یلغار کر کے اوپر آنے لگے۔ سعد اور صدیق چوٹی کے دو ایسے کونوں میں بیٹھ گئے جہاں سے وہ تینوں اطراف تیر برسا سکتے تھے۔ سعد تیر چلاتے چلاتے کبھی کبھی وادی کی طرف دیکھ لیتا اور سواروں کے دستے کو قریب آتے دیکھ کر اس کا حوصلہ تازہ ہو جاتا۔ حملہ آور چوٹی سے چند گز نیچے پھر ایک بار رک گئے۔ دائیں طرف سے اچانک سات آدمی پتھروں کی آڑ سے نمودار ہوئے اور انہوں نے چوٹی سے دھاوا بول دیا۔ سعد نے ان میں سے دو کو گرا دیا لیکن تین چوٹی پر پہنچ گئے۔ ایک نے تلوار نکال کر سعد پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن سعد کا تیر اس کے سینے میں لگا اور وہ ایک جگہ دو زخم کھانے کے بعد گر پڑا۔ صدیق نے کمان پھینک کر تلوار نکالی اور اس کے پیچھے آنے

والے دو آدمیوں پر حملہ کر دیا۔ اس نے پہلی ہی ضرب میں ایک آدمی کو گرا لیا اور دوسرے پر لوٹ پڑا۔ اتنی دیر میں سامنے سے دو آدمی چوٹی پر پہنچ گئے۔ سعد نے اٹھ کر تلوار کے ساتھ ان حملہ کر دیا اور دھکیلتا ہوا چٹان کے کونے تک لے آیا۔ اس کی تلوار ایک آدمی کے کندھے پر لگی اور وہ چٹان سے نیچے گر پڑا۔ دوسرے نے سعد پر وار کیا اور اس کی تلوار سعد کے بائیں بازو پر زخم لگاتی ہوئی نیچے پھسل گئی۔ اس کے ساتھ ہی سعد کو چکر آیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا چند قدم پیچھے ہٹ کر ایک پتھر پر گر پڑا۔ حملہ آور نے دوسرا وار کرنے کی کوشش کی لیکن اس عرصے میں صدیق اپنے مدِمقابل کو موت کے گھاٹ اتار کر اس طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے بیہوشی کی حالت میں پڑے ہوئے سعد پر حملہ کرنے والے دشمن کا وار اپنی تلوار پر روک لیا۔ چند بار ان دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں۔ بالآخر صدیق نے ایک سیدھا وار کیا اور اس کی تلوار دشمن کے سینے میں اتر گئی۔ باقی حملہ آور اوپر آنے کی بجائے شور مچاتے ہوئے نیچے اتر رہے تھے۔ کوئی بلند آواز میں چلا رہا تھا۔ "بربری آگئے۔ بھاگو۔ بھاگو!"

تقریباً نصف ساعت کے بعد صدیق، سعد کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "قدرت نے ہمیں فتح دی ہے۔ قلعے کے سپاہی پہنچ گئے ہیں۔ دشمن بھاگ گیا ہے۔ دیکھئے وہ اوپر آ رہے ہیں!"

سعد نے ہوش میں آکر آنکھیں کھولیں اور گردن اٹھا کر چٹان سے نیچے دیکھنے لگا۔ قلعے کے چند سپاہی اوپر آ رہے تھے۔ اچانک سعد کی نگاہیں کسی کے چہرے پر کوز ہو کر رہ گئیں یہ میمونہ تھی۔ سعد نے کہا۔ "صدیق! صدیق!! کیا میں زندہ ہوں؟"

صدیق مسکرایا۔ "آپ زندہ ہیں، آپ کو زندہ رہنا چاہیئے۔ آپ کی قوم کو آپ کی ضرورت ہے۔"

"میری قوم!" سعد نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بیہوشی کی حالت میں بھی اس کے چہرے پر ایک اداس اور معصوم مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

(۴)

رات کے پچھلے پہر امیر یوسف اور ملوک الطوائف کی افواج نے حصن اللّیط پر حملہ کیا اور طلوعِ آفتاب کے قریب حملہ آور فوج پہاڑ کے دامن میں دشمن کے دفاعی مورچے روندنے کے بعد قلعے کی چار دیواری پر یلغار کر رہی تھی۔ حملہ آور دبابوں، سیڑھیوں اور کمندوں کی مدد سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور قلعے کے محافظ ان پر تیروں کی بارش کرنے کے علاوہ کھولتا ہوا تیل اور گندھک برسا رہے تھے۔ مرابطین کے حملے کا زور قلعے کی مغربی، جنوبی اور شمالی سمتوں پر تھا مشرقی سمت سے ملوک الطوائف اور اندلس کے رضاکاروں کے دستے حملہ کر رہے تھے۔ امیر یوسف نے احتیاطاً اپنی فوج کا ایک دستہ ان کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ اشبیلیہ، مالقہ اور غرناطہ کے حکمرانوں کی غیر حاضری میں ان کی فوج کی قیادت اشبیلیہ کے سپہ سالار کے سپرد تھی۔ لیکن حملے کے وقت چند اور حکمران بھی غائب ہو چکے تھے اور ان کی فوجوں کی رہنمائی بطلیوس کا سپہ سالار کر رہا تھا۔

قلعے کے تین اطراف گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ افریقہ کے مجاہد دشمن کے تیروں اور بھالوں کے مقابلے میں سینے تان کر آگے بڑھتے اور فصیل پر سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے۔ جب ایک دستہ پیچھے ہٹتا دوسرا آگے بڑھ کر اس کی جگہ لے لیتا۔ دبابے جل رہے تھے، سیڑھیاں گرائی جا رہی تھیں۔ تیروں اور بھالوں کی بارش ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود مرابطین کے حملے کی تندی اور تیزی ہر لحظہ بڑھ رہی تھی۔

"بہادرو! آگے بڑھو آج تمہاری فتح کا دن ہے!" امیر یوسف کا یہ نعرہ گرتے ہوئے حوصلوں کے لئے صورِ اسرافیل کا کام دے رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا کبھی قلعے کے ایک طرف اور کبھی دوسری طرف جا پہنچتا اور اسے دیکھنے والوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی تھی۔

[illegible] سر پھرے زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر فصیل پر پہنچ جاتے تھے۔ انہیں پہلے فصیل کے محافظوں [illegible] اور تلواروں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے بعد فصیل کے اوپر برجیوں [illegible] کے فاصلے پر ایسے [illegible] دشمن کے تیر اندازوں کے لئے ناقابلِ تسخیر مورچوں کا کام دے رہے تھے۔ فصیل کے کسی حصے

Scanned by iqbalmt
Scanned by iqbalmt

پر پاؤں جمانے کے لئے ان مورچوں پر قبضہ کرنا ضروری تھا اور فصیل سے ان برجوں تک پہنچنا باہر سے فصیل تک پہنچنے کی نسبت کم مشکل نہ تھا۔

حملہ آور قلعے سے باہر پہاڑ کے دامن میں منجنیق نصب کر کے پتھر اور آتشیں گولے برسا رہے تھے ایک بھاری پتھر قلعے کی شمالی دیوار پر لگا اور برج کے گرتے ہی مرابطین کی فوج کے چند سپاہی مارِ دھاڑ کرتے ہوئے فصیل پر جا پہنچے۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے فصیل کے اس حصہ کے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار کر تھوڑی سی جگہ خالی کر لی۔ لیکن قلعے کے اندر سے عیسائیوں کا تازہ دم دستہ ان کے مقابلے میں آ گیا۔ اتنی دیر میں مسلمانوں کا ایک تازہ دم دستہ بھی فصیل پر پہنچ چکا تھا۔ فریقین انتہائی جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے اور ہر لحظہ ایک تنگ سی جگہ پر ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

(۵)

جب قلعے کی تین اطراف گھمسان کی جنگ لڑ جا رہی تھی، مشرق کی سمت ملوک الطوائف اپنی غداری اور بد عہدی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہے تھے۔ حملے سے قبل مرابطین اور ملوک الطوائف کی افواج کے رہنماؤں کے درمیان یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ دشمن کی قوت تقسیم کرنے کے لئے وہ چاروں اطراف سے بیک وقت حملہ کریں گے اور طلوع آفتاب کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر قلعے کی چار دیواری پر یلغار کر دیں گے۔ لیکن اندلس کے حکمران در پردہ کئی دن سے جس سازش کی تیاریاں کر رہے تھے وہ رات کے وقت پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ شہزادہ رشید مستقر میں پہنچتے ہی انہیں یہ بتا چکا تھا کہ امیر یوسف کی فتح کے بعد اندلس کے حکمرانوں کا انجام کیا ہوگا۔ حملے سے پہلے فوج کے افسروں میں سے قریباً سب کو یہ معلوم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ چنانچہ جب طلوع آفتاب کے وقت

ؔ نیزے کی طرح ایک لمبی لکڑی کے ایک سرے پر روئی وغیرہ باندھ دی جاتی تھی اور اس پر ایک قسم کا بارود یا جلنے والا مسالہ لگا دیا جاتا تھا۔ پھر مسالے والے سرے کو آگ لگا کر تیر کی طرح منجنیق کی قسم کی ایک مشین کی مدد سے پھینکا جاتا تھا۔ ہلکی قسم کے آتشیں تیر بھاری کمانوں کی مدد سے بھی چلائے جاتے تھے۔

امیر یوسف کا لشکر تین اطراف سے قلعے کی فصیل پر یلغار کر رہا تھا۔ اندلس کی فوج نے بمشکل پہاڑ کا نصف حصہ عبور کیا تھا۔ جب فوج آگے بڑھتی تو سالار حکم دیتے۔ "ٹھہرو! منجنیق اور دبابے پیچھے رہ گئے ہیں۔" جب منجنیق اور دبابے پہنچ جاتے تو سالار ایک دوسرے سے مشورہ کرتے کہ منجنیق کہاں نصب کی جائے۔ ہر ایک کی رائے دوسرے سے مختلف ہوتی۔ بالآخر جب وہ کسی فیصلے پر پہنچتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ہدف بہت دور ہے اور منجنیق کا کوئی گولہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوبارہ پیش قدمی شروع ہوتی۔ عام سپاہی جن میں سے اکثر کو ابھی تک یہ امید تھی کہ وہ فیصلہ کن جنگ میں حصہ لینے کے لئے جا رہے ہیں جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھتے لیکن انہیں پھر اچانک رکنے کا حکم دیا جاتا۔ حیران اور پریشان سپاہیوں کو معلوم ہوتا کہ ان کے رہنماؤں نے پھر صفوں کی ترتیب میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی ہے۔ اگلی صف میں اگر تیر انداز ہوتے تو انہیں حکم ملتا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور ان کی جگہ نیزہ باز آگے ہو جائیں۔ اگر نیزہ باز آگے ہوتے تو انہیں حکم ملتا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور ان کی جگہ تیر انداز آگے آ جائیں۔ کبھی کسی سالار کا پاؤں پھسلتا اور باقی سالار فوج کو رکنے کا اشارہ کر کے مزاج پرسی کے لئے اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ گرنے والا بعد ناز و ادا آنکھیں کھولتا اور اپنے ہونٹوں پر ایک منافقانہ مسکراہٹ لاتے ہوئے کہتا۔ "مجاہدو! تم میری فکر نہ کرو آگے بڑھو!" اور مجاہد آگے بڑھتے۔ پھر کسی کی آواز سنائی دیتی۔ "ٹھہرو! دبابے پیچھے رہ گئے ہیں!" اور ہر دستے کا سالار اس آواز کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا دیتا۔

اندلس کے رضاکاروں کے دستے ملوک الطوائف کی فوج کے دائیں بازو پر تھے۔ عبد المنعم ان کا سالار اعلیٰ تھا۔ افریقی فوج کا ایک دستہ ملوک الطوائف کی فوج کے بائیں بازو پر تھا۔ یہ لوگ یلغار کرتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ چکے تھے اور فصیل پر حملہ کرنے سے پہلے انتہائی غصے اور اضطراب کی حالت میں ملوک الطوائف کی افواج کا انتظار کر رہے تھے۔

بربر دستے کا سالار بھاگتا ہوا عبد المنعم کے پاس پہنچا اور اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا "تم نے ان بزدلوں کے ساتھ اتحاد کیا ہے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر وقت ضائع کر رہے ہیں میری سمجھ

میں نہیں آتا کہ اب انہیں آگے بڑھنے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ آخر بزدلی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے! ان کے تساہل کے باعث اب تک ہمارے سینکڑوں سپاہیوں کا نقصان ہو چکا ہوگا۔ خدا کے لئے آپ انہیں جا کر سمجھائیں۔ وقت جا رہا ہے!"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "اب میرا سمجھانا بے سود ہے۔ ان کے تساہل کی وجہ بزدلی نہیں غداری ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میرا خیال تھا کہ وہ راستے میں دشمن کے تیر اندازوں کے باعث احتیاط کر رہے ہیں لیکن آپ دیکھ چکے ہیں کہ تیر اندازوں کے مورچے خالی ہیں اور ان کے خالی ہونے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ دشمن ان کے متعلق مطمئن ہے۔ اب ہم زیادہ دیر ان کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم فصیل پر حملہ کر رہے ہیں۔ اگر وہ بدنیت نہیں تو ضرور ہمارے ساتھ آ ملیں گے اگر وہ بدنیت ہو چکے ہیں تو بھی ہم اس طرف سے حملہ کر کے باقی سمتوں سے دشمنوں کا دباؤ تھوڑا بہت کم کر سکیں گے اگر ہم فصیل کے کسی حصے پر قبضہ کر لیں اور ملوک الطوائف کے سپاہی اس پر بھی ٹس سے مس نہ ہوں تو آپ امیر یوسف تک یہ اطلاع پہنچا دیں کہ اندلس کے رضاکاروں نے اندلس کے حکمرانوں کی غداری کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔"

عبدالمنعم نے رضاکاروں کو حملے کا حکم دیا اور وہ نعرے لگاتے ہوئے فصیل کی طرف دوڑنے لگے عبدالمنعم ان کے قلب میں تھا اور اس کے بیٹے احمد اور حسن دائیں اور بائیں بازو کی رہنمائی کر رہے تھے۔ بربری دستہ رضاکاروں کے پیش پیش تھا۔ فصیل سے تھوڑی دور یہ لوگ دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ کا سامنا کر رہے تھے۔ لیکن وہ ڈھالوں کی پناہ میں فصیل تک پہنچ گئے اور سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھنے لگے فصیل کے اس حصے پر محافظوں کی تعداد دوسرے حصوں کی نسبت کم تھی اور اس جگہ کھولتا ہوا تیل اور جلتی ہوئی گندھک پھینکنے کے انتظامات بھی نامکمل تھے۔ لیکن محافظوں کی جو تعداد یہاں موجود تھی وہ ایک تنگ محاذ پر تہا رضاکاروں اور ایک بربری دستے کو روکنے کے لئے ضرورت سے زیادہ تھی۔

پہلے حملے میں سیڑھیوں سے گرنے اور دشمن کے نیزوں اور تلواروں سے زخمی ہونے والوں کی حوصلہ شکن تعداد دیکھ کر رضاکار بد دل ہو کر پیچھے ہٹے لیکن عبدالمنعم نے آگے بڑھ کر ایک گری ہوئی

سیڑھی اٹھائی اور فصیل کے ساتھ لگا کر اوپر چڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر رضاکاروں کی غیرت نے جوش مارا اور وہ بھی بھاگ کر اس کے ساتھ ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں عبدالمنعم کے ساتھ بیس آدمی فصیل پر پہنچ چکے تھے اور فصیل کے محافظوں کے ساتھ ان کی دست بدست لڑائی ہو رہی تھی۔ اس عرصے میں عبدالمنعم کے دائیں اور بائیں فصیل کے دو اور مقامات پر احمد اور حسن پاؤں جما چکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد قلعے کی مشرقی دیوار پر جنگ کی یہ کیفیت تھی کہ چار برجوں کے درمیان جگہ جگہ حملہ آوروں اور محافظوں کی ٹولیاں آپس میں گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔ فریقین کے زخمی فصیل سے نیچے قلعے کے اندر اور باہر کی طرف گر رہے تھے۔

جب فصیل کے اوپر محافظ دستے حملہ آوروں کے ساتھ برسرپیکار تھے باقی رضاکاروں کے لئے اوپر چڑھنا نسبتاً آسان تھا۔ لیکن جلد ہی فصیل کے محافظوں کی پکار سن کر قلعے کی فوج کے نئے دستے ان کی مدد کے لئے پہنچنے لگے۔ قلعے کے صحن سے فصیل کے ہر برج تک زینے بنے ہوئے تھے اور ہر برج سے دائیں اور بائیں ایک ایک دروازہ فصیل کی طرف کھلتا تھا جب قلعے کے چار برجوں کے دروازے اچانک کھلے اور نصرانیوں کا سیلاب فصیل پر امڈ آیا تو مسلمان فصیل کے ہر حصے پر یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ چکے ہیں۔ جتنے رضاکار اوپر پہنچ رہے تھے ان سے زیادہ زخمی ہو کر گر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اوپر آنے والا کوئی نہ تھا۔ مسلمانوں کی آخری کوشش یہ تھی کہ وہ قلعے کے برجوں پر قبضہ کر کے قلعے کے اندر سے اوپر آنے والوں کا راستہ بند کر دیں لیکن ان کے راستے میں آدمیوں کی دیواریں کھڑی تھیں۔ ایک نصرانی گرتا اور اس کی جگہ لینے کے لئے دو اور آ جاتے۔ بعض مقامات پر فریقین کی بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ ان کے لئے تلوار چلانا مشکل تھا۔ وہ ایک دوسرے سے لپٹ جاتے۔ کبھی طاقتور کمزور کو اٹھا کر فصیل سے نیچے پھینک دیتا اور کبھی دونوں ایک دوسرے سے زور آزمائی کرتے ہوئے نیچے لڑھک آتے۔ اس قسم کی لڑائی میں خنجروں کے استعمال سے واقفیت رکھنے والے مسلمانوں کا پلہ بھاری رہتا۔ تاہم ان کی تعداد ہر لحظہ کم ہو رہی تھی۔

ملوک الطوائف کے سپاہی جواب فصیل سے کوئی اڑھائی سو قدم کے فاصلے پر کھڑے تھے

زیادہ دیر تماشائی نہ رہ سکے۔ ان کی زبانیں جو افسروں کے خوف یا احترام کے باعث گنگ تھیں۔ آہستہ آہستہ احتجاج کرنے لگیں۔ غرناطہ کی فوج کے ایک افسر کی حمیت نے جوش مارا اور اس نے اپنے دستے کے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "یہ غداری ہے۔ ہم قیامت کے دن آج کے شہیدوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

پیشتر اس کے کہ غرناطہ کا سالار اعلیٰ مداخلت کرتا، یہ سر پھرا نوجوان اپنے دستے کے ساتھ قلعے کا رُخ کر رہا تھا۔ آن کی آن میں المریہ، بطلیوس، قرطبہ اور مرسیہ کی افواج سے تین سو سپاہی اپنے سالاروں کے احتجاج کے باوجود اس کے پیچھے چل دیئے لیکن باقی لشکر نے اپنے سالاروں کی حکم عدولی کی جرأت نہ کی لیکن جب سالاروں نے فوج کو واپسی کا حکم دیا تو ڈیڑھ سو کے قریب اور سپاہی اپنے سالاروں کو گالیاں دیتے ہوئے باغیوں کے ساتھ جا ملے۔

رضاکار نئے مددگاروں کی آمد کو تائید غیبی سمجھ کر اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ لڑنے لگے عبدالمنعم نے ایک زور دار حملہ کیا اور دشمن کو دھکیلتا ہوا فصیل کے بُرج کے اندر داخل ہو گیا۔ بُرج سے تنگ سیڑھیوں کے راستے نیچے اترتے ہوئے چار نوجوان اس سے آگے تھے۔ صحن تک پہنچتے پہنچتے ان میں سے تین زخمی ہو کر گر پڑے۔ صحن میں کھلی جگہ پاؤں رکھتے ہی عبدالمنعم کے سامنے دشمن کی تلواروں اور نیزوں کی دیواریں کھڑی تھیں۔ وہ ایک بھوکے شیر کی طرح دشمن کی صفوں میں جا گھسا۔ آن کی آن میں اس کا جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد وہ گرا۔ گر کر اٹھا اس کے پیچھے آنے والے جانبازوں نے نعرہ بلند کیا۔ لیکن یہ بجھتے ہوئے چراغ کی آخری لو تھی عبدالمنعم کی تلوار کی آخری ضرب ایک نصرانی کے کندھے پر لگی اور سینے تک اتر گئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے گر کر دم توڑ دیا۔

ادریس جو زخموں سے چور ہونے کے باوجود آخری مرحلہ تک عبدالمنعم کے ساتھ تھا دشمن کی صفوں میں جا گھسا اور آن کی آن میں تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد گر پڑا۔ اس نے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ایک عیسائی کی تلوار اس کی کمر میں لگی اور وہ آخری بار "آگے بڑھو!" کہہ کر ہمیشہ

کے لئے خاموش ہو گیا۔

اتنی دیر میں پچاس ساٹھ رضاکار نیچے اتر کر زینے کے سامنے پاؤں جما چکے تھے اور ان کے ساتھی فصیل سے اُتر کر ان کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔ رضاکار کبھی دشمن کے دباؤ سے پیچھے دیوار کی طرف ہٹ جاتے اور کبھی دشمن کو دھکیلتے ہوئے چند قدم دور لے جاتے۔ زینے پر ہر حالت میں قابض رہنا ان کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا تھا۔ اوپر فصیل پر ملوک الطوائف کے لشکر سے بغاوت کرنے والے تازہ دم سپاہی پہنچ رہے تھے۔ مجاہدوں کی ایک ٹولی نے بُرج کا دوسرا دروازہ کھول کر دائیں بازو پر احمد کی قیادت میں لڑنے والے دستوں کے لئے نیچے اُترنے کا راستہ صاف کر دیا۔

احمد کی قیادت میں لڑنے والے رضاکار زینے کے راستے اتر کر صحن میں جنگ کرنے والوں کے ساتھ آملے۔ اب ان کی تعداد سات سو تک پہنچ چکی تھی۔ وہ باقی سپاہیوں کو فصیل عبور کرنے کا موقع دینے کے لئے کچھ دیر مدافعانہ جنگ لڑتے رہے۔ اندلس کے سپاہیوں میں سے قریباً ایک تہائی ابھی فصیل کے اوپر نہیں پہنچے تھے کہ نصرانیوں کے نئے دستے بائیں طرف کے بُرج سے فصیل پر پہنچ گئے اور انہوں نے فصیل پر رہے سہے سپاہیوں کو دائیں جانب کے بُرج کی طرف دھکیل دیا۔

(۶)

عبدالمنعم کی شہادت کے بعد رضاکاروں کی قیادت احمد کے ہاتھ میں تھی۔ حسن کی قیادت میں لڑنے والے دستے ابھی تک بائیں طرف فصیل کے دو بُرجوں کے درمیان مصروف پیکار تھے۔ بربری فوج کا دستہ بھی اس کے ساتھ تھا اور اس دستے کا سالار حملے سے تھوڑی دیر بعد امیر یوسف کو حالات سے باخبر کرنے کے لئے جا چکا تھا۔

حسن نے دیوار کے جس حصے پر حملہ کیا تھا وہ مشرقی دروازے سے زیادہ قریب تھا اور وہاں دفاعی انتظامات بھی دوسرے حصوں کی نسبت زیادہ تھے۔ جلتے ہوئے تیل اور گندھک کی بارش سے دشمن نے حسن کے پہلے دو حملے ناکام بنا دیئے لیکن تیسرے حملے میں حسن کے ساتھ پچاس جانباز فصیل کے اوپر

پہنچ گئے اور انہوں نے ایک شدید حملے کے بعد دشمن کو دائیں اور بائیں دھکیل کر باقی فوج کے لئے اوپر آنے کا راستہ صاف کر دیا۔ فصیل کے اوپر گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور حسن کے باقی ساتھی یکے بعد دیگرے اوپر پہنچ رہے تھے۔ اہلِ قلعہ بھی ان کے مقابلے کے لئے ہر آن تازہ دم سپاہی بھیج رہے تھے۔

اچانک حسن کے قریب ایک بربری بلند آواز سے چلایا۔ "دیکھئے ہماری فوج اس طرف آ رہی ہے"۔

حسن نے مڑ کر دیکھا۔ قلعے کے جنوب مشرقی کونے سے امیر یوسف کی فوج کے دستے نمودار ہو رہے تھے۔ معاً حسن کو اس بات کا احساس ہوا کہ دشمن ان دستوں کی آمد کے باعث قلعے سے مزید سپاہی اس محاذ پر لے آئے گا اور اگر مرابطین کی فوج فوراً قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکی تو دشمن فصیل پر لڑنے والے تمام رضاکاروں کا صفایا کر ڈالے گا۔ چنانچہ حسن نے کسی تاخیر کے بغیر مشرقی دروازے پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ رضاکار اور بربری مجاہد ایک تازہ ولولے کے ساتھ دشمن کو روندتے اور دھکیلتے ہوئے آگے بڑھے اور برج کے دروازے تک جا پہنچے۔ پیچھے ہٹنے والے عیسائیوں نے اندر سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کا ایک ریلا انہیں تنکے کی طرح بہا لے گیا۔ حسن نے زینے سے نیچے اترتے ہی احمد کے دستوں کے گرد گھیرا ڈالنے والے عیسائیوں پر عقب سے حملہ کر دیا اور تھوڑی دیر میں رضاکاروں کے دونوں گروہ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے ایک دوسرے سے آملے۔

حسن بلند آواز میں چلایا۔ "مجاہدو! دروازے کی طرف بڑھو۔ فوج اس طرف آ رہی ہے"۔ اور یہ جانباز قدم قدم پر لاشوں کے ڈھیر چھوڑتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں دشمن انہیں چاروں طرف سے گھیرے میں لے چکا تھا۔ وہ گھیرا توڑ کر چند قدم دروازے کی طرف نکل جاتے لیکن دشمن دوبارہ ان کے راستے میں نیزوں اور تلواروں کی دیواریں کھڑی کر دیتا۔

فصیل کے پہرے داروں نے اہلِ قلعہ کو بربری فوج کے دستوں کی آمد سے باخبر کر دیا تھا اور نصرانی سپہ سالار نے اپنے تمام محفوظ دستے اس محاذ پر منتقل کر دیئے تھے۔ اب قلعے کے اندر لڑنے والے رضاکاروں کی نسبت زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد زیادہ ہو چکی تھی اور ان کی ہر تلوار کے مقابلے

میں دشمن کی کئی تلواریں بلند ہو رہی تھیں۔

دروازے سے کوئی ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر احمد اور حسن اپنے ساتھ صرف ستر کے لگ بھگ رضاکاروں اور آٹھ بربری مجاہدوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے باقی ساتھی یا تو شہید اور زخمی ہو چکے تھے اور یا چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ان سے کٹ کر دشمن کے نرغے میں آ چکے تھے۔ دروازے کے قریب جگہ جگہ تیر اندازوں کے مورچے تھے۔ اچانک نصرانی رضاکاروں کے سامنے سے ہٹ کر دائیں اور بائیں بازو کی طرف سمٹ گئے اور ان مورچوں سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ چند لمحات کا تذبذب ان رہے سہے آدمیوں کے خاتمے کا باعث ہو سکتا تھا لیکن یہ سرفروش پوری رفتار سے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

تیس نوجوان جن میں سے اکثر کی زرہوں میں تیر اٹکے ہوئے تھے، دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ دروازے کے سامنے آہن پوش عیسائیوں کا ایک دستہ نیزے تانے کھڑا تھا۔ احمد نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے ایک نصرانی کو تلوار ماری۔ دروازے کے باہر سے اس نعرے کا جواب آیا۔ مجاہدوں نے آن کی آن میں چند آدمیوں کو ڈھیر کر دیا۔ آگے بڑھنے کا راستہ ملتے ہی احمد اور حسن کے ساتھی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے اور دروازے کی طرف پیٹھ کر کے دشمن کو صحن کی طرف دھکیلنے لگے۔ اتنی دیر میں تعاقب کرنے والی فوج ڈیوڑھی کے قریب پہنچ گئی۔

"دروازہ کھول دو ——— دروازہ کھول دو!" حسن نے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ غرناطہ کے رضاکار، الیاس، دو بربری مجاہد اور چار المریہ اور مالقہ کے رضاکار اس کے دائیں اور بائیں ہو گئے اور انہوں نے ایک صف میں آگے بڑھ کر دشمن کو ڈیوڑھی کے دوسرے سرے تک ہٹا دیا لیکن دشمن دوبارہ ایک سمندر کی لہر کی طرح آگے بڑھا۔ حسن کے سینے پر بیک وقت دو آدمیوں کے نیزے لگے۔ ایک تلوار اس کے کندھے پر لگی اور وہ گر پڑا۔ اس سے قبل چار تیر اس کی زرہ میں اٹکے ہوئے تھے۔ حسن کے بعد الیاس زخمی ہو کر گر پڑا اور اس کے بعد عیسائی آن کی آن میں اگلی صف کو روند کر دوبارہ ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ اتنی دیر میں دس اور مجاہد ان کے پیچھے صف باندھ چکے تھے اور احمد باقی آدمیوں کے ساتھ دروازے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عیسائیوں نے دوسری صف کے پانچ آدمیوں

Scanned by iqbalmt

کر بھی شہید کر دیا اور باقی دروازے کی طرف سمٹنے لگے لیکن اس عرصے میں احمد اور اس کے ساتھیوں نے وہ بھاری شہتیر ہٹا دیا جو دروازے کے لئے ایک نہ ٹوٹنے والی زنجیر کا کام دے رہا تھا۔ احمد نے ایک کواڑ کو اندر کی طرف کھینچتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ بربری مجاہد اس نعرے کے جواب میں ایک آندھی کے جھونکے کی طرح آگے بڑھے۔ ایک غازی اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ ان کی رہنمائی کر رہا تھا یہ امیر یوسف بن تاشفین تھا۔ قلعے کے دروازے میں اندلس کے رضاکاروں، ملوک الطوائف کے باغی سپاہیوں اور بربری دستے کے جانبازوں میں سے صرف دس آدمی اسے خیر مقدم کہنے کے لئے موجود تھے۔ وہ آگے بڑھا اور دشمن پیچھے سمٹنے لگا۔

امیر یوسف کے لشکر نے یکے بعد دیگرے دائیں بائیں اور سامنے حملے کئے اور مشرقی دیوار سے لے کر اندرونی حصار کی خندق تک دشمن کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اندرونی حصار کے محافظ خندق کے پل اٹھا چکے تھے۔ اس لئے بربری فوج کے سامنے پسپا ہونے والے عیسائی دائیں اور بائیں بازو سمٹ کر قلعے کے مغرب کی طرف پناہ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ امیر یوسف کی فوج دو حصوں میں تقسیم ہو کر جنوب اور شمال کی اندرونی اور بیرونی فصیلوں کے درمیان دشمن کے مورچے روندتی ہوئی مغرب کی طرف بڑھی۔ اتنی دیر میں سیر بن ابوبکر دشمن کی بیشتر قوت مشرق کے محاذ کی طرف منتقل ہو جانے کے باعث ایک شدید حملے کے بعد مغربی دروازے سے اندر داخل ہو چکا تھا۔

اب اس دو طرفہ حملے کے باعث اندرونی حصار اور بیرونی فصیل کے درمیان عیسائیوں کی فوج انتہائی انتشار کی حالت میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ بعض سپاہی ہتھیار ڈال چکے تھے۔ بعض خندق میں کود رہے تھے اور بعض گھوڑوں کے اصطبلوں اور گھاس اور سامان رسد کے گوداموں میں پناہ لے رہے تھے۔

اندرونی حصار کی دیواریں زیادہ اونچی نہ تھیں۔ لیکن خندق کے باعث اس پر براہ راست حملہ کرنا آسان نہ تھا۔ سیر بن ابوبکر امیر یوسف کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ "اب آپکا کیا حکم ہے؟" امیر یوسف نے اندرونی حصار کے سب سے اونچے مینار کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے

ہوئے جواب دیا۔ "آج کے شہیدوں کی روحیں اس مینار پر ہماری راہ دیکھ رہی ہیں۔ اس حصار کو فتح کئے بغیر ہماری تلوار نیام میں نہیں جائے گی!"

"دشمن وہاں ابھی تک کافی تعداد میں موجود ہے اگر ہم چاروں طرف مورچے بنا کر بیٹھ جائیں تو وہ بہت جلد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ حصن اللیط ایک دن میں فتح نہیں ہوگا لیکن مشرقی دروازے کے آس پاس دو ہزار شہیدوں کی لاشیں مجھ سے یہ کہہ رہی ہیں کہ قدرت کو حصن اللیط کی فتح میں تاخیر منظور نہیں۔ تھوڑی دیر قبل یہ کون کہہ سکتا تھا کہ جس کام کے لئے ایک بڑے لشکر کی ضرورت تھی، وہ چند سربکفوں کے ہاتھوں پورا ہوگا۔ اندلس کے رضاکاروں نے ملوک الطوائف کی غداری کا کفارہ ہی ادا نہیں کیا، وہ ہماری فتح کی قیمت بھی ادا کر چکے ہیں۔ تم اس حصار کے آس پاس گھاس اور رسد کے تمام ذخیروں کو آگ لگوا دو اور بیرونی فصیل پر دشمن کے جو منجنیق کارآمد ہیں ان سے گولہ باری شروع کر دو!"

تھوڑی دیر بعد اندرونی حصار کے اردگرد اور سامان رسد کے ذخیروں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ امیر یوسف کے حکم سے گھوڑوں کو اصطبلوں سے نکال لیا گیا۔ شہیدوں کی لاشوں اور زخمیوں کو مغربی دروازے سے باہر پہنچا دیا گیا ـــــ اندرونی حصار دھوئیں کے بادلوں کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ ہوا کے جھونکے کبھی کبھی آگ کے شعلوں کو بھی اندرونی حصار کی دیواروں تک لے جاتے تھے۔ امیر یوسف کے سپاہی بیرونی حصار سے بھی آتشیں گولے پھینک رہے تھے۔ سیر بن ابوبکر کے حکم سے مجاہدین کے ایک دستے نے ایک انبار سے گھاس کے گٹھے اٹھائے اور اوپر سے دشمن کے تیروں کی بارش کے سامنے آگے بڑھ کر حصار کے جنوبی دروازے کے سامنے ڈھیر لگانا شروع کر دیا۔ جب خندق بھر گئی تو انہوں نے گھاس کو آگ لگا دی۔ تھوڑی دیر میں دروازے کو آگ لگ گئی۔ دشمن پہلے ہی چاروں طرف سے آگ کے مہیب شعلوں اور بیرونی دیوار سے گولہ باری کے باعث بدحواس ہو چکا تھا۔ جب دروازے کی آگ کے شعلے اندر پہنچنے لگے تو اس نے اچانک شمال کی طرف سے خندق کا پل گرا دیا۔ پانچ ہزار آہن پوش سپاہی جو اندرونی حصار کی حفاظت کر رہے تھے، بھاگتے ہوئے باہر نکلنے لگے۔ امیر یوسف نے بیرونی

دروازے کے سامنے نیزہ بازوں کی صفیں کھڑی کر دیں۔ جب عیسائیوں کی نصف فوج اندرونی حصار سے باہر آگئی تو اس نے دائیں اور بائیں بازو کے سپاہیوں کو حملے کا حکم دے دیا اور ایک ہی ریلے میں دروازے پر قابض ہو گئے۔ دوسرے حملے میں وہ دشمن کو دھکیلتے ہوئے حصار کے اندر داخل ہو گئے۔ اب عیسائیوں کی جو فوج باہر نکل چکی تھی بربریوں کے نرغے میں تھی اور جو اندر تھی اس کے باہر آنے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ باہر نکلنے والوں نے آخری بار جان توڑ کر حملہ کیا اور بیرونی دیوار تک پہنچ گئے۔ یہاں ایک خوں ریز معرکہ کے بعد چند آدمی باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے لیکن بربریوں نے فوراً ہی دروازے کے سامنے نئے دستے کھڑے کر دیئے۔

حصار کے اندر امیر یوسف بذاتِ خود حملہ آوروں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس کی تلوار دشمن کے سر پر صاعقہ بن کر کوند رہی تھی۔ اس کی زرہ خون کے چھینٹوں سے رنگین ہو رہی تھی۔ قلعے میں داخل ہونے کے بعد اس کے ہاتھ میں کئی تلواریں ٹوٹ چکی تھیں۔ جب اس کے ساتھیوں نے حصار کے نصف حصے پر قبضہ کر لیا تو دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے۔

امیر یوسف نے جنگ بند کر دینے کا اعلان کیا۔ سالاروں نے اس کا حکم قلعے کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پہنچا دیا اور آن کی آن میں مجاہدوں کی تلواریں جہاں تھیں وہیں رک گئیں۔ زندگی سے مایوس نصرانی یہ محسوس کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے امیر نے سپاہ کو حکم نہیں دیا بلکہ اپنی فوج کے ہر سپاہی کا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ حصار کے جنوبی حصے میں آگ پھیلتی دیکھ کر امیر یوسف نے قیدیوں کو نکالنے کا حکم دیا ۔

(۷)

یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ لیکن امیر یوسف کے چہرے پر مسرت کی مسکراہٹوں کی بجائے رنج و ملال کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سپاہیوں نے اسے موت کے سامنے قہقہے بلند کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن آج اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ آنسو جنہیں بہنے کی اجازت نہ تھی۔ شہیدوں کی لاشوں کی تعداد دیکھ کر ملوک الطوائف کی غداری کے متعلق اپنے غم و غصہ کے اظہار کے لئے اس کے پاس الفاظ نہ تھے۔

اس نے عبدالمنعم اور حسن کی لاشیں اپنے ہاتھ سے لحد میں اتاریں۔ حسن کے ہاتھ کی انگلیاں ابھی تک تلوار کے قبضے پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک سپاہی نے تلوار علیحدہ کرنے کی کوشش کی لیکن احمد نے آگے بڑھ کر ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں۔ میرے بھائی کا زیور نہ چھینو! اسے تلوار سے زیادہ کسی چیز سے محبت نہ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں تلوار کے ساتھ شادی کر چکا ہوں۔"

حسن کو اس کی تلوار کے ساتھ دفن کیا گیا اور اس کے قریب ادریس، الیاس اور اس کے چند اور دوستوں کو دفن کر دیا گیا۔

ایک سالار نے امیر یوسف کے پاس آ کر کہا۔ "یا امیر! ایک زخمی کی حالت بہت نازک ہے وہ بیہوشی کی حالت میں کبھی کبھی آپ کا نام لیتا ہے۔ شاید آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

امیر یوسف کچھ کہے بغیر ایک خیمے میں زخمی کے پاس پہنچا۔ زخمی بے ہوشی کی حالت میں آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔ ایک سپاہی جو اس کے قریب کھڑا تھا، امیر یوسف کو دیکھتے ہی بولا۔ "میں اسے جانتا ہوں یہ سعد بن عبدالمنعم کے ساتھ تھا۔ لیکن یہ شمالی دیوار کے باہر پڑا ہوا تھا۔ میں حیران ہوں کہ یہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔ ابھی یہ الفانسو اور ملوک الطوائف کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن میں سمجھ نہیں سکا۔ آپ کا نام بھی اس نے کئی بار لیا ہے۔"

امیر یوسف نے سالار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سیر کو بلاؤ!"

سالار بھاگتا ہوا سیر بن ابوبکر کو بلا لایا۔ امیر یوسف نے سیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "یہ سپاہی سعد بن عبدالمنعم کے ساتھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے پاس کوئی ضروری پیغام لے کر آیا تھا۔ تم فوراً سواروں کے ایک دستے کو حکم دو...... مجھے اندیشہ ہے کہ ہم ملوک الطوائف کی طرف سے کسی اور سازش کا شکار ہونے والے ہیں۔"

"ملوک الطوائف کی فوج غائب ہو چکی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آج کے بعد ہم شیروں اور لومڑیوں کو ایک محاذ پہ جمع کرنے کی غلطی نہیں کریں گے۔" سیر بن ابوبکر یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

زخمی نے چند بار کراہنے کے بعد آنکھیں کھولیں اور امیر یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے نحیف آواز میں

کہا۔ "میں نے کوشش کی لیکن آپ تک پہنچ نہ سکا۔ آپ فصیل پر کھڑے تھے۔"

امیر یوسف نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تمہیں سعد نے بھیجا تھا؟"

"ہاں لیکن اب بہت دیر ہو گئی ہے...... سعد...... سعد راستے میں گھر چکا ہے...... شہزادہ رشید کا ساتھی...... گرفتار ہو چکا ہے...... اس...... اس نے سب کچھ...... بتا دیا ہے...... الفانسو...... الفانسو کی فوج......!" زخمی نے یہاں تک کہہ کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

طبیب نے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ زخمی نے دوبارہ آنکھیں کھول لیں۔ لیکن اب کی بار اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں میں آواز نہ تھی۔ ایک لمبی سانس کے بعد اس نے اپنا سفرِ حیات ختم کر دیا۔

"سوار تیار ہیں!" سیر بن ابو بکر نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

امیر یوسف باہر نکلا۔ پڑاؤ کے ایک سرے پر سواروں کا ایک دستہ تیار کھڑا تھا۔ لیکن سیر نے اچانک شمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے اس طرف سے سواروں کی ایک ٹولی آ رہی ہے۔ یہ سعد کے دستے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

امیر یوسف ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس طرف بڑھا۔ فوج کے چند اور افسر اس کے پیچھے ہو لئے۔ سوار امیر یوسف کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ الماس نے ایک زخمی کو اپنے آگے بٹھا رکھا تھا۔ یہ سعد تھا۔ اس کی زرہ خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ بیہوش تھا اور مستقر تک پہنچتے پہنچتے اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ وہ زندہ ہے لیکن میمونہ کے دل کی گہرائیوں سے ابھی تک یہ صدا نکل رہی تھی۔ "یہ زندہ ہے۔ میرا شوہر زندہ ہے!"

سعد کو گھوڑے سے اتار کر پاس ہی ایک خیمے کے اندر پہنچا دیا گیا۔ پیٹھ میں تیر پیوست ہونے کے باعث اسے منہ کے بل بستر پر لٹا دیا گیا۔ میمونہ اپنے گردوپیش سے بے پروا بستر کے قریب کھڑی ٹکٹکی باندھ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ امیر یوسف نے جھک کر سعد کی نبض دیکھی اور پھر بستر کے گرد جمع ہونے والے آدمیوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ آن کی آن میں خیمہ خالی ہو گیا۔ لیکن الماس، میمونہ

اور سعد کا نائب اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

امیر یوسف پہلی بار میمونہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کون ہیں؟" اس نے پوچھا۔

لیکن میمونہ کا دل اور دماغ کہیں اور تھا۔ اس کی خاموشی پر الماس نے بربری زبان میں جواب دیا۔ "یہ سعد کی بیوی ہیں۔"

احمد بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا۔ بھائی کی یہ حالت دیکھتے ہی اس پر تھوڑی دیر کے لئے سکتہ طاری ہو گیا۔

سیر بن ابو بکر دو طبیبوں کے ساتھ جن میں سے ایک اسی دن اشبیلیہ کی فوج چھوڑ کر آیا تھا خیمے کے اندر داخل ہوا۔

امیر یوسف نے طبیبوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اگر آپ اس نوجوان کی جان بچا سکیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ آج ہم نے ایک اور قلعہ فتح کیا ہے۔"

اشبیلیہ کے طبیب نے سعد کی نبض دیکھنے کے بعد کہا۔ "ہم کوشش کریں گے، آپ دعا کریں اور ان سب کو حکم دیں کہ وہ یہاں سے تشریف لے جائیں!"

احمد اور میمونہ کے سوا باقی سب خیمے سے باہر نکل آئے۔ امیر یوسف نے خیمے کے دروازے سے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "احمد تم بھی آ جاؤ۔ تم بھی آ جاؤ بیٹی!"

"آؤ بہن!" احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور میمونہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی خیمے سے باہر آ گئی۔

خیمے سے باہر فوج کے کئی افسر جمع ہو چکے تھے۔ امیر یوسف نے سعد کے نائب کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔ "سعد کیسے زخمی ہوا؟"

نائب نے اس کے جواب میں زیاد اور اس کے ساتھی کی گرفتاری سے لے کر آخر تک تمام واقعات سنانے کے بعد ملوک الطوائف کے نام الفانسو کا مراسلہ نکال کر امیر یوسف کے ہاتھ میں دے دیا۔ امیر یوسف نے مراسلہ پڑھنے کے بعد سوال کیا۔ "وہ قیدی کہاں ہیں؟"

"انہیں ہم قلعے میں چھوڑ آئے ہیں۔"

"قلعے کی حفاظت کے لئے کتنے آدمی ہیں؟"

"میں بیس آدمیوں کو وہاں چھوڑ آیا تھا لیکن میں یہ حکم دے آیا ہوں کہ دوسری چوکیوں سے جو دستے وہاں پہنچیں، انہیں اس طرف روانہ کرنے کی بجائے وہیں روک لیا جائے!"

امیر یوسف نے سیر بن ابوبکر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "سیر پانچ سو سپاہی فوراً قلعے کی طرف روانہ کردو اور باقی فوج کو کل علی الصباح کوچ کی تیاری کا حکم دو!"

اچانک میمونہ آگے بڑھ کر امیر یوسف کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "نہیں نہیں! اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب آپ اندلس چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ اب آپ نہیں جا سکتے۔ آپ قوم کے مجرموں کا یوم حساب ملتوی نہیں کر سکتے۔ ابھی وہ صبح نہیں آئی جس کی امید میں میرا شوہر اپنے خون کا آخری قطرہ بہا چکا ہے ..... اندلس ابھی غلام ہے۔ ابھی مظلوموں کی دادرسی نہیں ہوئی۔ ابھی آپ نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی آنکھوں کے آنسو نہیں پونچھے۔ اگر آپ اندلس کے ملوک الطوائف کے لئے آئے تھے تو زلاقہ کی فتح کے بعد آپ کا کام پورا ہو گیا تھا لیکن اگر آپ اس ملک میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے آئے ہیں تو آپ کا مقصد ابھی پورا نہیں ہوا۔ اگر آپ چلے گئے تو زلاقہ اور حصن اللیط کے شہیدوں کا خون اور ان شہیدوں کو یاد کرنے والوں کی آہیں اور آنسو سب رائیگاں جائیں گے۔" میمونہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا۔

امیر یوسف نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میری بیٹی! میں تیرے آنسوؤں اور تیرے شوہر کے خون کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرا اندلس آزاد ہوگا۔ زلاقہ اور حصن اللیط کے شہیدوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ میں نے فوج کو واپس جانے کے لئے نہیں الفانسو کے مقابلے میں پیشقدمی کے لئے تیاری کا حکم دیا ہے۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد میں ان لوگوں کو کبھی فراموش نہیں کروں گا جن کی غداری کے باعث آج حصن اللیط کی دیواروں کے نیچے لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اندلس چھوڑنے سے پہلے میں خدا اور اس کے رسول ؐ کے باغیوں کی گردنیں ایسے

ہاتھوں میں دے کر جاؤں گا جو فولاد سے زیادہ سخت ہوں گے۔"

امیر یوسف بول رہا تھا اور سننے والے یہ محسوس کر رہے تھے کہ ایک پہاڑ کے سینے میں آتشیں مواد کروٹیں لے رہا ہے۔

(۸)

رات کے وقت سعد موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ طبیب اس کے متعلق کبھی پُر امید اور کبھی مایوس ہو رہے تھے۔ امیر یوسف بے قراری کی حالت میں اپنے خیمے سے باہر ٹہل رہا تھا۔ آج تک اسے کسی نے اس قدر مغموم اور پریشان نہیں دیکھا تھا۔ میمونہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور اس کے دل کی گہرائیوں سے بار بار یہ دعا نکل رہی تھی۔ "میرے مولیٰ! تیرے رحم کے دریائے بے کنار کی ایک ہلکی سی لہر لاکھوں انسانوں کی کھوئی ہوئی مسکراہٹیں انہیں واپس دلا سکتی ہے ..... آج میں اپنی ایک بیٹی کے آنسو پونچھنے کے لئے تجھ سے سعد بن عبدالمنعم کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔"

امیر یوسف اپنے خیمے سے تھوڑی دور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سامنے حصن اللیط کا قلعہ ابھی تک جل رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے جنگ کا منظر گھومنے لگا۔ وہ تصور میں شہیدوں کی لاشوں کے درمیان کھڑا انہیں یہ پیغام دے رہا تھا۔ "قوم کے گمنام مجاہدو! تمہاری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی تمہارے خون سے اندلس کی تاریخ کا ایک نیا باب لکھا جائے گا!"

ایک افسر آیا اور اس نے کہا۔ "یا امیر! طبیب کہتے ہیں کہ سعد کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ شاید تھوڑی دیر تک اسے ہوش آجائے۔"

امیر یوسف اٹھا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا سعد کے خیمے میں داخل ہوا۔ خیمے کے اندر مشعلیں جل رہی تھیں۔ سعد کے زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میمونہ، احمد اور الماس اس کے بستر کے گرد کھڑے تھے۔ امیر یوسف طبیبوں کی طرف متوجہ ہوا تو اشبیلیہ کے جراح نے کہا۔ "یہ اب ہوش میں آرہا ہے۔ تیر نکالتے وقت ہمیں زیادہ امید نہ تھی لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم سے زیادہ قدرت اس کی جان بچانے کی فکر میں تھی۔"

تھوڑی دیر بعد سعد آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا اور پھر اس نے اچانک قدرے بلند آواز میں کہا "حسن اللیط! حسن اللیط!" اور آنکھیں کھول دیں۔ میمونہ، احمد، الماس اور طبیبوں کی طرف دیکھنے کے بعد امیر یوسف کی نگاہ اس کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی ـــــــ "حسن اللیط، حسن اللیط" اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے نحیف آواز میں کہا۔

"حسن اللیط فتح ہو چکا ہے۔" امیر یوسف نے پیار سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

سعد نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ امیر یوسف نے آگے بڑھ کر خیمے کے دروازے کا پردہ اٹھاتے ہوئے کہا: "حسن اللیط جل رہا ہے۔ کل تک وہاں راکھ کے انبار کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ خدا نے ہمیں فتح دی ہے۔"

سعد پہاڑ کی چوٹی پر آگ کے مہیب شعلے دیکھنے کے بعد امیر یوسف کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے نحیف آواز میں کہا۔ "آپ کو الفانسو کی نئی فوج کی آمد اور ملوک الطوائف کی بدعہدی کا علم ہو چکا؟"

"ہاں مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ میں علی الصباح الفانسو کی پیشقدمی روکنے کے لئے جا رہا ہوں اور اس کے بعد میرے ترکش کا ہر تیر اندلس کو ان ملت فروشوں اور منافقوں سے نجات دلانے کے لئے وقف ہوگا۔"

ایک ثانیے کے لئے سعد کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔ لیکن نقاہت کے باعث اس پر پھر ایک بار غشی طاری ہونے لگی۔ اشبیلیہ کے جراح نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ علی الصباح جانے سے پہلے آپ انہیں بہت تسلی بخش حالت میں پائیں گے۔"

امیر یوسف احمد اور میمونہ کو تسلی دینے کے بعد خیمے سے باہر نکل گیا۔

علی الصباح امیر یوسف کی فوج نے ایک ہزار سپاہی مستقر میں چھوڑ کر شمال کی طرف کوچ کیا۔ روانگی سے پہلے امیر یوسف اور سیر بن ابو بکر سعد کو دیکھنے کے لئے آئے تو وہ سو رہا تھا۔ الماس اور میمونہ اس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ احمد زرہ بکتر پہنے کھڑا تھا۔ امیر یوسف نے خیمے کے اندر

داخل ہوتے ہی احمد کو دیکھ کر کہا۔ "احمد تم یہیں رہو گے!" پھر اس نے میمونہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "بیٹی! تمہارا شوہر اب کیسا ہے؟"

"اب یہ سو رہے ہیں۔"

"طبیب کہاں ہیں؟"

"وہ بھی دوائی پلا کر گئے ہیں۔"

احمد نے کہا۔ "میں بھائی جان سے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت لے چکا ہوں۔"

امیر یوسف نے جواب دیا۔ "نہیں یہاں تمہاری زیادہ ضرورت ہے!"

(۹)

دس دن بعد ایک صبح احمد حسن اللیط کے شہیدوں کے قبرستان میں گھوم رہا تھا۔ وہ عبدالمنعم حسن اور ادریس کی قبروں کے قریب پہنچ کر دیر تک کھڑا رہا۔ اچانک کسی کی آواز سن کر اس نے پیچھے کی طرف دیکھا تو الماس، سعد اور میمونہ دکھائی دیئے۔ سعد الماس کے بازو کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ احمد اٹھ کر تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور بولا۔ "بھائی جان! ابھی آپ کو بستر سے نہیں اٹھنا چاہیئے۔ ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوئے!"

سعد نے جواب دیا۔ "میں طبیب کی اجازت لے کر آیا ہوں۔"

قبروں کے قریب پہنچ کر سعد نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور پھر دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

میمونہ نے پہاڑ کے دامن سے جنگلی پھول توڑے اور عبدالمنعم حسن اور ادریس کی قبروں پر ڈھیر کر دیئے پھر اس نے دوسری قبروں کی طرف دیکھا۔ ایک خیال آتے ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "حسن اللیط کے شہیدو! تم سب میرے بھائی ہو۔ میں تم سب کی بہن ہوں!"

میمونہ پہاڑ کے دامن سے پھول توڑ توڑ کر دوسری قبروں پر چڑھانے لگی۔

اچانک شمال کی طرف گرد و غبار کے بادل اٹھے اور احمد نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے

بوسے کہا: "بھائی جان! فوج واپس آ رہی ہے؟"

مستقر میں چار دن قبل یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ الفانسو کی فوج لڑائی کے بغیر ہی پسپا ہو چکی ہے اور امیر یوسف چند دن اس کا تعاقب کرنے کے بعد واپس آ جائیں گے۔

لشکر کو پڑاؤ کی طرف آتا دیکھ کر میمونہ، الماس کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف چلی گئی اور سعد، احمد کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا فوج کے راستے میں جا کھڑا ہوا۔

یومِ حساب

اندلس کے عوام جس قدر حصن اللیط کی فتح سے خوش تھے اس سے کہیں زیادہ ملوک الطوائف کی غداری اور بد عہدی سے برہم تھے۔ ملک کے ہر گوشے میں اس گروہ کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اٹھی جس نے ایک صدی تک قوم کے خون اور آنسوؤں سے اپنے عشرت کدے تعمیر کئے تھے۔ اندلس کی ہر مسجد اور ہر درسگاہ میں علما کا وہ فتویٰ سنایا جانے لگا جس میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ ملوک الطوائف قسطلہ کے نصرانی حکمران کے ساتھ ساز باز کرنے کے بعد اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہو چکے ہیں۔ امیر یوسف اب ان کے ساتھ ہر سابقہ عہد و پیمان سے آزاد ہیں۔ اب ان کا یہ حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے کہ وہ ملوک الطوائف کو بلا تامل اقتدار سے محروم کر دیں۔ فقہا نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہم اپنے اس فتوے کے بارے میں خدا کے سامنے جواب دینے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ہم غلط راستے پر ہیں تو عاقبت میں اس کی سزا بھگتیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ نے اندلس کو ان بادشاہوں کے اقتدار سے نجات نہ دلائی تو یہ ملک کو کفار کے حوالے کر دیں گے اور اس صورت میں آپ خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے!

اس کے علاوہ ایک اور فتوے[1] میں علماء نے قریباً تمام حکمرانوں پر طرح طرح کے الزام عاید کئے تھے۔ اس فتویٰ میں معتمد کے ساتھ رمیکیہ کا ذکر بھی کیا گیا تھا اور اس کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ

---

[1] یورپ کے کئی مورخین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ امیر یوسف بن تاشفین پہلے ہی اندلس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے اور علماء نے یہ فتوے ان کے ایما پر دیئے تھے ۔۔۔ اس زمانے

اس نے اپنے شوہر کو عیش و عشرت اور شراب خوری میں مبتلا کر رکھا ہے اور اشبیلیہ میں فسق و فجور کا جو سیلاب امڈ رہا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ ملکہ رسیکیہ ہے۔

جہاں تک اندلس کے عوام کا تعلق تھا انہیں بیدار کرنے کے لئے اب ان فتووں کی ضرورت نہ تھی۔ حصن الّلیط کے شہیدوں کا خون اور ملوک الطوائف کی غداری کا ناقابلِ تردید ثبوت انہیں جھنجھوڑنے کے لئے کافی تھا۔ غرناطہ کے حریت پسندوں نے پہل کی اور امیر عبداللہ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ قاضی ابو جعفر قلعہ میں بیٹھ کر باغیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ عبداللہ نے الفانسو سے مدد ملنے کی امید پر باغیوں کو سختی کے ساتھ دبانا شروع کر دیا۔ حریت پسند امیر عبداللہ کے ایک بااثر وزیر معل کی قیادت میں غرناطہ سے راتوں رات فرار ہوئے اور انہوں نے لوشہ پر قبضہ کر کے امیر یوسف کی حکومت کا اعلان کر دیا۔ امیر عبداللہ نے فوج بھیج کر معل اور اس کے ساتھیوں کو جن میں غرناطہ کے نہایت بااثر علماء شامل تھے گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں کو غرناطہ لا کر بازاروں میں پابہ زنجیر پھرایا گیا۔

کے علماء اور امیر یوسف کے کردار کا اگر سطحی نظر سے بھی مطالعہ کیا جائے تو بھی یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ عیسائیوں کو ایک فیصلہ کن جنگ میں شکست دینے والے مجاہد کو تعصب کی عینک اتار کر دیکھنا عیسائی مورخوں کے بس کی بات نہیں۔ امیر یوسف کی نیک نیتی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ زلاقہ کی فتح کے بعد جب اندلس پر عملاً ان کا قبضہ ہو چکا تھا اور عوام کے دلوں پر ان کی حکومت تھی وہ اپنے وعدوں کا پاس کرتے ہوئے واپس چلے جاتے ہیں۔ علما کو بار بار فتوے جاری کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ امیر یوسف اندلس پر قبضہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ حقیقت اس بات سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اندلس کے علماء نے امیر یوسف کا تذبذب دیکھ کر اپنے فتووں کو زیادہ موثر بنانے کے لئے عالمِ اسلام کے چیدہ چیدہ علماء کی تائید حاصل کی۔ ان علماء میں ایسے حضرات بھی تھے جو شہنشاہوں کی قبائیں نوچنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے تھے۔

اس عرصے میں امیر یوسف الفانسو کے لشکر کو پسپا کرنے کے بعد قلعہ الّلیط کے قریب اپنے مستقر میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے غرناطہ کے حالات سے باخبر ہوتے ہی فوج کے چند دستوں کے ساتھ غرناطہ کی طرف پیش قدمی کی اس کے ساتھ ہی عبداللہ کو یہ پیغام بھیج دیا کہ الفانسو کی فوج اب تمہاری مدد کے لئے نہیں آئے گی۔ میں اسے قسطلہ کی حدود تک پہنچا کر واپس آ رہا ہوں۔ اب تمہارا یوم حساب دور نہیں، اس لئے بہتر ہے کہ تم اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ نہ کرو اور معل اور اس کے ساتھیوں کو فوراً رہا کر دو!

عبداللہ نے کچھ اپنی ماں کے سمجھانے پر اور کچھ الفانسو کی طرف سے مایوس ہو کر قیدیوں کو رہا کر دیا اور امیر یوسف کے پاس اپنے ایلچی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کو میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اس لئے میں ذاتی طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

امیر یوسف نے غرناطہ سے آٹھ میل دور ڈیرے ڈال دیئے۔ عبداللہ بیش قیمت تحائف لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب اس نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی تو امیر یوسف کے حکم سے اس کے سامنے دو قیدی پیش کئے گئے۔ ایک زیاد تھا اور دوسرا غرناطہ کا باشندہ تھا۔

امیر یوسف نے عبداللہ سے سوال کیا۔ "تم ان کو جانتے ہو؟"

عبداللہ نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا: "نہیں، میں نہیں جانتا یہ کون ہیں!"

امیر یوسف غرناطہ کے قیدی کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم اسے جانتے ہو؟"

قیدی نے جواب دیا: "ہاں! میں انہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ میں نے آٹھ سال ان کی خدمت کی ہے۔ بدترین کام سرانجام دینے کے لئے یہ ہمیشہ مجھے منتخب کیا کرتے تھے، میں ان کا ایک ایلچی بن کر الفانسو کے پاس گیا تھا۔ میں نے ان کی طرف سے اسے بیش قیمت جواہرات کی ایک تھیلی بھی پیش کی تھی۔ غرناطہ کے شاہی محل کے تمام ملازم اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں امیر عبداللہ کا نمک خوار ہوں۔"

عبداللہ سہمی ہوئی نگاہوں سے امیر یوسف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن

امیر یوسف نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خاموش! میں انسانیت کی اس سے زیادہ تذلیل برداشت نہیں کر سکتا۔ اسے لے جاؤ۔"

دو سپاہی عبداللہ کو بازوؤں سے پکڑ کر دوسرے خیمے میں لے گئے۔ وہاں اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں۔

امیرِ غرناطہ کو گرفتار کرنے کے بعد امیر یوسف بن تاشفین نے شہر کا رُخ کیا۔ اہلِ غرناطہ نے تشکر کے آنسوؤں سے اپنے نجات دہندہ کا خیر مقدم کیا۔ شاہی محل کے پہرے داروں نے کسی مزاحمت کے بغیر دروازے کھول دیئے۔

اگلے دن غرناطہ کے ہزاروں مسلمان مسجد میں جمع ہو کر امیر یوسف کا یہ اعلان سُن رہے تھے کہ غرناطہ کی نئی حکومت اسلامی آئین کی پابند ہو گی اور تمام غیر شرعی ٹیکس منسوخ کئے جائیں گے۔

چند دن بعد امیر یوسف کی باقی فوج بھی غرناطہ پہنچ گئی۔ سعد، احمد، میمونہ اور الماس فوج کے آخری دستوں کے ساتھ غرناطہ پہنچے۔ سعد کے زخم بھر چکے تھے لیکن ابھی تک اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار باقی تھے۔ سکینہ کو چند دن قبل عبدالمنعم، حسن اور ادریس کی شہادت اور سعد کے زخمی ہونے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ سعد کو دیکھتے ہی اٹھ کر آگے بڑھی۔ سعد نے پُرنم آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "امی جان! ان کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ انہوں نے جس مقصد کے لئے قربانیاں دی ہیں وہ پورا ہو چکا ہے۔ ابا جان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ قرطبہ آزاد ہو اور ہم وہاں اُجڑے ہوئے گھر کو پھر آباد کریں۔"

ماں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹا! انہوں نے اپنی جان کے عوض ساری قوم کی عزت اور آزادی کا سودا کیا تھا۔ اب ہزاروں اُجڑی ہوئی بستیاں آباد ہوں گی۔"

طاہرہ میمونہ کے ساتھ لپٹ کر سسکیاں لے رہی تھی۔

(۲)

مرابطین کو ملوک الطوائف کے ساتھ کسی بڑی جنگ کی توقع نہ تھی۔ عوام کی نگاہوں میں معتمد

ہو جانے کے بعد اندلس کے نام نہاد حکمرانوں کی طاقت اپنے اپنے محل یا قلعے کی چار دیواری تک محدود تھی وہ لوگ جو قوم کے مستقبل کے متعلق سوچتے تھے پہلے ہی انہیں اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اب ہوا کا رُخ دیکھ کر صرف اپنے متعلق سوچنے والے لوگ بھی ان کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے سے گھبراتے تھے۔

اندلس کے ہر گوشے میں لوگوں کے قافلے امیر یوسف کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے غرناطہ پہنچ رہے تھے۔ امیرِ غرناطہ کی گرفتاری کے بعد اندلس کے باقی حکمرانوں کو اپنے انجام کے متعلق غلط فہمی نہ تھی۔ وہ ایک طرف الفانسو کو اپنی مدد پر بلا رہے تھے اور دوسری طرف امیر یوسف کے پاس اپنے ایلچی بھیج کر منت وزاری کر رہے تھے۔

امیر یوسف بن تاشفین کے پاس ان کی التجاؤں کا ایک ہی جواب تھا کہ میں تمہیں مسلمان سمجھ کر تمہاری اعانت کے لئے آیا ہوں لیکن تم اپنے آپ کو اسلام کے بدترین دشمن ثابت کر چکے ہو۔ تمہارے لئے صرف یہی راستہ ہے کہ تم تین ہفتوں کے اندر خود کو ہمارے حوالے کر دو۔

تین ہفتے گزر گئے ملوک الطوائف نے یہ خبر سنی کہ افریقہ کے اندرونی حالات کے پیشِ نظر امیر یوسف واپس جا رہا ہے۔ اندلس کے حکمرانوں نے ایک دوسرے کو مبارکبادی کے پیغام بھیجے۔

لیکن چند دن بعد جب انہوں نے یہ خبر سُنی کہ امیر یوسف نے اندلس میں سیر بن ابوبکر کو اپنا نائب الحکومت مقرر کر دیا ہے تو ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ جن لوگوں نے سیر بن ابوبکر کو قریب سے دیکھا تھا وہ یہ جانتے تھے کہ یہ آہنی انسان صرف تلوار کی زبان سے ہمکلام ہونا جانتا ہے

قاضی ابوجعفر نے ایک مراسلہ لکھا اور اس کی نقول اندلس کے تمام حکمرانوں کے پاس بھیج دیں۔ اس مراسلے کا مفہوم یہ تھا ——— "اندلس کے حکمرانو! خدا کی زمین تمہارے گناہوں سے بھر چکی ہے اب روزِ حساب آ چکا ہے۔ امیر یوسف بن تاشفین تمہارا معاملہ ایسے شخص کے ہاتھ میں سونپ کر جا رہے ہیں جس کے ہاتھ فولاد سے زیادہ سخت ہیں۔ تمہارے کرائے کے سپاہی اس کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مزید کشت و خون کے بغیر ہتھیار ڈال دو! ورنہ اب جو خون بہایا جائے گا وہ تمہاری گردن پر ہو گا۔"

(۳)

امیر یوسف بن تاشفین غرناطہ کے ایک شاہی ایوان کے ایک کمرے میں اپنے کاتب کو مراسلات کے جواب لکھوا رہا تھا۔

سعد بن عبدالمنعم کمرے میں داخل ہوا۔ وہ سپاہیانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ امیر یوسف اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور اپنے قریب خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھئے!"

سعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ امیر یوسف کاتب کو چند سطور لکھوانے کے بعد پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "سعد تم سپاہیانہ لباس میں بہت بھلے معلوم ہوتے ہو لیکن ابھی تمہاری صحت ٹھیک نہیں ہوئی!"

"میری صحت بالکل ٹھیک ہے"۔ سعد نے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کل جا رہا ہوں؟"

"مجھے سیر بن ابی بکر نے ابھی بتایا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ چند دن اور ٹھہریں گے۔"

"نہیں افریقہ کے حالات مجھے زیادہ دیر یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ میں تم سے ایک ضروری مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ تمہارے خیال میں غرناطہ کی گورنری کے لئے موزوں ترین آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

سعد نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔ "جتنے آدمیوں کو میں جانتا ہوں ان سب سے قاضی ابوجعفر بہتر ہیں۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن قاضی ابوجعفر کہتے ہیں کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے اس خدمت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ ایک اور آدمی کے متعلق مصر ہیں!"

"وہ کون ہے؟"

"سعد بن عبدالمنعم!"

سعد بن عبدالمنعم پریشانی کی حالت میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ امیر یوسف نے میز پر سے ایک

کاغذ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے غرناطہ کے بیس چیدہ چیدہ آدمیوں کی طرف سے یہ مراسلہ پیش کیا ہے!"

سعد نے مراسلے پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد کاغذ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے مجھے مشورے کے لئے بلایا ہے یا حکم دینے کے لئے؟"

امیر یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب شاید مجھے حکم ہی دینا پڑے۔ بیٹھ جاؤ!"

سعد بیٹھ گیا۔

امیر یوسف کچھ دیر بغور اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "اگر تم میرے بیٹے بھی ہوتے اور مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ تم اس عہدے کے لئے ناموزوں ہو تو میں تمہیں یہ ذمہ داری نہ سونپتا۔ غرناطہ کو تمہاری ضرورت ہے!"

سعد نے جواب دیا۔ "اگر یہ آپ کا حکم نہیں تو مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔"

"کہو!"

سعد بولا قرطبہ میں ایک مکان جس میں میں نے آنکھ کھولی تھی برسوں سے اُجڑا ہوا ہے۔ آج سے کئی سال قبل جب میرے والد اس مکان سے نکل کر قرطبہ کے قید خانے کا رُخ کر رہے تھے تو ان کی زندگی کی آخری خواہش یہ تھی کہ اندلس آزاد ہو اور وہ قید خانے سے نکل کر پھر اس گھر کو آباد کریں۔ اس کے بعد میں اپنی ماں اور اپنے بھائیوں کے ساتھ اس گھر سے نکلا تو میرے دل میں بھی یہی آرزو تھی ـــــ پھر چند برس کے بعد اتفاقاً مجھے چند دن اس گھر میں قیام کرنے کا موقع ملا لیکن میں یہ محسوس کرتا تھا کہ میں اس گھر میں ایک اجنبی ہوں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ میں کسی دن اس اجڑے ہوئے گھر میں آزادی کی قندیلیں روشن کروں گا۔ میرا عہد ابھی پورا نہیں ہوا وہ گھر ابھی تک ویران ہے۔ حصن اللیط کے معرکے میں ابا جان اور حسن کی شہادت کے بعد میں اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ ان کی روحیں اس مکان کے دروازے پر ہماری راہ دیکھ رہی ہیں۔ وہ اس وقت تک ہماری راہ دیکھتی رہیں گی جب تک کہ قرطبہ آزاد نہیں ہوتا، اور قرطبہ کی آزادی اس

وقت تک میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی جب تک کہ اندلس کی ہر بستی اور ہر شہر میں آزادی کے چراغ روشن نہیں ہوتے۔"

امیر یوسف نے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ تم بہت جلد اس گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر حصن الّیط کے شہیدوں کی رُوحوں کو سلام بھیج سکو گے۔ اب میں تم سے مشورہ لیتا ہوں۔ معل کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ غرناطہ کے علماء نے اس کے متعلق بھی بہت اچھی رائے دی ہے۔"

سعد نے جواب دیا۔ "وہ ہر لحاظ سے اس ذمہ داری کے اہل ہیں۔"

امیر یوسف ایک کاغذ پر چند سطور لکھنے کے بعد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں کل رات کے تیسرے پہر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ شاید تمہارے ساتھ ملاقات نہ ہو سکے!"

سعد نے اُٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "کل رات کے تیسرے پہر! لیکن سیر بن ابوبکر نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ آپ صبح کی نماز کے بعد لشکر کو روانہ کر کے جائیں گے۔"

"پہلے میرا یہی ارادہ تھا لیکن میں نے سنا ہے کہ اہل غرناطہ میرا جلوس نکالنے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور مجھے یہ بات پسند نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ بہت کم آدمیوں کو میری روانگی کا علم ہو...... خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" سعد نے مغموم آواز میں کہا۔ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر سعد نے مڑ کر دیکھا۔ امیر یوسف بن تاشفین کے چہرے پر ایک شفقت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سعد کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ وہ ایک ثانیہ توقف کے بعد تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل آیا۔

اگلے روز رات کے تیسرے پہر مرابطین کی فوج کے پڑاؤ میں پانچ سو سوار کوچ کے لئے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ امیر یوسف بن تاشفین، سیر بن ابوبکر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ فوج کے چیدہ چیدہ افسر خیمے سے باہر کھڑے تھے۔ امیر یوسف نے سب کے ساتھ یکے بعد دیگرے مصافحہ کیا اور سواروں کی صفوں کی طرف بڑھا...... ایک مشعل بردار اس کے آگے آگے تھا۔ خیمے سے تھوڑی دور ایک

نوجوان نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور دوسرا اس کے پاس کھڑا تھا۔ امیر یوسف نے سیر بن ابوبکر کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد نوجوان کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ وہ رکاب میں پاؤں ڈال رہا تھا کہ اچانک مشعل کی روشنی میں اس کی نگاہ نوجوان کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ یہ سعد تھا۔

امیر یوسف نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ "خدا حافظ!" اس نے اپنی آواز کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

امیر یوسف گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ سعد بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدا نکل رہی تھی۔ "خدا حافظ! میری قوم کے محسن، میرے دوست، میرے آقا خدا حافظ!"

اندلس کے آفتاب کو رات کی تاریکی نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ سعد اس شہسوار کے گھوڑے کی ٹاپ سُن رہا تھا جو اپنی تلوار کی نوک سے مسلمانانِ اندلس کے مستقبل کی تاریخ کا ایک نیا عنوان لکھ کر واپس جا رہا تھا۔

سعد کی آنکھوں سے آنسوؤں بہہ رہے تھے۔ محبت، عقیدت اور تشکر کے آنسو اور یہ آنسو صرف ایک فرد کے احساسات کے ترجمان نہ تھے بلکہ ایک پوری قوم کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اس قوم کے جذبات کی ترجمانی جس کے پاس اپنے محسن عظیم کے لئے خاموش دعاؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔

امیر یوسف بن تاشفین نے جس قوم کو قعرِ مذلت سے نکالا تھا، اس کے اقبال کے پرچم چار سو سال اور اندلس کی فضاؤں میں لہراتے رہے۔ اس نے جن بے کسوں کے آنسو پونچھے تھے ان کے ہونٹوں پر چار سو سال اور مسرت کی مسکراہٹیں کھیلتی رہیں۔ اس نے جن فرعونوں کی گردنیں جھکائی تھیں، انہیں چار صدیاں اور سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

افریقہ کا رجلِ عظیم ایک تاریک رات کا مسافر تھا جس کے پاؤں کے نشان اَن گنت قافلوں کے لئے روشنی کے میناروں کا کام دیتے رہے ــــ ایک قوم کی بے بسی دیکھ کر قدرت کے دریائے رحمت سے لہر اٹھی اور اندلس کی خاک پر آزادی کے موتی بکھیرنے کے بعد روپوش ہو گئی۔

(۴)

یوم حساب شروع ہو چکا تھا۔ بھیڑیوں کی شکار گاہوں میں شیروں کی گرج سنائی دے رہی تھی۔ امیر یوسف بن تاشفین کے واپس جانے کے بعد سیر بن ابوبکر کی قیادت میں مرابطین کی افواج آندھی کی سی تیزی کے ساتھ اندلس کے طول و عرض میں پھیلنے لگیں۔ ملوک الطوائف کے مضبوط ترین قلعے اس آندھی کے سامنے تنکوں کے انبار ثابت ہو رہے تھے۔ سیر بن ابوبکر جس ریاست کو فتح کرتا تھا وہاں تمام غیر اسلامی قانون منسوخ کر دیئے جاتے تھے۔ بیگار اور تمام خلاف شرع ٹیکس اڑا دیئے جاتے تھے۔ حکومت کا نظم و نسق نیک لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں ملوک الطوائف کی حمایت میں کرائے کے سپاہیوں کی ایک تلوار بلند ہوتی تھی، وہاں عوام کی سینکڑوں تلواریں ملوک الطوائف کے خلاف بے نیام ہو جاتی تھیں۔

ملوک الطوائف اندر اور باہر سے دوہری آگ کا سامنا کر رہے تھے۔ المریہ، مرسیہ اور چند اور سلطنتوں کی تسخیر کے بعد اشبیلیہ کی باری آئی۔ امیر یوسف نے مراکش پہنچ کر معتمد کو پیغام بھیجا کہ تم مقابلہ کرنے کی بجائے اگر اشبیلیہ چھوڑ کر میرے پاس چلے آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن الفانسو معتمد کو مدد دینے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے امیر یوسف کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ سیر بن ابوبکر کے ایک جرنیل حرور الحشمی نے قلعہ رندہ پر حملہ کر کے معتمد کے بیٹے راضی کو قتل کر دیا۔

دوسرے جرنیل ابن حاج نے قرطبہ پر حملہ کیا۔ اہل قرطبہ مدت سے مرابطین کے لشکر کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے فوج کی آمد کی اطلاع ملتے ہی بغاوت کر کے فتح بن معتمد کو جو شہر کی حفاظت پر متعین تھا قتل کر دیا اور حملہ آوروں کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔

سیر بن ابوبکر بذاتِ خود اشبیلیہ کی طرف بڑھا۔ راستے میں اس نے قرمونہ کو فتح کیا۔ اشبیلیہ کے محاصرے کے دوران میں اسے یہ خبر ملی کہ الفانسو معتمد کی اعانت کے لئے سولہ ہزار فوج کے ساتھ طلیطلہ سے اشبیلیہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ سیر بن ابوبکر نے ابو اسحٰق المطلونی[1] کو سات ہزار سواروں کے ساتھ الفانسو کی پیش قدمی روکنے کا حکم دیا۔ ابو اسحٰق نے طلیطلہ سے تھوڑی دور حصن المدور کے مقام پر

---

[1] المطلونی افریقہ کے ایک جنگجو قبیلہ کا نام ہے۔

الفانسو کی فوج کو ایک عبرت ناک شکست دی۔ اس شکست نے الفانسو کی رہی سہی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ مرابطین نے اہل اشبیلیہ کے تعاون سے فصیل کو ایک جگہ سے توڑ دیا اور شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے معتمد کے محل پر حملہ کر دیا اور سیڑھیاں لگا کر محل کی فصیل کے اوپر چڑھ گئے۔ معتمد کا ایک اور بیٹا مالک محل کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا۔

معتمد نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن بالآخر اپنے چاروں اطراف مایوسی کی گھٹائیں دیکھ کر اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

سیر بن ابوبکر نے معتمد، ملکہ رمیکیہ، شہزادہ رشید اور شاہی خاندان کے باقی افراد کو گرفتار کر کے طنجہ[1]

---

[1] معتمد کو طنجہ سے مکناسہ اور مکناسہ سے مراکش کے ایک شہر اغمات میں بھیجا گیا۔ اسی شہر میں اس نے وفات پائی۔ جلا وطنی کے زمانے میں معتمد کو جن آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا ذکر اس کے کلام میں موجود ہے۔ ملکہ رمیکیہ جو ایک سلطنت کی بیشتر آمدنی اپنی عیاشیوں پر صرف کیا کرتی تھی، انتہائی مفلسی اور بے بسی کے دن گزار رہی تھی۔ اندلس کے ان شعراء نے جو معتمد کے زوال کے بعد معاشی طور پر یتیم ہو گئے تھے، نہایت دردناک پیرائے میں معتمد کی بے بسی کی تصویر کھینچی ہے۔ لیکن ان شعراء کا کلام پڑھتے وقت ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو حریر و اطلس کی قبائیں مہیا کرنے کے لئے معتمد اور اس کے ہمعصر امراء انتہائی بے دردی سے رعایا کا خون چوسا کرتے تھے۔ معتمد ایسے لوگوں کا سرپرست اور مربی تھا جو محض عیش و نشاط کے لئے زندہ رہنا چاہتے تھے۔ امیر یوسف کی حکومت جس میں ہر انسان عمل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا، ان کے مزاج کے مطابق نہ تھی۔ اس لئے اگر یہ لوگ امیر یوسف بن تاشفین کو سخت گیری کا طعنہ دیں تو ہمیں تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ امیر معتمد اور ملکہ رمیکیہ کی اسیری کے ایام یقیناً اندوہ ناک تھے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ انہوں نے اپنے لئے جو راستہ منتخب کیا تھا اس کی آخری منزل یہی ہو سکتی تھی۔ امیر یوسف بن تاشفین کی فتح ایک اصول کی فتح تھی اور معتمد اور اس کے ہم عصر حکمرانوں کا زوال ایک ایسے گروہ کی شکست تھی جس نے زندگی کو دیوانے کا خواب سمجھ لیا تھا۔

پھینک دیا۔ جب قیدیوں کا جہاز وادی الکبیر کے راستے سمندر کی طرف روانہ ہونے کو تھا تو اشبیلیہ کے ہزاروں انسان کنارے پر کھڑے یہ عبرتناک منظر دیکھ رہے تھے۔ قیدیوں کو ننگی تلواروں کے پہرے میں جہاز پر سوار کیا گیا۔

قیدیوں کے بعد سعد بن عبدالمنعم جہاز میں داخل ہوا۔ جہاز کا کپتان اور ملاح ادب سے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ سعد نے جہاز کے کپتان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "امیر کا حکم ہے کہ قیدیوں کو راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور آپ طنجہ پہنچنے سے پہلے کسی جگہ قیام نہ کریں!"

قیدی جہاز کے دوسرے کونے میں کھڑے تھے۔ رمیکیہ نے سعد کو دیکھتے ہی معتمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ اسے پہچانتے ہیں؟ یہ وہی ہے جس نے ہمارے دربار میں اس دن کے متعلق پیشگوئی کی تھی"

معتمد نے رنج و کرب کے بوجھ سے جھکی ہوئی گردن اٹھائی اور سعد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اسے نہیں جانتا۔ آج شاید میں آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر بھی پہچان نہ سکوں۔"

رمیکیہ نے کہا۔ "یہ وہی ہے جو ہمارے دربار میں باغیانہ تقریر کرنے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔"

معتمد نے دوبارہ سعد کی طرف دیکھا اور اچانک اس کے کانوں میں وہ الفاظ گونجنے لگے جو گذشتہ چند برس میں بھول جانے کی تمام کوششوں کے باوجود کبھی کبھی اس کی نیند حرام کر دیا کرتے تھے۔

سعد کپتان کے ساتھ قیدیوں کے کمروں کا معائنہ کرنے کے بعد معتمد کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ثانیہ کے لئے رکا اور پھر کچھ کہے بغیر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا جہاز سے اتر گیا۔

جب جہاز روانہ ہوا تو کنارے پر لوگوں کے ہجوم میں سے بعض لوگوں نے مسرت کے نعرے بلند کئے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کی مغموم نگاہیں دنیا کی بے ثباتی کا ماتم کر رہی تھیں۔ اشبیلیہ کا ایک بوڑھا شاعر اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ کہہ رہا تھا۔ "معتمد فیاض تھا، بہادر تھا، بیدار مغز تھا لیکن ایک آوارہ مزاج عورت کی صحبت نے اسے ذلت کے آخری گڑھے تک پہنچا دیا——"

ملکہ رمیکیہ جہاز کے کونے میں کھڑی اپنے عظیم الشان محل کی طرف دیکھ رہی تھی اور جب اس محل اور اس کی آنکھوں کے درمیان آنسوؤں کے پردے حائل ہونے لگے تو اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں

اپنے شوہر سے کہا۔ "کیا ہم پھر یہاں نہیں آئیں گے؟ کیا یہ وحشی ہم پر اشبیلیہ کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیں گے اور کیلوہ محلیں ہمیشہ کے لئے اجڑ چکی ہیں؟"

"ملکہ اب ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ جس چراغ کا تیل ختم ہو چکا ہو وہ آنسوؤں سے نہیں جلا کرتا!"

ایک جگہ دریا کے کنارے چند عورتیں مٹی گوندھ رہی تھیں۔ "ادھر دیکھئے!" رمیکیہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "آپ کو وہ دن یاد ہے جب میں نے مٹی گوندھنے کی خواہش کی تھی اور آپ نے مشک اور عنبر کے ڈھیر لگوا دیئے تھے؟"

معتمد نے کرب آمیز لہجے میں کہا۔ "رمیکیہ خدا کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لو—— اور ماضی کو بھول جاؤ!"

"نہیں نہیں، میں ماضی کو نہیں بھول سکتی۔" رمیکیہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا۔

(۵)

عشا کی نماز کے بعد سعد اور احمد شہر سے باہر فوج کے مستقر میں ایک خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سپاہی نے دروازے کا پردہ اٹھا کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "غرناطہ سے ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے"

دوسرے آدمی نے کسی توقع کے بغیر دروازے سے سر نکالتے ہوئے کہا۔ "ایک آدمی نہیں، چچا الیاس کہو!"

سعد اور احمد ہنستے ہوئے اٹھ کر آگے بڑھے اور سپاہی اپنا سا منہ لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

الیاس، سعد اور احمد کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد ان کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سعد نے کہا۔ "چچا تم اس وقت کیسے آئے۔ گھر میں خیریت ہے نا؟"

"گھر میں خیریت ہے اور میں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ ہم قرطبہ کب جا رہے ہیں۔ وہاں سے آقا کے کئی دوست ہمارے پاس آئے ہیں اور وہ سب اصرار کرتے ہیں کہ ہم فوراً اپنے گھر چلے آئیں!"

سعد نے کہا۔ "میں بھی احمد کے ساتھ یہی باتیں کر رہا تھا۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ احمد آپ سب کو قرطبہ پہنچا آئے۔"

الماس نے کہا۔ "تو آپ غرناطہ نہیں جائیں گے؟ آپ کی والدہ کی خواہش تھی کہ ہم وہاں سے ایک ساتھ قرطبہ جاتے۔"

سعد نے کہا۔ "میرا ابھی یہی ارادہ تھا لیکن آج مجھے ایک اور مہم سونپ دی گئی ہے۔ میں انشاءاللہ ایک ماہ تک قرطبہ پہنچ جاؤں گا اور اس کے بعد جب تک بطلیوس، بلنسیہ اور سرقسطہ پر چڑھائی نہیں ہوتی میں وہیں رہوں گا۔ اب آپ کل کا دن یہاں آرام کریں اور پرسوں احمد کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں مرسیہ جا رہا ہوں۔ وہاں شمالی سرحد پر بلنسیہ سے نصرانی فوج کے چند دستے لوٹ مار کر رہے ہیں اور مجھے ان کی روک تھام کے لئے دفاعی چوکیاں قائم کرنے کا حکم ہے۔"

"آپ کب جا رہے ہیں؟"

"علی الصباح!"

"تو میں اور احمد بھی علی الصباح روانہ ہو جائیں گے۔ مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔"

اگلی صبح سعد نے ایک ہزار سواروں کے ہمراہ مرسیہ اور احمد نے الماس کے ساتھ غرناطہ کا رخ کیا۔

(۶)

ایک ماہ کے بعد سعد بن عبدالمنعم نے مرسیہ کی ایک سرحدی چوکی سے سیر بن ابوبکر کو لکھا کہ ہم نے بلنسیہ کے نصرانی لٹیروں کو ایک عبرتناک شکست دینے کے بعد سرحد پر دفاعی چوکیاں قائم کر دی ہیں۔ مقامی رہنما ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اب بظاہر چند ماہ کے لئے دشمن کی طرف سے کسی اقدام کی توقع نہیں لیکن ہمیں اس علاقے کو اس وقت تک محفوظ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جب تک کہ بلنسیہ سے قنبیطور کے اقتدار کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ حصن اللبیط اور حصن المدور کی شکستوں کے بعد دشمنانِ اسلام کے گروہ بلنسیہ میں قنبیطور کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ ابن ہود کی ملت فروشی کے باعث سرقسطہ بھی شمال کے عیسائیوں کا مستقر بن چکا ہے۔ اگر ہم سرقسطہ پر قبضہ کر لیں تو شمال کے لٹیروں کی توجہ اپنی اپنی ریاستوں کی سرحدوں کے دفاع پر مرکوز ہو جائے گی اور اس کے بعد بلنسیہ پر یلغار کرنا ہمارے لئے نسبتاً آسان ہوگا۔ ورنہ

اس بات کا امکان ہے کہ جس طرح یحیٰی القادر نے بلنسیہ کو عملی طور پر قنبیطور کے قبضہ میں دے رکھا ہے ابن ہود سرقسطہ کی ریاست الفانسو کے سپرد کر دے گا اور یہ دونوں ہمیں اپنا مشترکہ دشمن سمجھ کر آپس میں اتحاد کر لیں گے۔"

چند دنوں کے بعد سعد کا ایلچی سیر بن ابوبکر کی طرف سے یہ جواب لے کر واپس آیا کہ "امیر المومنین نے آپ کو ایک نئی ذمہ داری کے لئے منتخب کیا ہے۔ میں ان کے حکم کی تعمیل میں دس دن کے اندر اندر قرطبہ پہنچ رہا ہوں اور آپ کی جگہ ابن حاج کو بھیج رہا ہوں۔ آپ سرحد پر اپنی ذمہ داریاں ابنِ حاج کو سونپ کر قرطبہ پہنچ جائیں!"

سعد کو اس خط سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اسے جس نئی ذمہ داری کے لئے منتخب کیا گیا ہے وہ کیا ہے۔ تیسرے دن ابنِ حاج پہنچ گیا اور سعد نے قرطبہ کا رخ کیا۔

ایک مجاہد برسوں کے بعد اس وطن کی طرف لوٹ رہا تھا جس کی عزت اور آزادی کے لئے اس نے بچپن کی مسرتیں اور جوانی کی راحتیں قربان کی تھیں۔ قرطبہ، سعد بن عبدالمنعم کے لئے ایک ایسا باغ تھا جسے اس نے اپنے خون، پسینے اور آنسوؤں سے آبیار کیا تھا۔ اپنی راہ کے ہر ذرے میں وہ ایک نئی دلفریبی اور رعنائی دیکھ رہا تھا۔ زندگی کے چہرے سے بدنمائی کے تمام داغ دھل چکے تھے اور اس کے دل کی آواز کہہ رہی تھی۔ "یہ زمین میری ہے۔ یہ سرسبز باغ، یہ لہلہاتی کھیتیاں، یہ پہاڑ اور یہ ندیاں میری ہیں۔ آج میں اس دنیا میں ایک اجنبی نہیں!"

قرطبہ سے چند میل دور اس نے ایک چھوٹی سی بستی میں گھوڑا روک کر ایک کسان سے پانی مانگا اور کسان پانی کی بجائے دودھ کا کٹورا بھر کر لے آیا۔

"میں نے پانی مانگا تھا" سعد نے کہا۔

کسان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اب اس ملک پر اللہ کے بندوں کی حکومت ہے۔ اب پانی مانگنے والوں کو دودھ ملا کرے گا۔ آپ کا گھوڑا تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آپ یہاں آرام کریں!"

سعد نے جواب دیا۔ "نہیں میری منزل بہت قریب ہے۔"

دوپہر کے وقت وہ شہر میں داخل ہوا۔ قرطبہ میں ایک نئی زندگی کروٹیں لے رہی تھی۔ برسوں استبداد کی چکی میں پسنے والے انسانوں کے چہروں پر ایک نیا خون دوڑ رہا تھا۔ ان کی گفتار اور ان کی چال میں جرأت اور بے باکی آچکی تھی۔ شہیدانِ ملت کے خون کے چھینٹے قرطبہ کے باغ کو ایک نئی بہار عطا کر چکے تھے۔ آج ہر شخص کی پیشانی پر یہ تحریر نقش تھی کہ قرطبہ میرا ہے!

اپنے مکان کے دروازے پر وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ ایک نوکر نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔ وہ چند ثانیے دروازے میں کھڑا باغ کے درختوں کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے ماضی کے وہ دن یاد آرہے تھے۔ جب وہ اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر اس باغ میں گھوما کرتا تھا۔ پھر جب وہ اپنے بھائیوں اور محلے کے بچوں کے ساتھ ان درختوں کے نیچے کھیلا کرتا تھا۔ سنِ شعور سے لے کر ہجرت کے زمانے تک کئی واقعات اس کی آنکھوں میں پھر گئے۔ اسے اپنی وہ دعائیں یاد آرہی تھی جو اس نے اسی گھر کو آخری بار خیرباد کہتے ہوئے مانگی تھیں۔ احمد اور الیاس کو اندر سے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ الیاس کے ساتھ چند رسمی باتیں کرنے کے بعد وہ احمد کے ساتھ رہائشی مکان میں داخل ہوا۔ صحن میں سکینہ، میمونہ اور طاہرہ کھڑی تھیں۔ سعد کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو بے اختیار بہہ نکلے:

(۷)

قرطبہ میں امیر یوسف بن تاشفین کے نائب الحکومت کی آمد کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ شہر کا ناظم ایک دن پہلے یہ اعلان کر چکا تھا کہ سیر بن ابوبکر جمعہ کی نماز کے وقت قرطبہ پہنچ جائیں گے اور جامع قرطبہ میں خطبہ دیں گے۔

سعد اور احمد جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ الیاس دروازے پر آکر چلانے لگا۔ "سعد! احمد! جلدی باہر آیئے!"

سعد اور احمد بھاگ کر باہر نکلے تو الیاس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "وہ یہاں آگئے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔ جلدی چلئے!"

"کون آگئے ہیں؟ آپ اتنے بدحواس کیوں ہیں؟" سعد نے اطمینان سے کہا۔

الیاس نے جواب دیا۔ "سیر بن ابوبکر، اور قاضی ابوجعفر۔ میں انہیں دیوان خانے میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ سیدھے ہمارے مکان پر آئے ہیں۔ ہمارے دروازے پر لوگوں کا ہجوم جمع ہو رہا ہے!"

سعد اور احمد دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ سیر بن ابوبکر، قاضی ابوجعفر اور شہر کا ناظم برآمدے میں کھڑے تھے۔ دونوں بھائیوں نے معزز مہمانوں کے ساتھ گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

سیر بن ابوبکر نے کہا۔ "سعد! امیر المومنین نے کہا تھا کہ جب تم قرطبہ پہنچو تو سب سے پہلے سعد کے گھر جاؤ۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ اگر مجھے یہ حکم نہ بھی دیتے تو بھی میں سب سے پہلے یہیں آتا۔ مجھے راستے میں دیر لگ گئی ورنہ میں علی الصباح تمہارے پاس پہنچ جاتا۔ اب نماز کا وقت ہو رہا ہے اور میں امیر کے دوسرے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں۔ امیر المومنین کی خواہش ہے کہ تم قرطبہ کے گورنر کا عہدہ سنبھال لو!"

سعد نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔ "امیر المومنین کی خواہش میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔"

سیر بن ابوبکر نے مسکرا کر قاضی ابوجعفر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب آپ کی سفارش کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ میں آج اہلِ قرطبہ کو یہ پیغام دے سکوں گا کہ فتح کا بہترین انعام ان کے حصے میں آیا ہے۔"

پھر وہ احمد کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "احمد! میں آپ کے لئے بھی امیر المومنین کا ایک حکم لایا ہوں۔ آپ کو المریہ کی گورنری کے لئے منتخب کیا گیا ہے اور میری اور قاضی ابوجعفر کی تائید کے بعد آپ کے لئے اس حکم سے سرتابی کی گنجائش نہیں رہتی۔"

احمد نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ نہیں۔ لیکن میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کروں گا کہ امیر المومنین کا انتخاب غلط ہے۔"

"آپ کو تیاری کے لئے تین دن دیئے جاتے ہیں۔ چلئے اب نماز کا وقت ہو رہا ہے!"

باہر سڑک پر ان کی بگھی کے گرد لوگوں کا ہجوم جمع ہو رہا تھا۔ سیر بن ابوبکر نے بگھی پر سوار ہونے کی بجائے لوگوں کے جلوس میں پیدل مسجد کا رُخ کیا:

(۸)

جامع قرطبہ میں جمعہ کی نماز کے بعد اہلِ شہر نے مسرت کے نعروں کے ساتھ سیر بن ابی بکر کا یہ اعلان سُنا کر سعد بن عبدالمنعم کو قرطبہ کا حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ لوگوں کے اصرار پر سعد تقریر کے لئے اٹھا۔ اسے دیکھنے والوں کی نگاہیں عقیدت اور محبت کے جذبات سے لبریز تھیں۔ اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد تقریر شروع کی:

"برادرانِ ملت! مجھے ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔ خدا سے دعا کیجئے کہ میں یہ بوجھ اٹھا سکوں۔ تم میرے گواہ ہو کہ میں اس مسجد میں حدود اللہ کا پابند رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اگر میں وعدے سے منحرف ہو جاؤں، اگر میں عدل و انصاف کا راستہ چھوڑ دوں اور اگر میں اس عہدے کو خدمتِ دین کی بجائے ذاتی منفعت کا ذریعہ بنا لوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم مجھے کان سے پکڑ کر اس مسند سے اتار دو۔

میں نے افریقہ کے چرواہوں میں یہ جرأت دیکھی ہے کہ وہ ہمارے امیر یوسف بن تاشفین کا دامن پکڑ کر عدل و انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں آتی۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ان کے نائب بھی ان کے نقشِ قدم پر چلیں تو اپنے دلوں میں حق و انصاف کی آواز بلند رکھنے کی جرأت پیدا کرو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے حکمران حق پرست اور عادل ہوں تو اپنے دلوں میں حق گوئی کا جذبہ زندہ رکھو۔ ان لوگوں کے سامنے گردن مت جھکاؤ جو خدا کے باغی ہیں۔ ان لوگوں کا احترام کرنا گناہ ہے جو خدا کے دین کا احترام نہیں کرتے۔

ہم اندلس کے حکمرانوں کی نااہلی اور گمراہی کے باعث تباہی اور بربادی کا بدترین دور دیکھ چکے ہیں۔ لیکن میں خوشامدی شاعروں اور ادیبوں کو ان حکمرانوں کی نسبت کم مجرم نہیں سمجھتا جو ان کے ہر بُرے سے بُرے فعل کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیا کرتے تھے۔ وہ ایک عیاش حکمران کے باجگزار تھے اور یہ انہیں ہفت اقلیم کے بادشاہ

کہتے تھے۔ وہ اپنی عیاشیوں کا سامان مہیا کرنے کے لئے رعایا کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے اور یہ ان کی امارت اور فیاضی کے گن گاتے تھے۔ انہوں نے شراب خوری، بے دینی اور بے حیائی کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور یہ ان کے زہد و تقویٰ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان خوشامدیوں اور مطلب پرستوں نے ملوک الطوائف کا مزاج اس قدر بگاڑ دیا تھا کہ وہ حق کی ہر آواز کو اپنے لئے گالی سمجھتے تھے۔

یاد رکھیے جو قوم حق و صداقت سے منہ پھیر لیتی ہے اس کے آغوش میں مامون ذوالنون، یحییٰ القادر اور ابنِ عکاشہ جیسے لوگ جنم لیتے ہیں جو انسانوں کی بستیوں کو درندوں سے بھر دیتے ہیں۔ قدرت اس کی اعانت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتی ہے اور اس کا ہر قدم تنزل کی طرف اٹھتا ہے اور جو قوم صدق و خلوص کے ساتھ خدا کی راہ پر گامزن ہوتی ہے قدرت اسے طارق ؒ اور عبدالرحمٰن ؒ جیسے قافلہ سالار عطا کرتی ہے۔ دنیا کی رزم گاہوں میں فتوحات اس کے پاؤں چومتی ہیں اور اس کا ہر قدم بلندی کی طرف اٹھتا ہے!

ہم ملوک الطوائف کی نااہلی اور امراء کی بے حسی کے باعث انحطاط کے آخری گڑھے میں پہنچ چکے تھے۔ کفار کا لشکر اشبیلیہ، قرطبہ اور غرناطہ کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا لیکن خدا کو ہماری تباہی منظور نہ تھی۔ وہ ہمیں اپنی اصلاح کے لئے ایک اور موقع دینا چاہتا تھا۔ افریقہ کے ریگزاروں سے ایک مجاہد اٹھا اور اس نے وحشت اور ظلمت کے طوفانوں کا منہ پھیر دیا۔ آج ہم فاتح ہیں۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ فتح ہمیں ان گنت قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ آج زلاقہ اور حصن الیط کے ان گمنام شہیدوں کو یاد کیجئے جنہوں نے اپنے خون سے اندلس کی تاریخ کا نیا عنوان لکھا ہے۔ آج اپنے ان محسنوں کو یاد کیجئے جنہوں نے ظلمت کے طوفانوں میں حق و صداقت کی قندیلیں روشن کی تھیں۔ آج ان سرپھروں کو یاد کیجئے جنہیں

حق کی آواز بلند کرنے کے عوض اپنی زندگیاں ملوک الطوائف کے قید خانوں میں گزارنی پڑیں۔
آج قوم کے یہ محسن ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی مقدس روحیں آج بھی ہمیں دیکھ رہی ہیں۔ اگر ہم احسان فراموش نہیں تو ہمیں کسی وقت بھی یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ان کی عظیم الشان قربانیوں کا ایک مقصد تھا۔ وہ اس لئے قربان ہوئے کہ اندلس میں دین کا پرچم بلند رہے۔ وہ اس لئے قربان ہوئے کہ خدا کی زمین پر خدا کا قانون رائج ہو۔ اندلس ملت کے شہیدوں کی امانت ہے۔ آئیے آج صدقِ دل سے یہ عہد کریں کہ ہم اس امانت میں خیانت نہیں کریں گے! انہوں نے شجرِ اسلام کو اپنے خون سے آبیار کیا ہے اور ہم اسے دوبارہ خزاں کی آندھیوں کا شکار نہیں ہونے دیں گے! انہوں نے اس ملک کو ہمارے لئے امن اور عافیت کا گھر بنا دیا ہے اور ہم اس گھر میں ملوکیت اور استبداد کے بت کھڑے نہیں کریں گے! انہوں نے ہمیں آزادی کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لئے غلامی کی لعنت چھوڑ کر نہیں جائیں گے! میں اپنی تقریر کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ خدا قیامت کے دن ہمیں زلاقہ اور حصن اللیط کے شہیدوں کے سامنے شرمسار نہ کرے"۔
